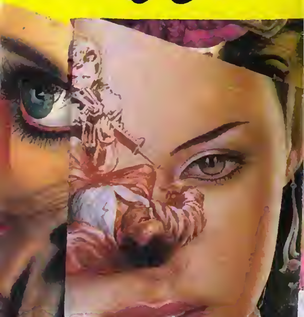
ابن صفی

طوفان کی آواز



طوفان کی آواز

ابن صفی

سوئمنگ پول پر بڑی بھیڑ تھی۔ سنڈے ہی ہوتی تھی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اگر اس ہوٹل میں خود لڑکیاں ملازم نہ ہوتیں تو شاید ہی کوئی ادھر کا رُخ بھی کرتا۔ مگر صفدر عمران کے متعلق یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس نے اسی لیے اس ہوٹل میں قیام کیا ہوگا۔ وہ جانتا تھا۔ عمران کو لڑکیوں سے کبھی اتنی دلچسپی نہیں رہی کہ وہ انہیں غسل کے لباس میں دیکھنے کے شوق میں خود بھی لنگوٹی لگا کر پول کے کنارے آ بیٹھے گا۔ لنگوٹی کا لطیفہ بھی دلچسپ تھا۔ جس روز وہ یہاں آئے تھے اسی دن عمران نے بازار سے سُرخ رنگ کی ایک لنگوٹی خریدی تھی۔ صفدر نے اس پر حیرت ظاہر کی تھی اور عمران نے کہا تھا کہ وہ سُوٹ پہن کر نہیں نہا سکے گا۔ صفدر نے مشورہ دیا تھا کہ وہ سوئمنگ ڈریس خریدے خواہ مخواہ تماشا بننے سے کیا فائدہ؟ اس پر عمران نے غصیلے لہجے میں کہا تھا کہ وہ اسی طرح نہلائے گا... جیسے اس کے باپ دادا نہلاتے آئے ہیں۔

ایک مکمل ناول

گیند کی تباہ کاری

ابنِ صفی

جب زندگی تھک جاتی ہے اور لمحے سست پڑ جاتے ہیں...... تو ماحول میں گھٹن کا احساس شدید تر ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی تھکے تھکے سے اور بوجھل لمحات کے لیے اکسیرِ عمران کا ایک قہقہہ بار کارنامہ



دوسرے ہی دن عمران، وہی لال لنگوٹ لگائے ہوئے پول کے کنارے پہنچ گیا تھا۔ سینکڑوں آنکھیں متحیرانہ انداز میں اس کی طرف اُٹھی تھیں۔ لوگوں نے آوازے کسے تھے اور صفدر اس کے پاس سے کھسکتا ہوا دُور نکل گیا تھا۔ مگر اتنی دُور بھی نہیں کہ عمران کی حماقتوں سے لطف اندوز نہ ہو سکتا۔

لوگ ہنس رہے تھے اور آوازے کس رہے تھے لیکن عمران ان سب سے بے نیاز کنارے پر کھڑا گویا سوچ رہا تھا کہ پانی میں اُترے یا نہ اُترے۔ چہرہ گاؤدیوں اور گھامڑوں کا سا بنا رکھا تھا۔

مارچ کی شروعات ہو چکی تھیں لیکن ابھی پانی میں کافی ٹھنڈک رہتی تھی۔ عمران نے پانی میں چھلانگ لگائی تھی اور پھر اس طرح بوکھلا کر نکل آیا تھا، جیسے کسی مگرمچھ نے تعاقب کیا ہو۔ پھر وہ کنارے پر اکڑوں بیٹھ کر کسی سردی کھائے ہوئے بکری کے بچے کی طرح کانپنے لگا تھا۔ اس پر اور زیادہ قہقہے بلند ہوئے تھے لیکن عمران کے انداز سے نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اپنے گرد و پیش کی خبر ہو۔ پھر وہ شیطان کی طرح سارے ہوٹل میں مشہور ہو گیا تھا۔

صفدر اور عمران محض تفریح کی غرض سے سردار گڑھ آئے تھے۔ تفریح کی ضرورت یوں محسوس ہوئی تھی کہ تاریک وادی کے دل ہلا دینے والے سفر نے انہیں کم از کم ذہنی فرار کی طرف تو مائل ہی کر دیا تھا۔ حالانکہ اسی ذہنی فرار کے لیے بھی انہیں تھوڑا سا سفر برداشت کرنا پڑا تھا۔ ویسے خود صفدر نے اس سفر کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ عمران ہی نے اسے مجبور کیا تھا اور صفدر کی دانست میں عمران کی سفارش پر اس کی چھٹی بھی ایکس ٹو نے منظور کر لی تھی۔

یہ سب کچھ اس کے لیے قطعی تکلیف دہ ثابت نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ خود بھی چلتے پھرتے رہنے کا قائل تھا۔ مصیبت تو دراصل عمران کی لال لنگوٹی تھی اور اس وقت اس لنگوٹی پر سبز رنگ کی فلسٹ ہیٹ کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اس پر سے عمران کے اکڑوں بیٹھنے کا انداز، ایک ہاتھ سے اس نے صفدر کی ٹانگ پکڑ رکھی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ صفدر اس کے پاس سے کھسکنے نہ پائے۔ دوسری طرف صفدر کا بُرا حال تھا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ اپنی ٹانگ چھڑا لے۔ ساتھ ہی اسے اس کا بھی خیال تھا.... کہ لوگوں کی نظر اس ٹانگ پر نہ پڑنے پائے جسے عمران نے پکڑ رکھا تھا۔ اس لیے اس نے اس ٹانگ پر ڈریسنگ گاؤن ڈال لیا تھا۔

"عمران صاحب! اب مجھے غصہ آ جائے گا۔" اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"مگر غصہ اتارو گے کس پر۔ تمہارے تو بیوی بچے بھی نہیں ہیں۔" عمران متحیرانہ لہجے میں بولا۔

"آخر اس سے کیا فائدہ؟"

"فائدہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر تم مجھ سے دُور بیٹھ کر کیا کرو گے؟"

"اچھا تو ہیٹ ہی اتار دیجئے۔"

"شریف آدمیوں کو لنگوٹی میں بھی شریف ہی نظر آنا چاہیے۔ اس لیے میں ہیٹ نہیں اتار سکتا۔"

صفدر نے سوچا کہ اب جلی کٹی پر اُتر آنا چاہیے۔ ممکن ہے اسی طرح پیچھا چھوٹ جائے۔ لہٰذا اُس نے کہا۔ "دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا طریقہ بہت بچکانہ ہے عمران صاحب۔"

"عادت بُری بلا ہے۔ میں مجبور ہوں مسٹر صفدر۔"

"پھر آپ ہی چھٹکارے کی کوئی تدبیر بتائیے۔" صفدر نے بے بسی سے کہا۔

"چھٹکارے کی صورت!" عمران آہستہ سے بولا اور پھر بے حد مغموم نظر آنے لگا۔ جب اس کی صورت پر حماقت طاری ہو، مغموم ہو جانے کا انداز ایسا ہی ہوتا تھا جیسے وہ کوئی کثیر العیال بیوہ ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "چھٹکارا ممکن ہے مگر اس کے لیے تمہیں بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ کوہ ندا کے آگے ایک صحرائے عظیم ہے کہ جس کی طرف دیکھنے سے پڑ جائیں لاکھوں آبلے پائے نگاہ میں۔ تو عزیزم بیچ اس صحرا کے ایک عظیم الشان گنبد پلاسٹک کا ہے۔ جو مثل گراموفون کے ریکارڈ کے تیزی سے گردش کرتا رہتا ہے اور چوٹی پر اس گنبد گرداں کے ایک طائر خوش الحان کہ نطفے سے بُلبل ہزار داستان کے ہے، بیٹھا دم بدم گاتا رہتا ہے۔ مارکٹاری مرجانا پے انکھیاں تار لڑانا... نا۔ پس تمہیں لازم ہے کہ ایک تیر تاک کر ایسا مارو کہ اس پرندے کی دُم پر پڑے۔ اگر دُم پر نہ پڑا تو پلٹ کر تمہاری ناک پر پڑے گا اور تم دائمی نزلے میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اگر اس طائر خوشنوا کی دُم ہی پر پڑا تو وہ طائر جل کر راکھ ہو جائے گا اور ادھر تمہاری ٹانگ بھی چھوٹ لے گی... ورنہ... میں نہیں جانتا کہ کب تک پھنسی رہے۔"

عمران خاموش ہو گیا۔ صفدر بُرا سا منہ بنائے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے بھی سوچا کہ اب خاموشی ہی اختیار کر لی جانی چاہیے کیونکہ جتنی وہ پیچھا چھڑانے کی کوشش کرے گا اتنی ہی گردن پھنستی جائے گی۔ وہ عمران کو تجربتاً ہزار بلا سے کم نہیں سمجھتا تھا۔

پول میں تیرنے والوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ پول دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصے میں لوگ تیرتے تھے اور دوسرا حصہ صرف ڈائیو کرنے والوں کے لیے مخصوص تھا۔ اس وقت دوسرے حصے میں چار لڑکیاں غوطہ خوری کے کمالات دکھا رہی تھیں اور اس حصے کی طرف تماشائیوں کی بھیڑ زیادہ تھی۔ یہاں مردوں میں شاید کوئی اچھا غوطہ خور موجود نہیں تھا اس لیے دوسرے حصے میں صرف وہی چاروں لڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔ صفدر تھوڑی دیر خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے کہا۔ "کیا نہانے کا ارادہ نہیں ہے؟"

"واہ..." عمران یک بیک اچھل پڑا اور صفدر کی ٹانگ چھوڑ دی۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"ارے میں بھی اتنی دیر سے یہی سوچ رہا تھا کہ میں نے کیا ارادہ کیا تھا اگر تم دہراتے تو میں بیٹھا سوچتا ہی رہ جاتا۔ آؤ۔" عمران نے کہا اور تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ مگر صفدر جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ عمران تیرتا ہوا بچوں کے سے انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر اسے آوازیں دے رہا تھا۔ "ارے آؤ... آج تو ... بھی... پھر... پھو... پانی ٹھنڈا... پھو... نہیں لگ رہا ہے... ارے ... آؤ بھی..."

صفدر نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ وہ بہت شدت سے بیزار ہو گیا تھا۔ دفعتاً اس کی نظر ہوٹل کے اسسٹنٹ منیجر پر پڑی جو اسی طرف آ رہا تھا۔ وہ صفدر کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے کچھ عرض کرنا ہے جناب۔" اس نے کہا۔

"فرمائیے۔"

"یہ آپ کے ساتھی، یہاں کافی نام پیدا کر رہے ہیں۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ غیر معمولی طور پر زندہ دل آدمی ہوں لیکن اگر ان کی دیکھا دیکھی چار مزید زندہ دلوں کا اضافہ ہو گیا تو ہمارا ریپوٹیشن جہنم میں گیا۔"

صفدر مسکرایا۔ تھوڑی دیر تک اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "لنگوٹی ہمارا پیدائشی حق ہے۔ اگر سوٹوں کی مجموعی تعداد کو ملک کی پوری آبادی پر برابر برابر تقسیم کر دیا جائے تو یقین کیجئے کہ لنگوٹی سے بھی کوئی کمتر چیز ہر ایک کے حصے میں آئے گی۔"

"معاف کیجئے گا میں نے کوئی سیاسی مسئلہ نہیں چھیڑا تھا۔" منیجر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"میں نے یہ بات خالص جمالیاتی نقطۂ نظر سے کہی ہے۔" صفدر سنجیدگی سے بولا۔ "آپ ادھر دیکھئے... سامنے دو لڑکیاں ڈائیو کر رہی ہیں، ان کی [illegible] ساخت کی نہیں ہیں لیکن ہیں لنگوٹیاں ہی۔"

"ٹھیک بات ہے جناب! میرا خیال ہے کہ اب ہمیں آپ لوگوں کو [illegible] نوٹس دینا پڑے گا۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہوگی۔ آپ ضرور دیجئے نوٹس۔" صفدر خوش [illegible] تالاب سے شور سنائی دیا اور وہ ادھر متوجہ ہو گئے۔ [illegible] چھپٹ رہے تھے اور گیند دیکھتے ہی دیکھتے نظروں [illegible] ہو گئی۔ پھر اچانک ایک تیز چیخ فضا میں ابھری، اس کے ساتھ [illegible] کے ہوئے اور تیراک چاروں طرف بکھر گئے۔ ایک آدمی [illegible] رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خوفناک ہو جانے کی حد [illegible] اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ غرق ہو رہا ہے۔ وہ سب تیراک [illegible] متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ [illegible] تھا۔

چیخنے والا دیکھتے ہی دیکھتے...... زیرنشین ہو گیا۔ پانی کی سطح پر خون کا ایک موٹا سا لہریا مچل رہا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد دوسروں کو ہوش آیا۔ اب بھی لوگ کچھ نہ سمجھ پاتے۔ اگر ڈوبنے والے کی لاش دوبارہ سطح پر نہ آ گئی ہوتی۔ لوگ پول سے نکل نکل کر بھاگنے لگے اور ذرا سی دیر میں وہاں ایسی ویرانی نظر آنے لگی جیسے بھیڑیوں کے کسی بہت بڑے غول نے حملہ کیا ہو۔

"فی الحال ہمیں کھسک ہی لینا چاہیے۔" عمران نے صفدر سے کہا۔ "ظاہر ہے کہ نہ میں تھانے دار ہوں اور نہ تم ہی ہو۔"

صفدر بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ سیکرٹ سروس والوں کے معاملات کتنے نازک ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ دونوں اپنے کمرے میں آ گئے۔

"ہوا کیا تھا؟" صفدر نے پوچھا۔

"جو کچھ بھی ہوا ہے اچھا نہیں ہوا۔ اب ہو سکتا ہے کہ یہ لال لنگوٹی گردن سے لپٹنی پڑے۔ وہاں سے سب ہی بھاگ نکلے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے متعلق یقین کے ساتھ نہ کہا جا سکے کہ وہ وہاں موجود تھا بھی یا نہیں لیکن کیا وہ اسسٹنٹ منیجر تمہیں بھلا سکتا ہے، جو ابھی کچھ دیر پہلے تمہارے پاس بیٹھا غالباً میرے ہی بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔"

"آپ نے میری بھی مٹی پلید کر دی۔" صفدر نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "آپ کا کیا۔ آپ باقاعدہ طور پر سیکرٹ سروس میں نہیں ہیں۔ ایکس ٹو مجھے کچا چبا جائے گا۔"

"معدہ بھی چوپٹ ہو جائے گا، اس چوہے کا اگر تمہیں کچا چبا گیا۔ قاعدے کی بات تو یہ ہوگی کہ اُبال کر کھایا جائے۔"

صفدر کچھ نہ بولا اب اسے پھر عمران پر غصہ آ گیا تھا۔

"میں کہتا ہوں، آخر یہ لال لنگوٹی ہی کیوں تھی۔" اس نے تھوڑی ہی دیر بعد کہا۔

"میں کیا بتاؤں مجھے لال ہی لنگوٹی پسند ہے۔ ہو سکتا ہے تم نیلی یا سبز رنگ کی پسند کرتے ہو۔"

صفدر پھر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر چونک کر بولا۔ "آخر بات کیا ہوئی تھی۔ کیا وہ حقیقتاً لاش ہی تھی؟"

"اس وقت تک تو لاش ہی تھی، جب ہم بھاگے تھے۔ بعد کا حال خدا جانے...!"

"مگر ہوا کیسے؟"

"یہ بھی نہیں معلوم کہ کیسے ہوا تھا۔ بس ایک گیند میری عدیم الاستقبال کھوپڑی سے ٹکرا کر دُور جا پڑی تھی اور بیک وقت کئی آدمی اس کی طرف جھپٹے تھے۔ اسی افراتفری کے دوران کسی کا ہاتھ چل گیا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں چاقو ہی استعمال کیا گیا ہوگا۔"

"اور شاید قاتل۔ قاتل اب کیا کرے گا۔" صفدر بولا۔ "اس نے چاقو پانی ہی میں چھوڑ دیا ہوگا۔"

"او... یار۔ وہ ملے یا نہ ملے۔ بات تو یہ ہے کہ اگر پولیس نے ہمیں دھر لیا تو کیا ہوگا۔ لنگوٹی کے دُم چھلے میں چاقو بہ آسانی چھپایا جا سکتا ہے۔"

"ہا۔ ہا ہا۔ ہا۔" صفدر نے مخصوص انداز میں قہقہہ لگایا۔ یہ اس کا طنزیہ انداز تھا۔

"ہائیں... تم ہنس رہے ہو۔" عمران متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں پریشان ہی نہیں ہوں۔"

"جس دن آپ کسی مسئلے پر پریشان نظر آئے وہی میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

"تو پھر میں ابھی لنگوٹی نہ اتاروں۔" عمران کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔

"او ہو۔" یک بیک وہ چونک پڑا۔ "ہمیں کپڑے پہن لینے چاہیئے۔"

پھر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف چلا گیا لیکن عمران اسی طرح بیٹھا رہا۔

"میں نے کہا۔ کیا اب بھی لنگوٹی لگی ہی رہے گی۔" صفدر نے اسے مخاطب کیا۔ عمران نے ٹھنڈی سانس لی، چند لمحے مُنہ چلاتا رہا پھر بڑے مغموم لہجے میں بولا۔ "میں سوچ رہا ہوں کہ آخر وہ گیند میری ہی کھوپڑی پر کیوں پڑی تھی؟"

اس قتل کے سلسلے میں جو تفتیش ہوئی، عمران کے خدشات کے خلاف ہی نکلی۔ نہ تو کسی نے خصوصیت سے ان کی طرف اشارہ کیا تھا اور نہ پولیس ہی نے عام قسم کی پوچھ گچھ سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی۔ شام تک صفدر نے اس سلسلے میں کافی معلومات فراہم کر لیں اور انہیں معلومات کی وجہ سے عمران کی حیرت رفع ہو سکی۔ ورنہ پولیس کی سرسری چھان بین اس کے لیے بڑی حیرت انگیز ثابت ہوئی تھی۔

"یہاں تو ایسے واقعات کئی دنوں سے ہو رہے ہیں۔" صفدر نے کہا۔

"کیسے واقعات...؟"

"پُراسرار گیندوں سے تعلق رکھنے والے۔"

"پُراسرار۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ "پُراسرار کی ترکیب میرے لیے سوہانِ روح بن کر رہ گئی ہے۔ میں اس پہلے آدمی کی جان کو روتا ہوں جس نے سب سے پہلے یہ ترکیب استعمال کی تھی۔ خیر ہاں تو ان گیندوں کا کیا قصہ ہے؟"

"سردار گڑھ میں اب تک چھ وارداتیں ہو چکی ہیں۔ جن میں یہ گیندیں کسی نہ کسی طرح ضرور شریک رہی ہیں۔ کبھی یہ گیندیں بھری پُری سڑکوں پر آئی ہیں کبھی ایسی تفریح گاہوں میں جہاں بہت زیادہ بھیڑ رہتی ہے۔ اور ہر بار ایک آدھ قتل ضرور ہوا ہے۔ گیندوں کی وجہ سے انتشار برپا ہوتا ہے اور اسی انتشار کے عالم میں کوئی اپنا کام کر گزرتا ہے۔"

"ہام۔" عمران نے اُلوؤں کی طرح دیدے پھرائے۔ "کوئی جانبر بھی ہوا ہے یا ایسے کیسوں کے سارے ہی آدمی مر گئے تھے؟"

"صرف ایک آدمی جس پر اچٹتی ہوئی سی چھری پڑی تھی۔"

"تب تو پولیس کو ان وارداتوں کی نوعیت کسی حد تک معلوم ہو سکی ہوگی۔"

"یہی تو ایک بہت بڑی ٹریجیڈی ہے۔" صفدر بولا۔ "وہ ایک کام کا آدمی ہاتھ بھی لگا ہے تو صحیح الدماغ نہیں رہ گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"ہوش میں آنے کے بعد بھی اس نے ہوش کی باتیں نہیں کیں۔ وہ اب بھی سول اسپتال میں موجود ہے۔"

"اب تک کُل کتنی وارداتیں ہو چکی ہیں۔" عمران نے پوچھا۔

"چھ عدد...!"

"پہلی واردات کو کتنے دن ہوئے!"

"آٹھ دن ہو چکے ہیں اور پھر بقیہ وارداتیں ایک یا دو دن کے وقفے سے ہوتی رہی ہیں۔"

"اس سلسلے میں کچھ گرفتاریاں بھی ہوئی ہیں؟" عمران نے پوچھا۔

"ہاں ہوئی ہیں۔ مگر ویسی ہی جیسی عموماً ہوا کرتی ہیں۔ یعنی محض شبے کی بنیاد پر دو چار کو دھر لیا۔"

عمران کچھ سوچنے لگا۔ صفدر بھی خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد عمران بڑبڑایا۔ "تو گیندوں کی کہانی سردار گڑھ کے بچے بچے کی زبان پر ہوگی۔"

"ظاہر ہے۔" صفدر نے کہا۔

"ہا ہا۔" عمران کرسی سے اُٹھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا پھر رُک کر بولا۔ "تب پھر ان لوگوں کو پاگل ہی سمجھنا چاہیے جو آج پول میں گیند پر جھپٹے تھے۔"

"میں بھی اسی پر غور کر رہا ہوں۔"

"کس نتیجے پر پہنچے؟" عمران نے تشویش آمیز لہجے میں پوچھا۔

"دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ آج ہی آئے تھے اور انہیں ان حالات کا علم نہیں تھا یا پھر یہ قاتلوں ہی کی بھیڑ ہو سکتی ہے جس نے کسی ایک آدمی پر یلغار کی تھی۔"

"گڈ۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "کیا تمہیں ان میں سے ایک آدھ کی شکل یاد ہے؟"

"نہیں۔" صفدر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اسسٹنٹ منیجر کی طرف متوجہ تھا۔"

"افسوس کہ مجھے دو تین شکلیں یاد ہیں۔" عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ تھوڑی دیر پھر خاموشی رہی۔ صفدر سگریٹ کے دھوئیں کے بادل بکھیر رہا تھا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی خبر ہے کہ اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے دارالحکومت سے سراغ رسانوں کی ایک ٹیم آ رہی ہے۔"

"چلو اچھا ہوا۔" عمران نے اس طرح سانس لی جیسے خود اس کی گردن بچ گئی۔

"آپ الجھن میں پڑ سکتے ہیں عمران صاحب۔ کیپٹن فیاض کے محکمے کا کوئی آدمی آپ کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہیے۔" عمران نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"آپ نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام بھی غلط درج کرایا ہے۔"

"ارے تو اب صحیح کرا دو نا یار میری تو عقل ہی چوپٹ ہو کر رہ گئی ہے۔"

"اب نام صحیح کرانے بیٹھے تو یہاں کی پولیس ٹانگ پکڑ لے گی۔"

"ارے پھر کیسے گردن چھوٹے گی؟"

"میں تو جا رہا ہوں یہاں سے آپ میرا سامان دیکھئے گا۔"

"کہاں جا رہے ہو، واہ... یعنی کہ... ؟"

"آپ کا تو شاید کچھ بھی نہ بگڑے۔ مگر مجھ پر ایکس ٹو کا عتاب ضرور نازل ہوگا۔ اس کا کہنا ہے کہ پولیس کی نظروں میں آنے سے بچو۔"

"تو تم مجھے تنہا چھوڑ جاؤ گے؟"

"پھر میں کیا کروں؟"

"میری ہی طرح تم بھی صبر کرو اور ڈٹے رہو۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"نہیں مجھے جانے ہی دیجئے۔"

"دیکھو، اب میں بھی کرائے کا ٹٹو نہیں رہا۔ باقاعدہ طور پر تمہارے ہی محکمے سے تعلق رکھتا ہوں۔" عمران نے کہا۔

"آپ کی اور بات ہے۔ آپ کو پہلے ہی سے سب جانتے ہیں اور آپ کے متعلق وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکیں گے کہ آپ کا تعلق سیکرٹ سروس سے بھی ہو سکتا ہے۔"

عمران کچھ کہنے والا ہی تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" صفدر نے گرج کر کہا۔

"پولیس۔" باہر سے آواز آئی۔

"ارے باپ رے۔" عمران بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔

صفدر نے دروازہ کھول دیا۔ ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبل کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ اسسٹنٹ منیجر بھی تھا۔

"آپ کا کیا نام ہے؟" سب انسپکٹر نے صفدر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"صفدر سعید...!"

"کہاں سے آئے ہیں؟"

"دارالحکومت سے۔"

"پیشہ...؟"

"مچھلیوں کی آڑھت۔"

"پتہ...؟"

"فیروز گرین اسکوائر۔"

ایک کانسٹیبل نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ سب انسپکٹر عمران کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ کا نام؟"

"علی عمران، ایم، ایس، سی، پی، ایچ، ڈی، آکسن۔"

سب انسپکٹر نے اسے گھور کر دیکھا اور دوسرے کانسٹیبل سے کہا۔ "رجسٹر کھولو۔"

کانسٹیبل کے ہاتھ میں ہوٹل کا وہ رجسٹر تھا جس میں قیام کرنے والوں کے نام اور پتے درج کیے جاتے تھے۔ کانسٹیبل نے رجسٹر کھول کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"مگر اس میں تو تفضّل حسین درج ہے۔" اس نے گونجیلی آواز میں کہا۔

"درج ہونے کو تو لارڈ لِن لتھگو بھی درج ہو سکتا ہے... پھر! بھلا مجھے لارڈ لِن لتھگو کون تسلیم کرے گا؟"

"اس میں تفضّل حسین کیوں درج ہے؟" سب انسپکٹر منیجر کی طرف مُڑا۔

"جو کچھ انہوں نے بتایا ہوگا، وہی درج کیا گیا ہوگا جناب۔ آپ ان سے یہ پوچھیے کہ نام کے آگے دستخط کس کے ہیں؟"

عمران رجسٹر میں دستخط دیکھنے کے لیے آگے جھک آیا۔

"ہاں یہ میرے ہی دستخط ہیں اور سچ مچ یہاں تفضّل حسین ہی درج ہے۔" عمران نے سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکائیں پھر بولا۔ "دستخط بھی صاف ہیں۔ صاف عمران پڑھا جا سکتا ہے۔"

سب انسپکٹر نے دستخط کو بنظرِ غائر دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے دستخط صاف ہیں۔" پھر سر اُٹھا کر بولا۔ "آپ نے غلط نام لکھے جانے پر اعتراض کیوں نہیں کیا تھا۔" نہ جانے کیوں یک بیک صفدر موج میں آ گیا۔ اس نے کہا۔ "یہ دراصل اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ اس لیے آپ ان کے متعلق صحیح معلومات نہ حاصل کر سکیں گے۔"

"او..." عمران دانت پیس کر صفدر کو گھونسا دکھاتا ہوا بولا۔ "تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے۔ تمہارے فرشتے بھی نہیں ثابت کر سکتے کہ میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔"

"کیا قصہ ہے۔" سب انسپکٹر نے صفدر کو گھورا۔

"الگ چلیے تو بتاؤں۔ یہ یہاں مجھے گفتگو نہیں کرنے دیں گے۔"

"چلیے۔" سب انسپکٹر نے پلکیں جھپکائیں۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے غصے نے عمران کی عقل سلب کر لی ہو۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے اس نے کہا۔ "اپنے بیان کا یہ خود ذمے دار ہوگا۔ یہ سراسر بکواس ہے کہ میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔ یہ لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ مگر میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ حلیمہ خانم سے میری شادی ضرور ہوگی۔ خواہ میرے سر پر سینگ نکل آئیں۔ اب یہ لوگ پولیس سے میرے پاگل پن کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

سب انسپکٹر رُک کر عمران کی طرف مُڑنے ہی والا تھا کہ صفدر نے کہا۔ "بے کار وقت برباد نہ کیجئے۔ وہ میرا چچا زاد بھائی ہے۔ مجھ سے زیادہ اس کے متعلق اور کوئی نہیں جان سکتا۔ چلیے صاحب آپ بھی آئیے۔"

منیجر بھی آگے بڑھا۔ اُس نے ایک خالی کمرے تک ان کی رہنمائی کی۔
صفدر نے جیب سے سگریٹ کیس نکال کر انہیں پیش کیا اور ایک سگریٹ اپنے لیے منتخب کر کے سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس کی تصدیق منیجر صاحب کر سکتے ہیں کہ ان سے پاگلوں کی سی حرکتیں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر سرخ لنگوٹی کا قصہ۔"

"میں سن چکا ہوں۔" سب انسپکٹر غرّایا۔ "مگر آپ یہاں کس غرض سے آئے ہیں۔"

"محض تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے۔ اپنے یہاں بے تحاشا گرمی پڑنے لگی ہے۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس میں بے چارے کلرک کی بھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اسے اپنا نام تفضل حسین ہی بتایا ہو لیکن وہ دستخط کرنے میں کبھی غلطی نہیں کرتے۔ میں نے بارہا آزمایا ہے۔"

"حلیمہ خانم کا کیا تعلق ہے۔"
صفدر چکرا گیا اور سوچنے لگا کہ اس سلسلے میں کس قسم کی بکواس مناسب رہے گی۔ "یہی تو ساری مصیبتوں کی جڑ ہے۔" صفدر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ یہ کون ہے! بس وہ اس کے متعلق ہر وقت کچھ نہ کچھ بڑبڑایا کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہم لوگ۔ حلیمہ خانم کے سلسلے میں ان کے خلاف سازش کر رہے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ ان کی شادی حلیمہ خانم سے ہو۔ اس لیے ہم نے انہیں پاگل مشہور کر رکھا ہے۔ یقین کیجیے کہ ہم کسی حلیمہ خانم کے وجود سے واقف نہیں ہیں۔"
"کوئی خیالی عورت، کیوں؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔
"سو فیصد ہی خیالی۔"
"میری رائے ہے کہ آپ انہیں بریلی بھجوا دیجیے لیکن آپ یہ نہ سمجھیے کہ میں نے آپ کے بیان پر یقین کر لیا ہے۔"
"نہ کیجیے یقین۔" صفدر جھنجھلا گیا۔ "میں نے آپ کو مجبور تو نہیں کیا کہ یقین کر ہی لیجیے۔ آپ کے یقین کرنے نہ کرنے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔"

"خیر میں دیکھوں گا کہ آپ لوگوں پر کس حد تک کسی جرم کے مرتکب ہونے کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔"

"ضرور دیکھیے میں آپ کو منع نہیں کرتا۔"

"آپ دونوں پولیس کو مطلع کیے بغیر سردار گڑھ سے باہر نہیں جا سکیں گے۔"
"اوہ، بہت بہتر۔" صفدر نے زندہ دلی کا مظاہرہ کیا۔ "سردار گڑھ سے جانا تو بڑی چیز ہے ہم آپ سے پوچھے بغیر غسل خانے میں بھی قدم نہیں رکھیں گے۔"
"بے تکی باتیں نہ کیجیے۔ میں آپ کو شبہے میں بند بھی کر سکتا ہوں۔"

سب انسپکٹر جھلا گیا۔

صفدر لاپروائی سے دروازے کی طرف مڑا اور کمرے سے نکلتے وقت پلٹ کر بولا۔ "بہت بڑا دل چاہیے تھانیدار صاحب! میں کسی بنیے کا لونڈا نہیں ہوں، ہوم سیکرٹری تک یہاں کھنچے چلے آئیں گے۔" اور پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ یہاں عمران کانسٹیبلوں کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ حلیمہ خانم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ صفدر کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف انگلی اٹھا کر دھاڑا۔ "یہ ہے وہ دشمن جس نے مجھے پاگل ثابت کرنے کی کوشش میں... چیڑھی اولی نہیں اونچی ایڑی... لاحول ولا قوۃ... یہ بھی نہیں... ایڑی چوٹی... ہا ہا... ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔"
"بھئی بھائی خدا کے لیے عقل کی باتیں کرو۔" صفدر نے مغموم لہجے میں کہا۔
"ارے جاؤ... چلے جاؤ یہاں سے۔ ورنہ اب بات بڑھ جائے گی۔" عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ اتنے میں اسسٹنٹ منیجر نے کمرے میں داخل ہو کر کانسٹیبلوں سے کہا کہ سب انسپکٹر انہیں ڈائننگ ہال میں بلا رہا ہے۔ جب کانسٹیبل چلے گئے تو اس نے صفدر اور عمران کو مخاطب کر کے کہا۔ "آپ لوگوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ آپ پولیس سے اجازت حاصل کیے بغیر ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے باہر قدم نہیں نکالیں گے۔"
"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ میں جانتا ہوں۔" صفدر نے غصیلے لہجے میں کہا۔
"یہ نہ سمجھو لیے کہ گیند اُن کے سر پر لگی تھی۔" منیجر نے تلخ لہجے میں کہا۔
"پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟"
"یہ تو پولیس ہی معلوم کرے گی۔"
"تو ہم لوگ اب ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے نہیں نکل سکیں گے۔"
"ہاں، مجھ سے یہی کہا گیا ہے۔"
"بہتر ہے..." صفدر بے زاری سے ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ہمیں آرام کرنے دیجیے۔" منیجر نے برا سا منہ بنایا اور دونوں کو گھورتا ہوا چلا گیا۔ صفدر نے دروازہ بند کر کے بولٹ کرتے ہوئے عمران سے کہا۔ "دیکھا کرشمہ، لال لنگوٹی کا۔"
"بہت شان دار ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "ایک بار میرے دادا نے لال لنگوٹی میں ایک جن کو پچھاڑا تھا۔ مگر بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جن کو نہیں بلکہ دادی جن کو پچھاڑا تھا۔"
"عمران صاحب! ہم تفریح کے لیے آئے تھے لیکن اس منحوس لال لنگوٹی نے بیڑا غرق کر دیا۔"
"پرواہ نہ کرو۔"
"کیا کریں گے آپ؟"
"نیک بندے صبر کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتے۔ صبر نہ کریں تو غصہ

آئے اور خواہ مخواہ ہاضمہ خراب ہو کر رہ جائے۔"
"آہا۔ ہم نے ابھی تک رات کا کھانا نہیں کھایا۔" صفدر بڑبڑایا۔
"وہیں ڈائننگ ہال میں کھائیں گے۔" عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
کچھ دیر بعد وہ ڈائننگ ہال میں آئے۔ عمران اس وقت لنگوٹی میں نہیں تھا پھر بھی قیام کرنے والے اسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ اس وقت اس کے جسم پر بے تُکا لباس بھی نہیں تھا ڈھنگ کے کپڑے تھے جو سلیقے کے ساتھ پہنے گئے تھے۔ مگر اس سپہر سے پہلے والی حماقت میں کیا فرق پڑتا؟ اب تو لوگوں کے لیے صرف اس کی شکل ہی کافی ہوتی تھی۔ صفدر نے ڈھٹائی اختیار کرنے کی کوشش شروع کر دی۔
مگر پھر عمران کی ایک نئی حرکت نے اسے حد سے زیادہ نروس کر دیا۔ کیونکہ اسے عمران سے اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی بوڑھی عورت کو آنکھ مارے گا۔
عورت یوریشین تھی اور اس کے چہرے پر لاتعداد جھریاں تھیں۔ اگر وہ ابھرے جسم کی ہوتی تو شاید اتنی بدشکل معلوم نہ ہوتی جتنی موٹاپے کی وجہ سے معلوم ہوتی تھی۔ وہ عمران پر چڑھ دوڑی تھی۔
صفدر بری طرح بوکھلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ عمران کے ساتھ اس میز پر بیٹھا رہے یا یہاں سے ہٹ ہی جائے۔
"کیوں ماری تھی تم نے آنکھ... کیا سمجھتے ہو۔" عورت ہانپتی ہوئی بولی...
"تمہیں! ارے توبہ۔" عمران اپنا منہ پیٹنے لگا۔ "بہک گئی ہوگی... ورنہ میں نے تو اس لڑکی کو آنکھ ماری تھی جو نیلے اسکرٹ میں ہے۔"
"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔"
"آپ ٹھیک کہتی ہیں محترمہ۔" صفدر جلدی سے بولا۔ "ذرا آہستہ بولیے یہ اس وقت نشے میں ہیں۔ خواہ مخواہ بات بڑھ جائے گی۔ دونوں کی بدنامی ہے اس میں۔"
"ارے جاؤ۔" عمران میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ "تم کیوں دخل دیتے ہو۔ چیخنے دو۔ پچھلے سال میں نے دو کرنلوں اور تین میجروں کو آنکھ ماری تھی کسی نے کیا بگاڑ لیا تھا میرا۔ ایک بار ایک خان بہادر کو آنکھ ماری تھی جھک مار کر رہ گئے تھے۔ پچھلی جنگ میں اسی لیے حصہ لیا تھا کہ ہٹلر کو آنکھ مارنے کا موقع ملے مگر وہ اس سے پہلے ہی مر گیا تھا... ہاں۔"
"دیکھا آپ نے۔" صفدر بے بسی سے کہا۔
"میں ابھی بتاتی ہوں۔" عورت نے کہا اور بپھرے ہوئے انداز میں منیجر کے کمرے کی طرف چلی گئی۔
"عمران صاحب آپ نے تو جینا دوبھر کر دیا ہے۔" صفدر نے غصیلے لہجے میں کہا۔
"بس بس! خاموش رہو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اتنے پرانے تعلقات ہونے کے باوجود بھی تم اس عورت کی طرف داری کرو گے جو تمہاری کوئی رشتے دار بھی نہیں لگتی۔"
"اب میں پاگل ہو جاؤں گا۔" صفدر نے دانت پیس کر کہا۔
"ایسی قسمت کہاں ہے... میری۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر مایوسانہ لہجے میں کہا۔
"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"
"آنکھ مارنے کی آزادی... آزادیٔ تحریر و تقریر کی طرح یہ بھی بہت ضروری ہے۔"
"آپ کے لیے تو سب کچھ ضروری ہے۔ اب صرف ننگے ہو کر ناچنے کی کسر رہ گئی ہے۔"

"کون ہے جو ننگا ہو کر نہیں ناچ رہا...؟"

"اب آپ فلسفہ چھیڑ دیں گے لیکن دیکھیے اب کیا طوفان اُٹھتا ہے۔ وہ منیجر کے کمرے کی طرف گئی ہے۔"

"جلدی سے کھانا طلب کرو۔" عمران نے کہا۔

صفدر بڑبڑا رہا تھا۔ "پولیس نے ہم پر پابندیاں عائد کی ہیں۔ اب آپ نے یہ سب کچھ شروع کر دیا ہے۔ میں تو آپ کے ساتھ آ کر پچھتا رہا ہوں۔"

عمران نے ویٹر کو بلایا اور جب وہ قریب آ گیا تو اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "وہ نیلے اسکرٹ والی لڑکی کتنی حسین ہے۔"

"ہی ہی ہی، جی ہاں جناب... کھانے کے لیے کیا لاؤں؟" ویٹر نے پوچھا۔

"ہائیں، کیا تم مجھے آدم خور سمجھتے ہو۔ میں اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں۔"

"جی ہاں... جی ہاں۔" ویٹر بولا۔ "خدا کی قدرت ہے... جناب۔"

"میں اس کے لیے تین سو تک دے سکتا ہوں۔"

"وہ قیام کرنے والوں میں سے ہے جناب۔ پیشہ ور معلوم نہیں ہوتی۔" ویٹر نے رازدارانہ انداز میں کہتے وقت آنکھیں جھپکائیں۔

"تمہارا انعام الگ، پچاس روپے اس کے بھی لگا لو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے جناب..." ویٹر مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "مگر وہ ایسی لڑکی نہیں معلوم ہوتی۔ آپ کے لیے بہترین چیز مہیا کی جا سکتی ہے۔"

"کھانا لاؤ۔" صفدر غرایا۔ "جاؤ دفع ہو جاؤ۔"

"اچھا، اچھا۔" عمران نے سر ہلا کر جھینپتے ہوئے کہا۔ "جاؤ پہلے کھانا لاؤ۔" ویٹر کنکھیوں سے صفدر کو دیکھتا ہوا دوسری طرف مڑ گیا۔

"حد ہو گئی۔" صفدر آنکھیں نکال کر بولا۔ "یہ سب کسی طرح بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ایسی ایسی حرکتیں کر رہے ہیں، جن کے متعلق میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسسٹنٹ منیجر دکھائی دیا جو تیزی سے ان کی طرف آ رہا تھا لیکن اس کے ساتھ وہ عورت نہیں تھی۔

"آپ لوگ حد سے بڑھ رہے ہیں۔" وہ قریب آ کر غرایا۔

"لوگ نہیں، صرف میں۔" عمران سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں آپ کو بھی آنکھ مار سکتا ہوں۔ یہ دیکھیے... یہ ماری، یہ ماری، یہ ماری... اب چلیے۔"

"اچھی بات ہے۔" اسسٹنٹ منیجر جھینپے ہوئے انداز میں زبردستی ہنس کر بولا۔ "میں دیکھوں گا آپ کو۔"

"دیکھ لیجیے گا، مقدمہ دائر کیجیے میرے خلاف، عدالت میں بھی آنکھ نہ ماری تو کچھ نہ کیا۔"

"میں آپ کو پاگل خانے بھجوا سکتا ہوں۔"

"میں نے خود بھی کوشش کی تھی۔" صفدر نے تیز ہو کر کہا۔ "لیکن بد قسمتی سے کچھ عرصے کے پاگل خانے میں جگہ نہیں مل سکی۔ اگر آپ وہاں ان کا داخلہ کرا سکیں تو بے حد مشکور ہوں گا۔ میری بھی جان چھوٹ جائے۔"

عمران اس پر کچھ نہیں بولا۔ البتہ منیجر کے چہرے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ بے بسی محسوس کر رہا ہو۔

"ذرا آئیے میرے ساتھ۔" صفدر اُٹھتا ہوا بولا اور اسسٹنٹ منیجر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ ایک گوشے میں پہنچ کر صفدر رُکا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "پاگل خانے میں تو جگہ نہیں ہے لیکن آپ انہیں حوالات ضرور بھجوا سکتے ہیں۔"

"وہ آپ کے ساتھی ہیں۔" منیجر کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"ساتھی نہیں بلکہ چچا زاد بھائی۔" صفدر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مگر میں اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں کیوں کہ اب میری عزت پر بھی بن رہی ہے۔"

"نہ گھبرائیے کچھ نہ کچھ ہو کر ہی رہے گا۔ اگر پولیس نے آپ لوگوں پر یہیں ٹھہرنے کی پابندی نہ عائد کی ہوتی تو اس وقت تک حالات دوسرے ہوتے۔"

"یقیناً۔" صفدر نے ایک طویل سانس لی اور سوچنے لگا۔ چلو عارضی ہی طور سہی، جان تو چھوٹ۔ فی الحال نہ وہ حوالات کی شکل دیکھ سکتے تھے اور نہ ہوٹل ہی سے نکلنے کا سوال پیدا ہوتا تھا۔

"آپ براہ کرم انہیں قابو میں رکھنے کی کوشش کیجیے۔"

"بھئی میں تو کوشش کرتا ہوں، مگر وہ کچھ نہ کچھ کر ہی گزرتے ہیں۔ مثلاً آنکھ کا معاملہ۔"

"دیکھیے یہ سردار گڑھ ہے۔ آپ لوگ پردیسی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی مصیبت میں پڑ جائیں۔ ان سے کہیے کہ وہ اپنی آنکھوں کو بھی قابو میں رکھیں۔"

صفدر نے صرف سر ہلا دیا۔ وہ عمران کی طرف دیکھنے لگا تھا جو اسی ویٹر سے گفتگو کرنے میں مشغول تھا جسے کچھ دیر پہلے نیلے اسکرٹ والی کے لیے ساڑھے تین سو کی پیش کش کی تھی۔ ویٹر میز پر کھانا لگا رہا تھا۔

...اور اسسٹنٹ منیجر صفدر کا دماغ چاٹ رہا تھا اور صفدر یونہی "اچھا، اچھا" کہے جا رہا تھا۔ بات ایک بھی پلے نہیں پڑی تھی۔

آخر منیجر رخصت ہو گیا اور صفدر میز کی طرف بڑھا۔ عمران ویٹر سے پوچھ رہا تھا۔ "یہ انہیں دونوں کے ساتھ رہتی ہے۔"

"جی ہاں جناب۔" ویٹر نے جواب دیا۔ صفدر کو دیکھتے ہی وہ کچھ نروس سا ہو گیا تھا۔

"کچھ کرو پیارے۔ ورنہ میں بالکل مر جاؤں گا۔"

"میں کیا کروں صاحب، میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"پھر کون کرے گا۔"

"میں کیا بتا سکتا ہوں صاحب۔"

"ارے تم کیسے آدمی ہو۔ نہ کچھ بتا سکتے ہو اور نہ کچھ کر سکتے ہو۔ کیا میں یہ پلیٹیں تمہارے سر پر توڑ دوں۔"

"جاؤ۔" صفدر ایک طرف ہاتھ اُٹھا کر غرایا اور ویٹر چپ چاپ کھسک گیا۔

"ارے! تم کون ہوتے ہو اسے بھگانے والے۔" عمران چڑ کر بولا۔

"ہوش میں آ جائیے عمران صاحب ورنہ نتیجہ بہت بُرا ہو گا۔"

"کیوں؟ وہ کیا کہہ رہا تھا؟" عمران نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

صفدر نے اسے اپنی گفتگو کا لب لباب بتایا۔

"چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "ورنہ ہوٹل چھوڑنا پڑتا۔ اُدھر پوزیشن یہ ہے کہ مجھے ابھی ابھی اس نیلے اسکرٹ والی سے عشق ہو گیا ہے۔ سوچتا ہوں آج ہی سے اس میں اضافہ شروع کر دوں تاکہ دونوں طرف آگ لگ جائے۔ کیوں؟ کیا میں نے کوئی غلط بات کہی ہے۔"

"براہ کرم مجھے کھانا کھانے دیجیے ورنہ بھوکا ہی سو رہوں گا۔"

"ارے یہ جاؤ۔" عمران ہاتھ نچا کر بولا۔ "عشق میں نے کیا ہے اور بھوکے تم سو رہو گے۔ اب اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ جسے عشق ہوتا ہے صرف اسی کی بھوک مر جاتی ہے، اس کے دوستوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے۔"

"اسی کو تو عشق کہتے ہیں۔" عمران نے بھولے پن سے جواب دیا۔ "دوسروں کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

صفدر بُرا سا منہ بنائے ہوئے نوالے حلق سے اتارتا رہا اور عمران اس طرح کھا رہا تھا جیسے کھانے کی سات پشتوں پر احسان کر رہا ہو۔

"امدد رم..." دفعتاً اس نے سر اُٹھا کر کہا۔ "بڑے بھائی آ گئے۔" صفدر بھی اسی طرف دیکھنے لگا۔ وہی سب انسپکٹر ان کی طرف آ رہا تھا جس سے شام کو جھڑپیں ہوئی تھیں مگر وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ کیپٹن فیاض بھی تھا۔ صفدر نے سوچا یہ تو بہت بُرا ہوا۔ عمران کے ساتھ اس کا دیکھا جانا کیپٹن فیاض کے علم کی حد تک نامناسب تھا۔ مگر اب کرتا بھی کیا، وہ نہیں جانتا تھا کہ سراغ رسانی کے ہیڈ کوارٹرز سے فیاض ہی چلا آئے گا۔

"آہا... آئیے جناب کھانا حاضر ہے۔" عمران نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں شکریہ۔" سب انسپکٹر غرایا۔ فیاض نے ایک کرسی کھینچ لی لیکن عمران سے کچھ نہیں بولا۔ البتہ وہ صفدر کو گھور رہا تھا۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ کے پاس اسلحہ بھی ہے۔" سب انسپکٹر نے عمران سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ ایک ریوالور اور ایک دو نالی بندوق۔" عمران بھی فیاض کی طرف سے لاپروائی ظاہر کرتا ہوا بولا۔ "ریوالور اپنی حفاظت کے لیے اور دو نالی بندوق کسی فلم ڈائریکٹر کے لیے رکھ چھوڑی ہے۔"

انسپکٹر نے کیپٹن فیاض کی طرف دیکھا۔

"تم بھی بیٹھ جاؤ۔" فیاض نے اس سے کہا۔

"بہت بہتر حضور عالی۔"

THE LAST WISH !

POOF!

POOF!

اس نے فیاض سے کچھ پیچھے کرسی دھکیلی اور بیٹھ گیا۔

"میرے پاس دونوں کا لائسنس بھی ہے چوکیدار صاحب، ماوارے باپ رے تھانیدار صاحب۔ حالانکہ دو نالی بندوق لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر میں پہاڑوں پر عموماً دو نالی بندوق لے جاتا ہوں۔ مگر مجھے ابھی تک کوئی فلم ڈائریکٹر نہیں ملا۔"

"پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

پچھلے سال سے ایسی کسی ہیروئن کی تلاش میں ہوں، جیسی فلموں میں پیش کی جاتی ہے۔ شوخ و شنگ، لچکتی، تھرکتی ہوئی۔ ریل گاڑی پر سوار ہے تو ناچ رہی ہے، اونٹ پر سوار ہے تو ناچ رہی ہے، گدھے کی دُم پر... یعنی کہ... آج تک مجھے ایسی کوئی ہیروئن نہیں مل سکی... نہیں مل سکی تو میں نے بندوق خرید لی۔ اب کسی فلم ڈائریکٹر کی تلاش ہے... وہ بھی نہیں ملتا، اب بتاؤ میں کیا کروں...؟"

"تم جاؤ۔" فیاض نے انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔

انسپکٹر اٹھ گیا لیکن فیاض وہیں بیٹھا عمران کو گھورتا رہا... اور عمران وہ اس طرح سر جھکا کر کھانے میں مشغول ہو گیا تھا۔ جیسے فیاض کو جانتا ہی نہ ہو۔ فیاض نے کچھ دیر بعد سگریٹ کیس سے سگریٹ نکالا اور اسے سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ صفدر کھانا ختم کر چکا تھا۔ فیاض نے اس کی طرف سگریٹ کیس بڑھا دیا۔

"اوہ، نہیں شکریہ۔" صفدر نے کہا۔

"لیجئے نا۔" فیاض نے مسکرا کر کہا۔ "آپ تو سگریٹ پیتے ہی ہوں گے۔"

"میرا سیکرٹری میرے سامنے سگریٹ پینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔" عمران نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"مگر پولیس رپورٹ میں تو چچا زاد بھائی کا حوالہ ہے۔" فیاض آنکھیں نکال کر غرایا۔

"ہمپ۔" عمران نے سر اٹھا کر کہا۔ چند لمحے فیاض کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "ابھی ابھی میں ایک بوڑھی عورت کو آنکھ مار چکا ہوں اس لیے مجھے آنکھیں نہ دکھاؤ... میں بہت اُداس ہوں۔"

"اچھا۔" فیاض سر ہلا کر بولا۔ "کیا تم اپنے سیکرٹری کی موجودگی ہی میں معاملے کی بات کرنا چاہتے ہو۔"

"سیکرٹری۔ ہماری گفتگو کا ایک ایک لفظ نوٹ کرو۔" عمران نے صفدر سے کہا اور ویٹر کو میز صاف کرنے کا اشارہ کیا۔

فیاض پھر خاموش ہو گیا تھا۔ شاید وہ میز صاف کرنے کا منتظر تھا۔ جب ویٹر برتن سمیٹ لے گیا تو اس نے جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال کر میز پر رکھ دیا۔ صفدر نے اسے کنکھیوں سے دیکھا اور نچلا ہونٹ چبانے لگا۔ "کسی نہ کسی کو تو پھانسی ہونی ہی چاہیے۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "دُبلی گردن میں پھندا نہیں لگتا تو کسی موٹی گردن کو تلاش کرو۔"

"میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" فیاض دانت پر دانت جما کر غرایا۔

"بور مت کرو۔" عمران ہاتھ ہلا کر غرایا۔ "مجھے ان گیندوں سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے، جو تمہیں یہاں کھینچ لائی ہیں۔"

"تم آج تالاب ہی میں موجود تھے جب قتل ہوا تھا۔"

"بس تو پھر تالاب میں کوئی ایسا خنجر تلاش کرو جس پر میری انگلیوں کے نشانات مل سکیں۔"

"آخر ایسے مواقع پر تمہاری موجودگی کیوں ضروری ہوتی ہے۔"

"سُوپر فیاض میں گفتگو کے موڈ میں نہیں ہوں، صبح ملنا۔"

"میں تم سے صرف اتنا ہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہتھکڑیوں کا یہ جوڑا کس کے لیے ہے۔" فیاض نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"شاید تمہارے لیے...!" عمران کا موڈ بگڑ گیا لیکن اس نے مزید کچھ کہنے سے پہلے صفدر کو وہاں سے ہٹا دینا ہی مناسب سمجھا۔

"سیکرٹری۔" اس نے کہا۔ "تم آرام کرو، میں شطرنج کی ایک بازی کھیلے بغیر سونے کے لیے نہیں جاؤں گا۔"

صفدر کے چلے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک دونوں خاموش رہے پھر عمران نے کہا۔ "میری دانست میں یہ ہتھکڑیاں صرف تمہارے ہی ہاتھوں کے لیے موزوں رہیں گی۔"

"بکواس مت کرو۔"

"یہ میں صرف اس لیے کہہ رہا ہوں مائی ڈیئر سپرنٹنڈنٹ کہ تم خواہ مخواہ دارالحکومت سے یہاں دوڑے چلے آئے ہو۔ یہ معاملہ تمہارے بس کا نہیں ہے۔"

"تمہیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہیے۔"

"اگر مجھے سروکار نہ ہوا تو تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہ جاؤ گے۔ ویسے اگر تم اس کیس کو سمجھ سکے ہو تو یہی بتا دو کہ ان گیندوں سے متعلق کئی وارداتیں ہو جانے کے باوجود بھی لوگ ان کے پیچھے کیوں دوڑتے ہیں؟"

فیاض تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر یک بیک غیر متوقع طور پر نرم لہجے میں بولا۔

"یار یہی چکر تو سمجھ میں نہیں آتا۔ تم نے کیا نظریہ قائم کیا ہے۔"

"ابھی کچھ بھی نہیں۔" عمران نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "اور اگر مجھ پر اسی قسم کی پابندیاں عائد رہیں تو شاید حشر تک کوئی نظریہ قائم نہ کر سکوں۔"

"اور ہو پابندیوں کی بات چھوڑو۔ وہ تو ابھی ختم ہو سکتی ہیں۔ میں دراصل یہ چاہتا ہوں کہ یہاں سے ناکام واپس نہ جاؤں۔"

"ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہاری مدد کروں۔" عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن اسی شرط پر کہ تم مجھ سے یہاں اس ہوٹل میں دوبارہ نہ ملنا۔ دوسری بات یہ کہ میرے سیکرٹری کو اسی وقت یہاں سے ہتھکڑیاں لگا کر لے جاؤ لیکن اسے حوالات میں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ تیسری بات یہ کہ ہوٹل کے ذمے داروں کو ہدایت کر دو کہ مجھے ہوٹل سے نہ نکالیں اور میرے لیے اب یہ پابندی نہیں رہ گئی کہ میں ہوٹل کے کمپاؤنڈ تک محدود رہوں۔"

فیاض تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "چلو منظور ہے۔"

"آہا... ٹھہرو، لیکن تم ابھی اس کی وجہ نہیں پوچھو گے۔"

"یہ بھی منظور ہے۔"

"گڈ۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "تو پھر اب کھیل شروع ہو جانا چاہیے۔"

کچھ دیر بعد ڈائننگ ہال میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا کیوں کہ فیاض صفدر کے ہتھکڑیاں لگا کر لے جا رہا تھا اور عمران ایک میز پر کھڑا دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر چیخ رہا تھا۔ "یہ ظلم ہے، سراسر ظلم ہے... ہم بے قصور ہیں... ہم کچھ نہیں جانتے۔" لیکن فیاض اسے ساتھ لیے نکلا چلا گیا۔

دوسرے لوگ عمران کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ وہ اس سے صفدر کی گرفتاری کی وجہ پوچھ رہے تھے۔ عمران نے چیخ کر کہا۔ "انہیں شبہ ہے کہ میرا بھائی بھی گیندوں والے جرائم سے متعلق ہے... یہ جھوٹ ہے۔ بہتان ہے۔"

کچھ لوگ پولیس والوں کو بُرا بھلا کہنے لگے۔

"میں تو جانتا تھا کہ یہ ہو کے رہے گا۔" اسسٹنٹ منیجر بولا۔

"آپ جانتے تھے نا...۔" عمران ہاتھ ہلا کر چیخا۔ "میں بھی یہ جانتا تھا کہ اس ہوٹل میں شریفوں کا گزر ناممکن ہے۔"

"آپ ہوٹل کو نہیں بدنام کر سکتے جناب۔"

"ہوٹل بدنام ہو کر رہے گا۔ اگلے سیزن پر تم لوگ کوئی اور دھندا کرتے ہوئے نظر آؤ گے۔"

اسسٹنٹ منیجر دوسرے گاہکوں سے انصاف طلب کرنے لگا لیکن شاید اس وقت کوئی اس کا ساتھ دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

پھر کچھ دیر بعد عمران اپنے کمرے میں چلا آیا۔

اس نے صفدر کو بتایا تھا کہ گیند پر جھپٹنے والوں میں سے دو آدمیوں کے چہرے اسے اچھی طرح یاد تھے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ اس وقت بھی ڈائننگ ہال میں ان دونوں آدمیوں میں دلچسپی لیتا رہا تھا۔ نیلے اسکرٹ والی لڑکی انہیں دونوں کے ساتھ تھی اور عمران نے ویٹر سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ لڑکی سفید فام تھی لیکن وہ دونوں دیسی ہی تھے۔

دوسری صبح عمران نے اسسٹنٹ منیجر کو فون پر مطلع کیا کہ وہ اس کے ہوٹل سے جا رہا ہے۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ ایسا نہ کر سکیں گے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کیوں؟" عمران کا لہجہ غصیلا تھا۔

"ہمیں پولیس کی طرف سے یہی ہدایت ملی ہے کہ آپ کو سامان سمیت باہر نہ جانے دیں۔"

"تم جھوٹے ہو، مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"اچھی بات ہے کوشش کر کے دیکھیے۔"

"مسٹر منیجر میں تمہیں آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ تم غلطی پر ہو۔ تم مجھے یہاں قید نہیں کر سکتے۔"

"آپ تفریحاً بھی جا سکتے ہیں..." دوسری طرف سے آواز آئی۔ "لیکن آپ کا مستقل قیام یہیں رہے گا۔"

"ارے واہ۔ تو کیا میں زندگی بھر یہیں پڑا رہوں گا؟"

"نہیں، صرف اس کیس کے اختتام تک۔ پولیس یہی چاہتی ہے۔"

کچھ دیر بعد عمران ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے باہر نظر آیا۔ اس نے ایک ٹیکسی لی اور تارگھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اسے ٹرنک کال کرنی تھی، جو بلیک زیرو کے لیے تھی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک اسے کال کے لیے منتظر رہنا پڑا۔ خدا خدا کر کے لائن ملی۔ دوسری طرف سے بلیک زیرو ہی بول رہا تھا۔ عمران نے کوڈ ورڈز میں اسے مختصراً سب کچھ بتلایا اور ہدایت کی کہ وہ کیپٹن خاور اور لیفٹیننٹ چوہان کو سردار گڑھ کے لیے آج ہی روانہ کر دے۔ اس کال کے بعد اسے اس آدمی کی فکر ہوئی جو گیند کے حادثے میں زخمی ہو کر ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا اور اب بھی سرکاری ہسپتال ہی میں تھا۔ مگر وہ بذاتِ خود اس کے متعلق تفتیش نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ اس واردات میں مجرم بہت چالاک تھے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کی نظروں میں آ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اب تک کے شبہات رفع کرنے کے لیے اس نے پچھلی رات صفدر کو حراست میں دے دیا تھا۔ وہ یہ بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ فیاض یا اس کے محکمے کے ذریعے تفتیش کرائے ویسے اس میں کوئی دشواری پیش نہ آتی لیکن یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ کام اس کے حسب منشا ہی ہوتا۔

وہ پھر ہوٹل میں واپس آ گیا۔ اب اس کے چہرے پر نظر آنے والی حماقت میں اداسی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

بعض لوگ اسے ہمدردی اور ترحم سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور اداسی کی بدلیاں چھائی رہیں پھر شام ہو گئی اور ہوٹل کا ہر حصہ بارونق نظر آنے لگا۔

آج ڈائننگ ہال کی ایک بھی میز خالی نہیں تھی کیوں کہ آج یہاں کابرے کا پروگرام تھا۔ عمران کو ان لغویات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی... اسے تو بہرحال ڈائننگ ہال میں بیٹھنا تھا لیکن آج وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔

ہوٹل کی کئی پیشہ ور لڑکیاں اس کی حماقت آمیز اداسی پر متوجہ نظر آنے لگی تھیں لیکن نہ جانے کیوں ان میں سے کسی نے بھی قریب آ کے ہمدردی ظاہر نہیں کی تھی۔

آج نیلے اسکرٹ والی بھی تنہا تھی۔ اس کے دونوں ساتھی موجود نہیں تھے۔ عمران نے ان کے نام معلوم کر لیے تھے۔ ایک کا نام والٹن تھا اور دوسرے کا [illegible]۔ دونوں دیسی عیسائی تھے۔ لڑکی کی صحیح قومیت نہیں معلوم ہو سکی تھی لیکن وہ غیر ملکی ہی تھی اور اس کا نام لزی تھا۔ آج یہ لڑکی نارنجی رنگ کے اسکرٹ میں تھی۔

جب عمران نے محسوس کیا کہ وہ بھی اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھ رہی ہے تو اس نے اپنے چہرے پر اور زیادہ سوگ طاری کر لیا اور اس طرح آنکھوں پر ہاتھ پھیرنے لگا جیسے آنسو پونچھ رہا ہو اور اس پر پوری بھی

ہو سکتا ہو کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔

یک بیک وہ لڑکی اپنی میز سے اُٹھی اور سیدھی اس کے پاس چلی آئی۔ "تم بہت مغموم ہو۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے لیے رنجیدہ ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا وہ اسے حوالات میں کھانا دیتے ہوں گے میرے بھائی کو۔" اُس کی آنکھوں سے دو سیّال دھاریاں گالوں پر ڈھلک آئیں۔

"ارے تم اس کی فکر نہ کرو۔ حوالات میں لوگ بھوکے نہیں رکھے جاتے۔" لڑکی نے کہا۔

"اب وہ حوالات سے کیسے نکلے گا؟"

"کیا تم کسی سے ضمانت نہیں دلوا سکتے؟"

"میں یہاں کسی کو نہیں جانتا۔"

"پھر بتاؤ میں، تمہارے لیے کیا کروں۔ تم مجھے ننھے سے بچے معلوم ہوتے ہو۔"

عمران پہلے تو سُوں سُوں کرتا رہا پھر بازوؤں میں منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگا۔ "او ہو شاید یہاں کا ماحول تمہیں تکلیف دہ معلوم ہو رہا ہے۔ چلو باہر چلیں۔" لڑکی جلدی سے بولی۔

"نہیں میں کابیرے دیکھوں گا۔" عمران سسکیاں لیتے ہوئے بولا۔ لڑکی کو ہنسی آ گئی لیکن پھر اس نے جلدی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

"تمہیں شرم نہیں آتی اس طرح روتے ہو۔" اس نے کہا۔

"آتی تو ہے۔ مگر میں کیا کروں میرا بھائی۔" عمران اسی طرح منہ چھپائے روتا ہوا بولا۔ "اب وہ مجھے کیسے ملے گا! میں کیا کروں؟"

"اس قسم کی ذہنیت تو تمہیں صبر ہی کرنے پر مجبور کر دے گی۔" لڑکی نے قدرے جھنجھلاہٹ کے ساتھ کہا۔

"تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ۔ اگر میں اسے ساتھ لیے بغیر واپس گیا تو ممی مجھے گھر سے نکال دیں گی۔"

"مگر وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آئی تھیں۔" لڑکی نے مسکرا کر پوچھا۔

"میرا مذاق نہ اُڑاؤ، میں بہت مظلوم ہوں۔"

"مگر وہ لوگ تمہیں بھی ساتھ کیوں نہیں لے گئے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"قسمت اچھی تھی ان کی کہ مجھے نہیں لے گئے ورنہ میں حوالات کو موسیقی خانہ بنا دیتا۔" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اب وہ تن کر بیٹھ گیا تھا۔ مگر آنکھوں میں سُرخی تھی بالکل ایسی ہی جیسے بہت دیر تک روتا رہا ہو۔

"کیا یہ سچ ہے کہ تم ذہنی فتور میں مبتلا ہو۔ یہاں ہوٹل میں یہی مشہور ہے۔" دفعتاً عمران کو لڑکی کے دونوں ساتھی دکھائی دیئے۔ اس نے بظاہر ان پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی تھی لیکن یہ حقیقت اس سے پوشیدہ نہیں رہی تھی کہ وہ دونوں لڑکی کو غصیلی نظروں سے گھور رہے تھے۔

لڑکی انہیں دیکھتے ہی اُٹھ گئی لیکن وہ اس کی میز پر رُکے نہیں۔ شاید وہ اوپری منزل پر اپنے کمروں میں جا رہے تھے۔ لڑکی بھی زینوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔ عمران جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ مگر کچھ دیر بعد اسے اُٹھنا پڑا کیونکہ وہ ان لوگوں پر نظر رکھنا چاہتا تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے لباس تبدیل کیا اور پلاسٹک کی وہ ناک نکالی جس کے نیچے گھنی مونچھیں بھی موجود تھیں۔ یہ اس کا ریڈی میڈ میک اَپ تھا جو اکثر راہ چلتے ہی ہو جاتا تھا۔ پلاسٹک کا خول ناک پر فٹ ہو جاتا تھا اور مونچھیں اوپری ہونٹ پر فٹ ہو جاتی تھیں۔ اس نے فی الحال اسے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

مسئلہ مشکل تھا اسی لیے اسے سوچ سمجھ کر ہی قدم اُٹھانا تھا۔ یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ اس کا شبہ درست ہی نکلتا۔ یعنی وہ تینوں حقیقتاً اس جرم میں ملوث ہی تھے۔ ویسے والٹن اور گرو ور کو اس نے بلاشبہ گیند کی طرف جھپٹتے دیکھا تھا اور اسے مدِنظر رکھ کر اس نے جو نظریہ قائم کیا تھا اس میں اتنی جان تو تھی ہی کہ وہ کوئی طریق کار متعین کر کے اس پر کچھ وقت صرف کر سکتا۔ وہ کمرے سے نکلا۔ ابھی تک وہ اپنی ہی ناک میں تھا یعنی مصنوعی ناک نہیں استعمال کی تھی۔

ڈائننگ ہال میں پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ ہال کی روشنی گل کر دی گئی اور صرف اسٹیج بے حد روشن تھا لیکن ہال میں بھی اندھیرا نہیں تھا۔ اسٹیج کی روشنی اتنی تیز تھی کہ اس کے انعکاس نے ہال کو تاریک ہو جانے سے بچا لیا تھا۔ عمران وہاں رُکے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔

اب وہ انہیں زینوں پر تھا جن سے گزر کر والٹن، لزی اور گرو ور بالائی منزل پر گئے تھے۔ اب عمران کے چہرے پر مصنوعی ناک اور گھنی مونچھوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ بالکل شرابیوں کے انداز میں چلتا رہا۔ جیسے ہی دوسری راہداری پر مُڑا اُسے وہ تینوں نظر آ گئے۔ عمران پیشاب خانوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ لوگ قریب ہی کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔ شاید کوئی مسئلہ زیرِ بحث تھا۔ عمران نے پیشاب خانے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

ان میں سے ایک آدمی کہہ رہا تھا۔ "فضول ہے اس کے متعلق قطعی نہ سوچو اسے وہم کہتے ہیں۔ اگر تم کہیں جا رہے ہو اور راستے میں تمہیں خیال آ جائے کہ لباس میں کسی قسم کا بے ڈھنگا پن پیدا ہو چکا ہے تو تم اس وہم میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ سارے راہگیر تمہارے لباس کے اُسی عیب کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ یہ حقیقت نہیں ہوتی۔ کوئی تمہاری طرف دھیان تک نہیں دیتا۔ مگر تم خواہ مخواہ بور ہوتے رہتے ہو۔ اسی طرح اس معاملے میں بھی تمہیں وہم ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ تمہیں شبے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

"اُف... فوہ..." دوسرا بولا۔ "اتنی لمبی تقریر! آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ یہی کہ بہت زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ تم سے لاتعداد غلطیاں سرزد ہوں گی۔"

"یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آئی۔" لزی کی آواز آئی۔

"تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گی۔" وہ غصیلے لہجے میں جواب ملا۔ "تم توحد سے زیادہ لاپروا ہو۔ آخر ایک ایسے آدمی کے ساتھ بیٹھنا کہاں کی عقل مندی تھی جیسے۔ خیر جانے دو۔ میں فی الحال کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ بس تم دونوں روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں دو گھنٹے کے اندر وہاں پہنچنا ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر عمران نے قدموں کی آوازیں سنیں جو بتدریج دُور ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ بھی باہر نکل آیا۔ اس نے اُنہیں زینوں کی طرف مُڑتے دیکھا۔

کچھ دیر بعد وہ ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں تھا۔ گرو ور اور لزی باہر آئے۔ شاید انہیں والٹن ہی کی طرف سے کہیں جانے کی ہدایت ملی تھی۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ عمران نے بھی عجلت ہی میں دوسری ٹیکسی سنبھالی تھی لیکن اس کی ٹیکسی اس وقت تک حرکت میں نہیں آئی جب تک کہ اگلی ٹیکسی نے کچھ فاصلہ نہیں طے کیا۔

تعاقب سلیقے سے ہو رہا تھا۔ عمران کا ٹیکسی ڈرائیور سمجھا تھا۔ شاید وہ اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا اسی لیے اس نے موقع نکال کر ایسی بھاگ دوڑ کی کہانیاں چھیڑیں اور عمران کچھ دیر بعد اکتا کر بولا۔ "وہ میری بے وفا بیوی ہے۔"

"ارے... اُف فوہ۔" ٹیکسی ڈرائیور بوکھلا کر بولا۔ "پھر آپ کیا کریں گے...؟"

"جہاں وہ جائے گی وہاں میں بھی جاؤں گا۔"

"صاحب کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گی کہ میں خواہ مخواہ دھر لیا جاؤں۔"

"ہاہا۔ ارے، نہیں تم غلط سمجھے۔ وہ اپنے خالو کے ساتھ جا رہی ہے۔"

"پھر آپ نے بے وفا کیوں کہا تھا؟"

"نہیں تو۔ تم نے غلط سُنا ہوگا۔ میں دراصل اسے اس وقت متحیر کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی ابھی باہر سے آیا ہوں۔ اس سے ملاقات نہیں ہوئی... ہاہا... بڑا لطف رہے گا۔"

مگر ڈرائیور شاید اب بھی غیر مطمئن تھا۔

"میں آپ سے معافی چاہتا ہوں جناب۔" ڈرائیور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "ہم قانوناً کسی دوسری ٹیکسی کا تعاقب نہیں کر سکتے جناب..... البتہ پولیس کے لیے ہم مجبور ہیں۔"

"پھر تو کیا میں اتر جاؤں؟"

"آپ خود سوچیے جناب۔"

"پرواہ مت کرو میں اس ٹیکسی کے پیچھے نہیں ہوں بلکہ وہ ٹیکسی میرے آگے ہے یعنی کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیسے سمجھاؤں۔"

دفعتاً اس نے ٹیکسی کو ایک عمارت کے کمپاؤنڈ میں مُڑتے دیکھا۔ یہ سردار گڑھ کا ایک مشہور نائٹ کلب کریسنٹ تھا۔

"اچھا بھائی مجھے اتار دے۔" عمران نے کہا۔ "کان پکڑ لیے... آئندہ بیوی تو کیا بیوی کے باپ کا بھی تعاقب نہیں کریں گے۔"

ڈرائیور نے ٹیکسی سڑک کے کنارے لگا دی۔

عمران نے نیچے اُتر کر کرایہ ادا کیا اور لنگڑاتا ہوا کریسنٹ کی طرف چلنے لگا۔ کریسنٹ ایک شاندار نائٹ کلب تھا۔ دُور دُور تک اس کی شہرت تھی۔ سیزن میں خصوصیت سے ذی حیثیت سیاحوں سے بھرا رہتا تھا...

عمران ہال میں داخل ہوا۔ آرکسٹرا جاز بجا رہا تھا اور دودھیا رنگ کی روشنی سارے ہال میں بکھری ہوئی تھی۔ اس نے گرو ور اور لزی کو جلد ہی دیکھ لیا۔ میز پر ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ آس پاس کی کئی میزیں بھی خالی تھیں۔

عمران نے ایک میز منتخب کی اور اُن کی طرف پشت کر کے بیٹھ گیا۔ وہ دونوں خاموش ہی تھے۔ لزی نے کچھ دیر بعد ویٹر کو بلا کر وہسکی اور پورٹ طلب کی۔ پھر ویٹر کے جانے کے بعد گرو ور سے بولی...

"والٹن شاید اس بات پر خفا ہو گیا ہے کہ میں اس احمق کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔"

"میرا بھی خیال ہے کہ تم نے غلطی کی تھی۔"

"کیوں؟ ایک نہیں درجنوں آدمیوں کو میں نے اس سے گفتگو کرتے دیکھا ہے۔" پھر ہنس کر کہا۔ "ورنہ تم جانتے ہی ہو کہ میں نے آج تک کسی فرد پر رحم نہیں کیا۔"

"تم اتنی اکڑنے کیوں لگی ہو۔" گرو ور بولا۔

"اس لیے کہ میں تم سبھوں کی عقل ہوں۔"

"اس کے باوجود بھی تمہیں احمقوں پر رحم آتا ہے مگر میں اسے احمق نہیں سمجھتا۔ وہ یقینی طور پر کوئی رنگین مزاج رئیس زادہ ہے اور لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے مضحکہ خیز حرکتیں کرتا ہے۔"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں۔"

"کوئی دلیل......؟"

"ختم کرو، میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ ہوسکتا ہے کہ میں اسے پسند کرنے لگی ہوں۔"

"آہا۔ تم..." وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "کیا اب پتھر میں جونک لگے گی؟"

"خاموش رہو۔" لزی کا لہجہ غصیلا تھا۔

"جھگڑا کرو گی۔ کیوں؟"

لزی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں ویٹر شراب کی ٹرے لے آیا۔

"چلو۔ اُٹھاؤ۔" لزی بولی۔ "اب اس وقت میں اُلجھن پیدا کرنے والی باتیں سُننا پسند نہ کروں گی۔"

عمران نے اپنے لیے کافی منگائی تھی۔

پھر لزی اور گرودر پیتے اور اوٹ پٹانگ باتیں کرتے رہے۔

عمران سوچ رہا تھا کہ آخر وہ دونوں لندن سے یہاں کیوں بھیجے گئے ہیں۔ ویسے ان کی گفتگو سے تو اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس نے ان کے متعلق کوئی نظریہ قائم کرنے میں غلطی نہیں کی۔

"ارے لزی بس۔" دفعتاً گرودر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آج تو تم پلاتی ہی چلی جارہی ہو۔ نہیں اب نہیں۔ کام بھی تو کرنا ہے۔"

"کام کی فکر تمہیں نہ ہونی چاہیے وہ تو مجھے کرنا ہے۔" لزی نے کہا۔

"ہام۔" گرودر کی آواز میں ہلکی سی غراہٹ بھی شامل تھی۔

اس دوران عمران نے کرسی بدل لی تھی اور انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ اس نے گرودر کی آنکھوں میں بے اعتباری پڑھ لی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے لزی کے بیان پر یقین نہ آیا ہو۔

دفعتاً وہ میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر جھکتا ہوا غرایا۔ "کیوں! کیا کھیل ہے؟"

"کیسا کھیل؟" لزی کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"میں اس رُوسیاہ کی طرف سے مطمئن نہیں رہتا اس لیے مجھے شبہ ہے کہ وہ بھی مجھے شبہے کی نظر سے دیکھتا ہے۔"

"تم ایسے بُرے الفاظ میں اس کا تذکرہ نہ کرو۔" لزی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کیونکہ میں اسے پُوجتی ہوں۔ وہ میرا ہیرو ہے۔"

"وہ تمہارا ہیرو ہے۔" گرودر کا لہجہ زہریلا تھا۔ "لیکن تم شاید اس کے صحیح نام سے بھی واقف نہ ہو۔ اس کی شکل بھی نہ دیکھی ہو۔"

"یہی تو سب سے بڑی کشش ہے اس میں۔"

"جہنم میں جھونکو اسے۔" گرودر میز پر گھونسہ مار کر غرایا۔ "اس وقت کی بات کرو۔ تم مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟"

"میں لائی ہوں یا والٹن نے بھیجا ہے۔"

"... جو کام میرے علم میں لایا گیا تھا وہی اصلیت ہے یا... پھر؟"

"میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ البتہ ہمیں جو کام کرنا ہے اس کے لیے تقریباً ایک گھنٹے تک انتظار کرنا پڑے گا۔ مگر میری دانست میں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کام ہو ہی جائے کیوں کہ اگر وہ نہ آیا تو کیا ہم ہوا کی حجامت بنائیں گے۔"

"کچھ بھی ہو۔" وہ آگے پیچھے جھولتا ہوا بولا۔ "تم نے مجھ پر ظلم کیا ہے، اتنی پلادی۔ میرا دماغ قابو میں نہیں ہے۔"

"ارے تم کیوں فکر کرتے ہو۔ میں سب کچھ ٹھیک کرلوں گی۔"

گرودر کرسی کی پشت سے ٹک گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ لزی ایسی نظروں سے دیکھتی رہی جیسے کام تسلی بخش طور پر ہوا ہے۔

پھر عمران نے گرودر کو میز پر سر ٹیکتے ہوئے دیکھا۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ کچھ بولتا بھی جارہا تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں وہ خاموش ہوگیا۔ عمران نے لزی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی جسے وہ کوئی مخصوص معنی نہ پہنا سکا۔

"گرودی... گرودی۔" لزی نے گرودر کا شانہ ہلا کر آواز دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ لزی اس کا شانہ چھوڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

پھر عمران نے دیکھا کہ تین مختلف گوشوں سے تین آدمی اُٹھ کر لزی کی میز کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ تینوں وضع قطع سے مہذب اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتے تھے۔ ان کے لباس بھی معمولی قسم کے نہ تھے۔

لزی ان سے آہستہ آہستہ کچھ کہتی رہی۔ پھر ان میں سے دو آدمیوں نے گرودر کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اُٹھا دیا لیکن وہ اپنی قوت سے کھڑا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں اور وہ گہری سانسیں لے رہا تھا۔

لزی بھی اُٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ تیسرے آدمی کے ساتھ آگے چل رہی تھی اور وہ دونوں گرودر کو زبردستی چلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بدقت تمام وہ اسے کمپاؤنڈ میں لے جاسکے۔

وہاں سے لزی تو تنہا ایک طرف چل دی اور گرودر ان تینوں کے ساتھ رہ گیا۔ عمران نے فیصلہ کیا کہ وہ انہیں تینوں کا تعاقب کرے گا۔

اب وہ گرودر کو ایک جانب گھسیٹنے لگے۔ وہاں کئی ٹیکسیاں بھی موجود تھیں لیکن وہ اسے پیدل ہی گھسیٹتے رہے۔ اس سے عمران نے اندازہ کرلیا کہ وہ زیادہ دُور نہیں جائیں گے نائٹ کلب کریسنٹ کے آس پاس آبادی نہیں تھی۔ البتہ پہاڑوں کے سلسلے دُور تک پھیلے ہوئے تھے اور ایسا سناٹا ان پر مسلط تھا جیسے صدیوں سے ان میں کسی قسم کی آواز ہی نہ سُنی گئی ہو۔

کلب سے کچھ دُور چلنے کے بعد وہ ایک طرف نشیب میں اترنے لگے۔ عمران چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا برابر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔

ایک جگہ اس نے انہیں رُکتے دیکھا۔ گرودر ان کی گرفت میں کھڑا جھوم رہا تھا اور اس کے حلق سے بے ہنگم قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ مطلع صاف تھا اس لیے تاروں کی چھاؤں میں ان کے تاریک سائے تو کم از کم دیکھے ہی جاسکتے تھے۔ دفعتاً کسی نے کہا۔ "بس اب گرا کر ذبح کر ڈالو۔"

لیکن پھر ان میں ابتری پھیل گئی کیونکہ جھومتا ہوا سایہ یک بیک ان کی گرفت سے نکل کر کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا تھا۔

"کتے کے پلو۔" گرودر غرا رہا تھا۔ "تم لوگ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے میں پہلے سے جانتا تھا کہ آج کی رات مجھ پر سخت ہے۔"

عمران نے سوچا کہیں رات اتنی سخت نہ ہوجائے کہ اندھیرے میں اس کی آنتیں ہی پیٹ سے باہر آجائیں کیوں کہ وہ اسے یہاں ذبح کرنے کے لیے لائے تھے۔ ان کے پاس چھرا یقینی طور پر ہوگا۔ یہ سوچ کر اس نے اوپر ہی سے ہانک لگائی۔ "ارے یہ کیا ہو رہا ہے... کون ہے۔ عزیز، عبدل، تمیز، موتی مانو... دوڑو... دوڑو... دیکھو کون لوگ ہیں۔"

لڑنے والے یک بیک منتشر ہوگئے اور پھر تین سائے تو نشیب میں دوڑتے چلے گئے اور ایک "بچاؤ بچاؤ" چیختا ہوا اوپر کی طرف دوڑا اور عمران بڑی تیزی سے ایک جانب ہٹ کر کھڑا ہوگیا... پھر جیسے ہی گرودر اوپر پہنچا عمران نے آہستہ سے کہا۔ "شکریہ ادا کرو۔"

"تم کون ہو دوست؟" گرودر کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"ایک بہت بڑا آدمی۔" عمران نے جواب دیا۔

"قریب آؤ۔"

"تم اپنی حفاظت کرو۔ مجھے قریب بلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میری صورت میں جواہرات جڑے ہوئے نظر نہیں آئیں گے۔ مگر ٹھہرو میں تمہیں یہاں نہیں مل سکتا مجھے بتاؤ کہ اب تم کہاں جاؤ گے، ظاہر ہے کہ والٹن اور لزی تمہیں زندہ دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔"

"اوہو۔ تو تم بہت کچھ جانتے ہو۔"

"ہوسکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی لیکن اس بار گرودر نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اس کی بجائے عمران نے اس کے قدموں کی چاپ سُنی جو بتدریج دُور ہوتی جارہی تھی۔

دوسری صبح عمران نے ہوٹل میں والٹن اور لزی کو چیک کیا۔ وہ وہیں تھے۔ ان کے چہروں پر اسے تشویش کے آثار نہیں دکھائی دیئے تھے۔ گویا، انہیں اس کی پروا ہی نہیں تھی کہ ان کے شکار پر کیا گزری۔

گرودر ہوٹل میں نہیں نظر آیا۔ عمران نے پچھلی رات ہی کو اطمینان کرلیا تھا کہ گرودر نے اپنی جائے قیام کے متعلق غلط بیانی نہیں کی تھی۔ وہ لال باغ کے ساتویں بنگلے میں نظر آیا تھا۔ مگر عمران اس سے نہیں ملا تھا بلکہ اس کی لاعلمی میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس بنگلے میں موجود ہے یا نہیں۔

کیپٹن خاور اور لیفٹیننٹ چوہان اسی دن سردارگڑھ پہنچ گئے اور انہوں نے عمران کو فون پر اپنی آمد کی اطلاع دی۔ وہ دو مختلف ہوٹلوں میں ٹھہرے تھے۔ غالباً بلیک زیرو نے بحیثیت ایکس ٹو انہیں اس قسم کی ہدایت دی تھی۔

عمران نے خاور کو گرودر کی نگرانی پر مامور کردیا تھا اور چوہان کو ہدایت دی کہ وہ والٹن اور لزی پر نظر رکھے۔ مگر اس آدمی کا مسئلہ باقی تھا جو ہسپتال میں ایک پاگل مریض کی حیثیت سے زیرِ علاج تھا۔ عمران اس کے متعلق بھی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اور پھر ابھی تو بہتیری باتیں معلوم کرنا تھیں۔ مثلاً وہ لوگ جو گیندوں کے شکار ہوئے تھے، کون تھے؟ کس طبقے سے تعلق رکھتے تھے ان کی شناخت بھی ہوسکتی تھی یا نہیں؟

اس کے علاوہ لزی، والٹن اور گرودر کے معاملات بھی کچھ کم غور طلب نہ تھے۔ پچھلی رات اس نے لزی اور گرودر کی گفتگو سُنی تھی۔ گرودر نے کسی "رُوسیاہ" کا تذکرہ بہت بُرے لہجے میں کیا تھا جس پر لزی نے خود اسے بُرا بھلا کہتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اس کا تذکرہ بُرے لہجے میں نہ کرے کیونکہ وہ اس کا ہیرو تھا اور وہ اسے بہت پسند کرتی تھی۔ پھر جب گرودر نے کہا تھا کہ شاید اس نے کبھی اس کی شکل بھی نہ دیکھی ہو اور نہ یہ جانتی ہو کہ حقیقتاً کون ہے تو اس پر لزی ہی خاموش ہوگئی تھی۔ یہ رُوسیاہ کون تھا جو لزی کا ہیرو ہونے کے باوجود بھی اس کے لیے ایک نامعلوم آدمی تھا۔ کیا وہ ان کا سربراہ تھا؟ عمران بڑی دیر تک سوچتا رہا۔ گرودر کے اندازِ گفتگو سے یہی قیاس کیا جاسکتا تھا کہ وہ گمنام "رُوسیاہ" ان کا سرغنہ ہی تھا اور چونکہ گرودر اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا اس لیے اسے ختم کرا دینے کی اسکیم بنائی گئی تھی۔

مگر کیا گرودر اتنی قوت رکھتا تھا کہ اس رُوسیاہ سے ٹکرا جاتا؟ اب عمران اس مسئلے پر غور کرنے لگا۔ لزی اور اس کے ساتھی گرودر کو کریسنٹ کلب سے اچھی حالت میں نہیں لے گئے تھے یعنی اسے اتنا تیز نشہ ہوگیا تھا کہ وہ اپنے پیروں سے چل بھی نہیں سکتا تھا لیکن پھر دس یا پندرہ منٹ بعد یک بیک اس طرح ہوش میں آجانا کیا معنی رکھتا تھا! اس کا مطلب تو یہ تھا کہ اسے اس حادثے کی اطلاع پہلے ہی سے تھی اور اس نے اتنی زیادہ ہرگز نہیں پی تھی کہ وہ خود کو قابو میں نہ رکھ سکتا۔

عمران کا ذہن پھر والٹن اور لزی کی طرف بھٹک گیا۔ کیا والٹن اس گروہ کا کوئی اہم آدمی ہے؟ اس کی کیا حیثیت ہے؟ وہ دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا پھر اُٹھ گیا۔ گھڑی پانچ بجا رہی تھی۔ اسے چھ بجے کیفے گرین میں خاور اور چوہان سے ملنا تھا۔ وہ ہوٹل سے نکلا اور کیفے گرین کے لیے ایک ٹیکسی کی لیکن وہ اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔

کیفے گرین پہنچ کر اسے تقریباً بیس منٹ تک ان دونوں کا انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران میں عمران برابر تاڑ تا رہا تھا کہ کہیں اس کا تعاقب تو نہیں کیا گیا لیکن اسے اس قسم کے آثار نظر نہیں آئے۔

خاور اور چوہان پانچ منٹ کے وقفے سے کیفے میں داخل ہوئے تھے۔

"کہیے عمران صاحب کیا چکر ہے۔" لیفٹیننٹ چوہان نے ہنس کر پوچھا۔

"ارے یار کیا بتاؤں، شرم آتی ہے۔" عمران نے شرمیلے انداز میں کہا

"میں نے دراصل اپنے ایک نجی کام کے سلسلے میں ایکسٹو سے درخواست کی تھی کہ مجھے کیپٹن خاور اور لیفٹیننٹ چوہان چند دنوں کے لیے عطا کیے جائیں۔"

"نجی کام کے لیے ہم لوگ استعمال کیے جا رہے ہیں۔" چوہان معنی خیز نظروں سے خاور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیا مطلب؟" خاور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے تم مجھے گرویر کے متعلق بتاؤ۔"

"لال باغ کے ساتویں بنگلے میں صرف ایک آدمی رہتا ہے لیکن اس کا وہ حلیہ نہیں ہے جو آپ نے بتایا تھا اور اب اس کا نام بھی گرویر نہیں ہے۔ پھاٹک پر جو نام کی تختی ہے اس پر پی سندرم ایڈووکیٹ تحریر ہے۔"

"حلیہ کیا ہے پیارے کپتان صاحب؟"

"گول چہرہ، گھنی مونچھیں اور پیشانی پر چوٹ کا لمبا سا داغ۔"

"ہام۔" عمران لمبی سانس لے کر اپنا سر کھجانے لگا۔

حلیہ گرویر کا نہیں تھا اور عمران نے اس بنگلے کے پھاٹک پر کسی کے نام کی تختی بھی نہیں دیکھی تھی۔ عمران نے سوچا کیا وہ وہاں سے کھسک گیا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہاں اس حلیے کا کوئی آدمی نہیں ہے جو میں نے تمہیں بتایا تھا۔"

"وہاں اس بنگلے میں اس حلیے کا کوئی آدمی نہیں رہتا۔ پڑوسیوں سے میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔"

"یہ پی سندرم کیسا آدمی ہے؟"

"خوش اخلاق، ہنس مکھ اور دوسروں کے کام آنے والا۔"

"سبحان اللہ۔" عمران بے حد خوش نظر آنے لگا۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے پی سندرم خاور کا کوئی رشتے دار رہا ہو اور عمران نے خاور کا دل رکھنے کے لیے اس کی تعریف سن کر خوشی ظاہر کی ہو۔

پھر اس نے چوہان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "تم کیا جھک مار رہے ہو؟"

"لزی ایک خوب صورت لڑکی ہے عمران صاحب۔" چوہان نے کہا۔

"تمہیں پسند تو نہیں آ گئی؟" عمران نے گھبرا کر پوچھا۔

"بہت زیادہ عمران صاحب۔"

"بیڑا غرق۔" عمران منہ بسور کر بولا۔ "اب مجھے تمہاری بھی نگرانی کرنی پڑے گی۔"

"کیوں....؟"

"وہ والٹن اور گرویر کو بھی پسند ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پتا نہیں کیوں مجھے ان لوگوں پر بے حد غصہ آتا ہے، جو اسے پسند کرتے ہیں۔ میں نے تم لوگوں کو یہ معلوم کرنے کے لیے بلایا ہے کہ وہ دونوں اسے کیوں پسند کرتے ہیں۔"

"اگر یہ حقیقت ہے تو ایکس ٹو پر لعنت بھیجیے کر دل چاہتا ہے۔" چوہان بولا۔

"ضرور بھیجو۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "میں اس کے لیے کام کرتا ہوں۔ اس لیے اسے بھی میرے کام آنا چاہیے۔ میں آج کل بہت پریشان ہوں۔ ابھی تو مجھے اس کا بھی پتا لگانا ہے کہ خود میں اسے کیوں پسند کرتا ہوں۔"

چوہان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "بہت گہرے ہو استاد۔ اصل معاملے کی ہوا بھی نہ لگنے دو گے۔ خیر ہاں میں نے تو والٹن کا تعاقب شروع کیا تھا۔ وہ تنہا تھی والٹن اس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ سب سے پہلے سول ہسپتال گئی تھی۔"

عمران کو وہ پاگل مریض یاد آ گیا جو گیندوں ہی کے سلسلے میں زخمی ہو کر سول ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"سول ہسپتال سے وہ کہاں گئی تھی؟"

"یہی بتانے جا رہا تھا۔ وہ حقیقتاً ایک سمجھ میں نہ آنے والی لڑکی ہے۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اسی ہسپتال میں نرس کے فرائض انجام دیتی ہو گی۔"

"کیا۔" عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔

"سب سے پہلے وہ ہسپتال کی عمارت میں گئی تھی اور پھر وہاں سے ہسپتال کے ایک رہائشی کوارٹر میں گئی۔ جب وہاں سے دوبارہ برآمد ہوئی، تو اس کے جسم پر نرسوں جیسا لباس تھا۔

"وہ پھر ہسپتال کی عمارت میں چلی آئی۔ پھر میں نے اسے جنرل وارڈ کے مریضوں کی خبر گیری کرتے ہوئے دیکھا۔ چھان بین کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ وہ شوقیہ کام کرتی ہے۔ اس کے لیے اسے تنخواہ نہیں ملتی چونکہ کئی ڈاکٹر اس پر بُری طرح ریجھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس کے اس شوق کی تکمیل بہ آسانی ہو رہی ہے اور وہ روزانہ تقریباً دو گھنٹے کوئی معاوضہ لیے بغیر وہاں نرس کے فرائض انجام دیتی ہے۔"

"دو گھنٹے بعد وہ کہاں گئی تھی؟" عمران نے پوچھا۔

"دو گھنٹے بعد۔" چوہان نے ایک طویل سانس لی اور خاور کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "دو گھنٹے بعد پھر ہوٹل میں واپس آ گئی تھی۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ آج اس نے مجھے تھکا مارا کیوں کہ بیس ہی منٹ بعد وہ دوبارہ باہر جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی اور اس بار والٹن بھی اس کے ساتھ تھا لیکن اب براہ کرم یہ نہ پوچھیے گا کہ وہ کہاں گئے تھے۔"

"کیوں؟"

"وہ کہیں بھی نہیں گئے تھے۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"وہ کہیں نہیں گئے تھے۔ انہوں نے صرف سردار گڑھ کا ایک چکر لگایا تھا اور اس کے بعد پھر وانگا میں واپس آ گئے تھے۔"

"ہوں۔" عمران نے اپنے ہونٹ سکوڑے اور کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"لزی سول ہسپتال میں نرس کے فرائض کب سے انجام دے رہی ہے۔"

"زیادہ دن نہیں ہوئے۔" چوہان نے کہا۔ "صرف ایک ماہ سے.... اُف فوہ! کتنا فلرٹ کرتی ہے وہ ڈاکٹروں سے۔"

"اب دل چاہتا ہے کہ مجھے گٹھیا ہو جائے۔" عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں...؟"

"کبھی کسی سے عشق ہوا ہے تمہیں؟" عمران نے گھور کر پوچھا۔

"مجھے اُلو نہ بناؤ پیارے۔" چوہان ہنس پڑا۔

"اچھا۔" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلا دیا۔

خاور نے لیفٹیننٹ چوہان سے کہا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ یہ حضرت انہی گیند والے کیسوں کے چکر میں ہیں۔ آج مجھے یہاں کیپٹن فیاض بھی نظر آیا تھا۔"

عمران نے اُس پر ایک متفکرانہ نظر ڈالی اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ اب وہ صرف چوہان اور خاور کی گفتگو سن رہا تھا۔ ان دونوں نے ان کیسوں کے متعلق ایک طویل بحث چھیڑ دی تھی۔ اس کا سلسلہ تقریباً آدھے گھنٹے تک قائم رہنے کے باوجود بھی وہ کوئی نظریہ نہیں قائم کر سکے، آخر عمران نے خاور سے کہا۔ "یہ پی سندرم ایڈووکیٹ اپنے کچھ دلال بھی رکھتا ہو گا۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگ جو اس کے لیے کیس تلاش کرتے ہوں۔"

"ہم نے ابھی اتنی زیادہ معلومات نہیں حاصل کیں۔"

"مجھے کم از کم ایسے ایک آدمی کا نام اور پتہ چاہیے۔"

"کل شام سے پہلے ناممکن ہے۔"

"میں اس کے لیے صرف چھ گھنٹے کی مہلت دے سکتا ہوں۔" عمران نے خاور کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھو یار۔" خاور مسکرایا۔ "دھونس دھڑلے سے کام نکالنے کی کوشش نہ کرو ورنہ میں بیمار ہو کر یہاں سے چلا جاؤں گا اور میری جگہ تنویر متعین کر دیا جائے گا پھر ہم کیسے چوتیوں میں دال بٹے گی۔"

"صرف چھ گھنٹے۔" عمران کا لہجہ کرخت تھا۔

دوسری صبح ناشتے کے دوران میں پھر لزی سے ملاقات ہو گئی۔ وہ خود ہی عمران کی میز پر آئی تھی۔

کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھی رہی اور عمران بھی بالکل ایسے ہی انداز میں سر جھکائے بیٹھا رہا جیسے وہ اس کے عزیز کی تعزیت کرنے آئی ہو۔ آخر جب یہ خاموشی لزی کو شاید گراں گزرنے لگی تو اس نے پوچھا۔

"تم نے اپنے بھائی کے لیے کیا کیا؟"

"اب اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں کہ اپنی آدھی جائداد اس کے نام منتقل کر دوں کیوں کہ اسے تو یقینی طور پر پھانسی ہو جائے گی۔"

"کیا مطلب؟" لزی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اب کیا بتاؤں۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ "پچھلی رات میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ جیسے میرے بھائی ہی نے اسے چھری ماری ہو۔"

"کیا بات ہوئی؟"

"مطلب یہ کہ ایسا ممکن ہے۔"

"آخر کیوں؟ کیا پہلے سے دشمنی تھی۔"

"نہیں بلکہ اُس گیند کی وجہ سے اس کا دماغ چل گیا ہو گا۔ گیندوں پر نظر پڑتے ہی وہ پاگل ہو جاتا ہے اور اسے اس شدت سے غصہ آتا ہے کہ وہ آپے سے باہر ہو کر قریب کھڑے ہوئے کسی آدمی کی گردن تک مروڑ سکتا ہے۔"

"تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔" لزی ہنس پڑی۔

"مجھے گہرا صدمہ پہنچا ہے اس بات سے۔" عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اسی لوگ تو مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔ میں کیا کسی کو بے وقوف بناؤں گا۔"

"تم نے اس کی ضمانت کے لیے کوشش کیوں نہیں کی۔" لزی نے کہا۔

"غیر ضروری ہے اسے پھانسی تو ہو ہی جائے گی۔ پھر خواہ مخواہ وقت کیوں برباد کیا جائے۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔"

"یہ جملہ بھی میرے لیے نیا نہیں ہے۔ پتا نہیں کیوں لوگ مجھے بچپن ہی سے عجیب کہتے اور سمجھتے آئے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھتی کہ اس کے خلاف ثبوت مہیا کیے بغیر اسے پھانسی کیسے دی جائے گی۔"

"اوہ، میں جھوٹ تو نہیں بول سکتا۔ مجھے صاف صاف کہنا پڑے گا کہ گیند اس کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ اکثر وہ درجنوں گیندیں چبائے بغیر نگل گیا ہے۔"

لزی پھر ہنسنے لگی۔ دفعتاً عمران نے محسوس کیا کہ وہ کچھ بے چین سی بھی نظر آنے لگی ہے لیکن وہ اس کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ اس نے کنکھیوں سے ہال کا جائزہ بھی لیا۔ مگر وہ صرف مضطرب تھی، کسی طرف متوجہ نہیں تھی۔ تو پھر وہ کوئی خیال ہی رہا ہو گا۔ جس نے اسے غیر متوقع طور پر مضطرب کر دیا تھا۔

وہ اس طرح اٹھی جیسے بے خیالی میں یہ فعل اس سے سرزد ہوا ہو پھر یک بیک چونک کر بولی۔ "میں تم سے پھر ملوں گی۔ مجھے تمہارے بھائی کی گرفتاری پر افسوس ہے۔" وہ ایک طرف چلی گئی اور عمران سوچتا ہی رہ گیا کہ آخر اس سے کیا چاہتی ہے۔ اس طرح خواہ مخواہ کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

کیا یہ لوگ خود اس کے چکر میں ہیں؟ اسے پچھلی شام ہی شبہ ہوا تھا جس وقت چوہان نے یہ رپورٹ دی تھی کہ لزی اور والٹن نے سردار گڑھ کے چکر لگائے تھے۔ یونہی بلا مقصد چکر لگاتے پھرنا بھی کسی نہ کسی مقصد کا حامل ضرور رہا ہو گا کہ اسی طرح وہ یہ بھی دیکھنا چاہتے تھے کہ کہیں ان کا تعاقب تو نہیں ہو رہا؟

اگر یہی بات تھی تو چوہان یقینی طور پر ان کی نظروں میں آ گیا ہو گا۔ اس نکتے پر مزید غور کرنے سے پہلے ہی اسے ایک خطرے کا احساس ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ کہیں خود اسی کی نگرانی نہ شروع ہو گئی ہو۔

اس نے ناشتہ ختم کیا اور کچھ دیر ہال ہی میں وقت برباد کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کمرے کے وسط میں چھوٹی گول میز پر سرخ رنگ کا ایک لفافہ دیکھ کر اسے رک جانا پڑا۔ جب وہ کمرے سے گیا تھا تب اس قسم کا کوئی لفافہ وہاں موجود نہ تھا۔ عمران نے اسے اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس پر کوئی تحریر نہیں تھی لیکن اس کے اندر تہ کیا ہوا کاغذ ضرور تھا۔

عمران نے لفافہ چاک کر کے کاغذ نکالا۔ کاغذ پر تحریر نظر آئی۔

"میرا خیال ہے کہ ہم میں سے کوئی بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے کیونکہ مجھے محسوس ہو رہا ہے، جیسے میرا تعاقب کیا جا رہا ہو۔ چوہان کا بھی کم و بیش یہی خیال ہے۔ آپ ذرا ہوشیار رہیے گا۔ یہ لوگ بہت چالاک معلوم ہوتے ہیں۔ پڈ ہنسٹرم ایڈووکیٹ زیادہ تر فوجداری کے مقدمات کرتا ہے۔ مجھے حالات کا علم ہو چکا ہے۔ شاید آپ اس سے صفدر کی ضمانت کے سلسلے میں گفت و شنید کرنا چاہتے ہیں لیکن گرد بر کا مسئلہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آسکا۔ ہمیں سارے حالات سے آگاہی ہونی چاہیے۔ ورنہ شاید ہم دھوکہ کھا جائیں۔"

"کھا بھی جاؤ۔" عمران نے بڑبڑاتے ہوئے خط چاک کر دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس نے خاور اور چوہان سے میک اپ میں نہ مل کر سخت غلطی کی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک طویل سی سانس لی اور بڑبڑایا۔ "اچھا دوستو۔ اگر تم میرے پیچھے ہو تو میں تمہیں پاگل ہو جانے پر مجبور کر دوں گا۔"

اس نے لباس تبدیل کیا اور دروازہ کھول کر راہداری میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دونوں طرف سناٹا تھا۔ باہر نکل کر دروازہ مقفل کرنے کے بعد اس نے اپنی ناک پر پیاسٹک کی مصنوعی ناک چڑھائی اور گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

ہال میں لزی پھر دکھائی دی۔ اس بار لزی کے ساتھ والٹن بھی تھا۔

عمران نے سوچا کہ اگر کچھ دیر ان لوگوں سے بھی صحبت رہے تو کیا برا ہے ہو سکتا ہے۔ بے خبری کے عالم میں ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل ہی جائے جس پر وہ اپنی تفتیش کی بنیاد رکھ سکے۔

وہ ان کے قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ فاصلہ اتنا تھا کہ اگر وہ آہستہ سے گفتگو کرتے تب بھی عمران کچھ نہ کچھ تو سن ہی لیتا۔

لزی والٹن سے کہہ رہی تھی۔ "میں اب شدت سے بور ہو رہی ہوں۔ یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہیے۔"

"سلسلہ ختم کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔" والٹن بولا۔

"پھر بتاؤ میں کیا کروں۔ اب میں کچھ دن صرف آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہ کھیل تو اب تم ہی سمجھو۔" والٹن بولا۔ "کیوں کہ اب یہ مخدوش ہو گیا ہے۔"

"ہاں" لزی نے ایک طویل سانس لی۔ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "گرد بر کے سلسلے میں تم خاموش ہو۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔۔۔ تمہاری دانست میں وہ ناقابلِ اعتماد تھا اس لیے تم نے اسے راستے سے ہٹا دینا چاہا تھا لیکن وہ نکل گیا۔"

"اس کی تلاش جاری ہے۔" والٹن نے کہا۔ اس تذکرے پر وہ کچھ متفکر سا نظر آنے لگا تھا۔

"کیا تمہیں اس کے متعلق کوئی ہدایات ملی تھیں؟" لزی نے پوچھا۔

"نہیں۔ اتنے اختیارات مجھے بھی ہیں کہ میں ایسے معاملات سے خود ہی نپٹ لوں۔"

"لیکن تم نہیں نپٹ سکے۔" لزی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے تمہاری یہ غلطی ہم پر تباہی نازل کرے۔"

"اوہ ختم کرو۔" والٹن برا سا منہ بنا کر غرایا۔

"اچھا اب اس احمق کے متعلق تم نے کیا سوچا ہے؟"

"تم کیوں کان کھا رہی ہو میرے۔"

"اس لیے کہ تم مجھ پر اعتماد کرنا چھوڑ دو۔"

"کیا مطلب؟" والٹن کی بھنویں تن گئیں۔

"میں تم سے بحث کرتی ہوں۔ بعض اوقات مخالفت بھی کر بیٹھتی ہوں۔ گرد بر کا بھی یہی رویہ تھا۔"

دفعتاً والٹن مسکرایا اور پیار بھری نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "جس دن اس کی نوبت آئی میں تمہارے ہاتھ میں ایک ریوالور دے کر کہوں گا کہ والٹن کی چھاتی کا نشانہ لو اور ٹریگر دبا دو۔"

"میں نہیں سمجھی تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"اس نے ایک دن تم سے اظہارِ عشق کیا تھا اور تم خفا ہو گئی تھیں۔"

"صاف صاف کہو۔" لزی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کوئی تم سے اظہارِ عشق کرے۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔" لزی غرائی۔ "تمہیں میرے ذاتی معاملات سے کیا سروکار اور میں اسے ایک ذلیل حرکت سمجھتی ہوں کہ کسی کی ٹوہ میں رہا جائے۔" قبل اس کے کہ والٹن کچھ کہتا عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ارے واہ! کسی کی ٹوہ میں رہنا ذلیل حرکت کیسے ہو سکتی ہے؟"

وہ دونوں چونک کر اس کی طرف مڑے۔ پہلے والٹن کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی اور پھر یک بیک وہ بپھر گیا۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" اس نے گرج کر کہا۔

"نہیں تو کسی دشمن نے اڑائی ہو گی۔" عمران کا جواب تھا۔

"تم ہماری گفتگو میں دخل دینے والے کون ہو۔"

"بس دخل ہی دینے والا ہوں۔" عمران نے کہا۔

"کیا تم جھگڑا کرو گے؟" والٹن کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

"میں کسی طرح بھی تم سے کمزور نہیں پڑوں گا۔" عمران نے اسے چیلنج کیا۔

"اگر میں تمہارے منہ پر تھپڑ رسید کر دوں تو کیسی رہے گی۔" لزی غرائی۔

"ارے باپ رے۔" عمران بوکھلا کر بولا۔ "تب تو یہ مصنوعی ناک اور مونچھیں ایک سیکنڈ میں تباہ ہو کر رہ جائیں گی۔"

والٹن اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے درندگی اور وحشت جھانک رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحہ وہ عمران کے سر پر تھا۔

"بیٹھیے۔۔۔ بیٹھیے جناب۔" عمران بوکھلا کر بولا۔ "آپ شاید خفا ہو گئے۔"

"تم کون ہو؟" والٹن سانپ کی طرح پھپھکارا اور ساتھ ہی وہ بیٹھ بھی گیا۔

"وہی بدنصیب جس کے بھائی کو پولیس لے گئی تھی۔" عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"اس کا مطلب؟" اس نے مونچھوں کی طرف اشارہ کیا۔

"میں لزی کی ٹوہ میں رہتا ہوں۔" عمران نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ "مگر اس وقت ان کی زبان سے یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی کہ کسی کی ٹوہ میں رہنا ذلیل حرکت ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم کیوں رہتے ہو اس کی ٹوہ میں؟" والٹن نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"اکیلے میں ہی نہیں ہوں۔ اس کام کے لیے دو آدمیوں کو بھاری تنخواہیں بھی دے رہا ہوں۔ وہ بھی ان کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔"

"دیکھو دوست۔ میرے کوٹ کی جیب میں پستول ہے اور اس کا رخ تمہارے سینے کی طرف ہے۔ انگلی کے ہلکے سے اشارے پر تمہارے سینے میں سوراخ ہو جائے گا۔ ایسے مواقع پر میں یہ نہیں دیکھتا کہ آس پاس کتنی بھیڑ ہے۔"

"ارے۔۔۔ ب۔۔۔ باپ رے۔۔۔" عمران کانپنے لگا۔

"اٹھو اور زینے کی طرف چلو۔" والٹن نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"یار معاف کر دو۔ اب کبھی کسی کی ٹوہ میں نہیں رہوں گا۔" عمران گھگھیایا۔

"اٹھو! ورنہ میں دبا ہی دوں ٹریگر۔"

عمران چپ چاپ اٹھ گیا۔

والٹن بولا۔ "پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔ بس چپ چاپ چلتے رہو۔" عمران کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا ہو۔ اس نے زینے طے کیے۔ والٹن اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس نے اپنے کمرے کے سامنے اسے رکنے کو کہا اور لزی سے بولا۔ "کمرہ کھولو۔"

لزی اس کے ساتھ ہی آئی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں شدید ترین الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے کمرہ کھولا اور والٹن نے عمران کی گردن پکڑ کر اسے اندر دھکیل دیا۔ عمران نے مزاحمت نہیں کی۔

لزی نے اندر آنے کے بعد دروازہ بند کر لیا۔ والٹن کی جیب سے پستول نکل آیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ پستول سے کرسی کی طرف اشارہ کرتے غرایا۔ لزی کھڑی پلکیں جھپکا رہی تھی۔

دہلی کا واقعہ

محمد اعظم نے T.V خریدا جس کی گارنٹی ایک سال کی تھی۔ جب بھی T.V بگڑا محمد اعظم نے کمپنی کو فون کیا، مکینک آیا اور درست کر گیا۔

ایک سال بعد خراب ہوا تو اپنے علاقے کے مکینک سے رجوع کرنا پڑا۔ مکینک نے تیس روپے فیس جمع کرائی، شام کو آیا T.V دیکھا، انٹینا گھمایا اور چلا گیا۔ T.V کام کرنے لگا۔ ہر مہینے میں ایک دو بار ایسا ہوتا رہا۔ ایک روز محمد اعظم نے ایک دوکان پر T.V گائیڈ نامی کتاب دیکھی، دس روپے میں خرید لی۔ پڑھا تو معلوم ہوا کہ 75% T.V کی خرابی صرف انٹینا کی خرابی سے ہوتی ہے۔ آخر میں کتاب والا کا چھاپا ہوا کلر T.V گائیڈ کا بھی اشتہار دیکھا، محمد اعظم نے کلر T.V گائیڈ بھی تیس روپے میں خرید لیا اور اسے پوری توجہ سے کئی کئی بار پڑھا۔ بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ تو محمد اعظم نے ہمت کر کے مرمت کا سامان جو T.V کو چیک کرنے میں مدد دیتا ہے ستر روپے میں خرید لیا۔ اپنے T.V پر ہی پہلا کام کیا اور کامیاب رہا۔ ہمت بڑھی۔ پڑوس کے لوگوں کے T.V بھی درست کیے اور تین مہینے میں خود پر بھروسہ کرنے لگا۔ ایک دن دیکھا۔ محمد اعظم کے گھر پر بورڈ لگا تھا:

کلر و بلیک اینڈ وائٹ T.V ریپیر ہاؤس
ملنے کا وقت صبح ۸ سے ۹ بجے تک شام چھ بجے کے بعد

اس طرح محمد اعظم نے اپنے لیے پارٹ ٹائم ورک حاصل کر کے اپنی آمدنی بھی بڑھائی اور اپنے T.V کی مرمت فیس سے بھی بچ گیا۔ ہر وہ انسان جو اردو پڑھنا جانتا ہو اور T.V سے دلچسپی رکھتا ہو۔ T.V گائیڈ اور کلر ٹی وی گائیڈ پڑھ کر اچھا مکینک بن سکتا ہے۔

رام کرشن اگروالی

"جھوٹ بول کر تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔" والٹن نے کہا۔
"پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ کسی کی لڑکی میں رہنا ذلیل حرکت کیوں ہے؟"
عمران نے لزی کی طرف دیکھ کر غصیلے لہجے میں کہا۔ "اسی چھلے نے میرے آگ لگا دی تھی۔ ورنہ مجھے کیا پڑی تھی کہ خواہ مخواہ تمہاری گفتگو میں دخل دیتا۔"

"تم کیوں تھے اس کی لڑکی میں۔" والٹن نے گرج کر پوچھا۔
"کیوں نہ ہوتا۔" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اس سے پوچھو کہ یہ اتنی خوبصورت کیوں ہے؟" عمران نے لزی کی طرف دیکھ کر غصیلے لہجے میں کہا۔
"کیا بکواس کر رہے ہو تم۔" لزی بگڑ گئی۔
"اچھا چلو تم بڑی بدصورت ہو۔ خدا کرے لولی لنگڑی بھی ہو جاؤ۔"
لزی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ والٹن بول پڑا۔ "تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟"
"ممی اور ڈیڈی نے۔" عمران نے بڑی سادگی سے کہا۔ "ان کا خیال تھا کہ سردار گڑھ میں میرا جی بہل جائے گا۔"
"ممی کے بچے میں تمہیں فنا کر دوں گا۔" والٹن دانت پیس کر بولا۔
"بس بس! معلوم ہو گیا۔ ابھی تک تو صرف تم ہی ملے ہو۔"
"کیا مطلب۔" والٹن نے کہا اور مضبوطی سے ہونٹ بند کر کے اسے گھورنے لگا۔
"مطلب یہ کہ یہ میری ہے۔ میں اس کو بچپن ہی سے خواب میں دیکھتا آیا ہوں۔ اب ملی ہے اتنے دنوں بعد۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی اسے چاہتا تو نہیں ہے۔"
"میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔" لزی اس کی طرف گھونسہ تان کر جھپٹی۔
"ٹھہرو۔" والٹن نے اس کا بازو پکڑ لیا۔
"میں اسے اس بکواس کا مزہ چکھاؤں گی۔"
"ارے جاؤ۔" عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تم مجھ سے بگڑ رہی ہو کیا۔ بدتمیزی کرو گی تو دو چار جھاڑ دوں گا۔ اپنی محبت میں سب چلتا ہے۔"
"محبت کے بچے خاموش رہو۔" لزی دانت پیس کر چیخی۔

"تم میک اپ میں کیوں ہو؟" دفعتاً والٹن نے اس سے نرم لہجے میں پوچھا اور ریوالور والا ہاتھ بھی نیچے جھکا لیا۔
"اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ میک اپ میں تمہیں کوئی نہ پہچان سکے گا۔"
"کم بخت مونچھیں تو بری طرح چبھتی ہیں۔"
"کس نے کہا تھا؟"
"اب میں نام تھوڑی ہی جانتا ہوں۔ بہت شریف آدمی ہے بے چارہ۔ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تمہارے بھائی کو بھی رہا کرا دوں گا۔"
"نام نہیں جانتے تو حلیہ ہی بتاؤ۔" والٹن کا لہجہ بدستور نرم رہا۔
"نہیں بتاؤں گا۔ کیوں بتاؤں۔"

"اچھا یہی بتا دو کہ اس نے تمہیں اس کام پر کیوں آمادہ کیا تھا؟"
"کچھ بھی نہیں۔ ارے جب ستارے ٹھیک ہوتے ہیں تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا رو رہا تھا کہ وہ نیک دل آدمی میرے پاس آیا اور بولا کہ اے شریف آدمی اس طرح نہ رو، تیرے گردش کے دن ختم ہو گئے۔ میں تیرے بھائی کو ضمانت پر رہا کرا دوں گا اور تیرے دل کی کلی بھی کھلے گی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی ہے اور تو اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ ممکن ہے ایسا ہو سکتا ہے مگر اسی وقت جب تو معلوم کر سکے کہ وہ کسی دوسرے سے محبت تو نہیں کرتی۔ پھر اس نے طریقہ بتایا کہ میں کس طرح اس کے متعلق معلومات حاصل کر سکوں گا۔ یہ دیکھو۔" عمران نے اپنی مصنوعی ناک مونچھ سمیت چہرے سے ہٹا دی اور پھر بولا۔ "اس سے میری شکل ہی بدل جاتی ہے اور جنزی کے پیچھے پھر تا رہتا ہوں۔ وہ مجھے کبھی نہیں پہچان سکی، ہا ہا۔"
"اس کا نام جنزی نہیں لزی ہے۔" والٹن مسکرایا۔
"تم خواہ مخواہ وقت برباد کر رہے ہو۔" لزی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"تم پیچھے جاؤ۔ میں ان سے کچھ دیر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بہت نیک اور صاف گو آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"
لزی چند لمحے والٹن کو گھورتی رہی پھر دروازے کی طرف گھوم گئی۔
اس کے جانے کے بعد والٹن نے دروازہ بند کیا اور عمران سے بولا۔
"کیا واقعی تم اسے چاہتے ہو؟"
"دل و جان سے بھائی صاحب۔" عمران کے دانت نکل پڑے۔
"میں خود بھی اس کے لیے کسی اچھے سے شوہر کی تلاش میں تھا۔"
والٹن نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ ایک یتیم لڑکی ہے۔"
"ارے... واہ یتیم تو میں بھی ہوں۔ بس بڑے بھائی کرا دو شادی۔"
"ہوں... یوں نہیں۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے۔"
"میرا بزنس ہے دارالحکومت میں۔"
"بزنس... کس چیز کا بزنس؟"
"امپورٹ... ایکسپورٹ۔"
"کتنی آمدنی ہو گی؟"

"میں نے آج تک یہ جاننے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ میری آمدنی کتنی ہے۔"

"خیر، یہ شادی ہو سکتی ہے۔ مگر تم کوشش کرو کہ لزی تمہیں پسند کرنے لگے۔"

"کیسے کوشش کروں؟" عمران نے بے بسی سے کہا۔ "میں اب تک درجنوں لڑکیوں کے لیے کوشش کر چکا ہوں لیکن کسی نے بھی مجھے پسند نہیں کیا۔"
والٹن عمران کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ عمران کے چہرے پر حماقت کے آثار اور گہرے ہو گئے تھے۔

"دیکھو دوست۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "میں تمہارے لیے بہت کچھ کر سکتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم مجھے اپنا سمجھو۔"
"ارے بالکل، بالکل اپنے ہو بڑے بھائی۔ اگر لزی سے میری شادی ہو جائے تو میں تمہیں اپنا باپ تک بنا سکتا ہوں۔" عمران نے گرمجوشی کا اظہار کیا۔
"نہیں وہ شخص دراصل تباہ کرنا چاہتا ہے۔" والٹن بولا۔
"کون...؟"
"جس نے تمہیں لزی پر نظر رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔"
"ارے نہیں وہ تو بڑا اچھا آدمی ہے۔ وہ مجھے کیوں تباہ کرنے لگا۔"
"اچھا۔ تو کیا تم اسے مجھ سے بھی اچھا سمجھتے ہو۔"
"ار ر... دیکھو بڑے بھائی۔ ہر ایک کی بات الگ ہوتی ہے۔ یعنی کہ وہ اپنی جگہ پر اچھا ہے۔ اور تم اپنی جگہ پر۔ یعنی کہ یوں سمجھ لو... یعنی کہ... اب کس طرح سمجھاؤں... بات پیٹ میں ہے زبان پر نہیں آتی۔"
"ٹھیک ہے ٹھیک ہے! تم ایک اچھے آدمی ہو اس لیے کسی کو بھی برا نہیں سمجھتے۔ خیر اسے جانے دو۔ اب میں تمہیں ایک خاص بات بتاؤں۔ اس لڑکی کے چاہنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور وہ مختلف طریقوں سے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ انہیں اس کی بھی فکر رہتی ہے کہ وہ اس کے چاہنے والوں کی تعداد معلوم کریں۔ خود نہیں معلوم کر سکتے کیوں کہ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ اس لیے تم جیسے سیدھے سادے آدمیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اب اس کے کسی چاہنے والے نے تمہیں پھانس لیا ہے۔ محنت تم کر رہے ہو لیکن شاید فائدہ اسے پہنچ جائے اور تم یونہی رہ جاؤ۔"
"بات کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی ہے۔" عمران نے آہستہ سے کہا اور پھر سوچتا ہوا سر ہلانے لگا۔
"آ رہی ہے۔ تو اسے تم اس محنت کے نتیجے سے کیا اب بھی اس کا نام اور حلیہ نہ بتاؤ گے۔ بتاؤ تاکہ میں بروقت اس کا انتظام کر سکوں۔"
"مر جاؤں گا۔" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ آدمی مجھے الو بنا رہا ہے۔"
"قطعی الو بنا رہا ہے دوست! اور تم اس کی راہ صاف کرنے کے لیے فلیش لائٹ بن سکتے ہو۔"
"اسے میں ابھی ختم کر دوں گا۔" عمران مٹھیاں بھینچ کر بولا۔
"یوں نہیں۔" والٹن اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ "جس طرح وہ تمہارا ہے اسی طرح تم بھی اسے کرتے رہو۔ خواہ مخواہ ہنگامہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"
"اچھا پھر بتاؤ میں کیا کروں؟"
"اس کا حلیہ ہی بتا دو۔ اگر نام معلوم نہیں۔"
عمران اس انداز میں سوچنے لگا جیسے اس کا حلیہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے بڑے اطمینان سے گورنر کا حلیہ بتا دیا۔
"واہ!" والٹن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں... وہ ہکلایا۔ "تت

"تو... کیا... وہ معزز شخص تم سے ملتا ہے؟"
"ہاں کہیں نہ کہیں مل جاتا ہے۔ ورنہ رات کو میرے کمرے میں آ جاتا ہے۔"
"تو تم اسے اب تک کی رپورٹ دیتے رہے ہو۔"
"ہاں پھر کیا کرتا۔ مگر اب اس سے نپٹ لوں گا۔"
"نہیں۔ نہیں۔ جلدبازی سے کام بگڑ جائے گا۔ تم ابھی اسی طرح اس سے ملتے رہو۔"
"ارے ابھی تو کہہ رہے تھے۔"
"تم سمجھے نہیں۔ مطلب یہ کہ مناسب موقع پر ہم اس سے نپٹ لیں گے۔ ابھی تک یونہی چلنے دو۔"
"تمہاری مرضی۔" عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی لیکن پھر یک بیک مغموم نظر آنے لگا۔
"کیوں دوست کیا بات ہے؟"
"مر ا بھائی۔" عمران کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

کیا آپ جانتے ہیں

- جرمنی کا سب سے بڑا شہر برلن ہے۔
- ہمبرگ۔ مغربی جرمنی کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔
- ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا سب سے بڑا شہر نیویارک ہے۔
- کینیڈا رقبے کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔
- کینیڈا کا سب سے بڑا شہر "مانٹریال" ہے۔
- پولینڈ کا دارالحکومت "وارسا" ہے۔

"دوسرے مریض کو لاؤ نرس!"

"اوہ بالکل پرواہ نہ کرو۔" وہ بے تکلفی سے اُس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں ذمہ لیتا ہوں کہ اسے ضمانت پر رہا کرا لاؤں گا۔"

"میرے پیارے بھائی!" عمران بڑی گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دبا کر رہ گیا۔

"مجھے اپنا دوست سمجھو۔ اس پر مجھے افسوس ہے کہ میں نے خواہ مخواہ تم پر پستول نکال لیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ لزی کی حفاظت کے لیے ہر وقت مسلح رہنا پڑتا ہے۔ ایک بار کوئی اسے زبردستی اغوا کر لے جانے کی کوشش کر چکا ہے۔"

"مار ڈالوں گا۔" یک بیک عمران اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "ہر ایسے آدمی کو مار ڈالوں گا جو اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے گا... زبردستی... اغوا.... زبردستی اغوا۔"

بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے عمران پر دورہ پڑ گیا ہو۔

"ارے ارے۔" والٹن بوکھلا کر اس کی طرف جھپٹا لیکن عمران بدستور دیوانوں کے سے انداز میں "زبردستی اغوا" کی تکرار کرتا رہا۔ دانتوں پر دانت بڑی سختی سے جمے ہوئے تھے۔ انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں حلقوں سے نکلی پڑ رہی تھیں اور اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ والٹن نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا لیکن اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

"ارے ہو... ارے سنو... سنو تو سہی۔"

"زبردستی اغوا... زبردستی اغوا... زبردستی اغوا۔" آہستہ آہستہ اس کی آواز کا جوش و خروش کم ہوتا جا رہا تھا اور آنکھیں بھی سکڑتی جا رہی تھیں۔ پھر والٹن کو اسے اپنے بازوؤں پر سنبھالنا پڑا کیونکہ اس کی دانست میں عمران بے ہوش ہو گیا تھا۔ وہ چند لمحے اسے اسی طرح سنبھالے کھڑا رہا پھر بہ آہستگی فرش پر لٹا دیا۔

تھوڑی دیر بعد عمران دُور ہوتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ والٹن کمرے سے جا چکا تھا لیکن دروازہ مقفل کرنے کی آواز عمران نے نہیں سنی تھی۔ وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے فرش پر لیٹا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے پھر قدموں کی آواز سنی لیکن آنکھیں نہیں کھولیں۔ البتہ اندازہ کر لیا کہ آنے والے دو ہی ہو سکتے ہیں۔

"یہ آدمی میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا۔" عمران نے لزی کی آواز سنی۔

"کیا یہ ایک شاندار ایڈونچر نہیں ہو گا کہ تم ایک نیم دیوانے اور احمق کی محبوبہ بنو۔" یہ والٹن کی آواز تھی۔ لزی کی کھنکتی ہوئی ہنسی سے کمرہ گونج اُٹھا۔ "جانتی ہو اس نے کس کا حلیہ بتایا ہے۔" والٹن نے کہا۔

"کس کا...؟"

"گروبر کا۔"

"مگر کیوں؟ اگر اسے ٹکرانا ہی ہے تو ٹکرا جائے۔ اس سے کیا فائدہ پہنچے گا۔" لزی نے کہا۔

"گروبر کو ہم نے اس لیے راستے سے ہٹانا چاہا تھا کہ وہ نقاب پوش کے چکر میں پڑ گیا تھا اور اسے بے نقاب کر دینے کی فکر میں تھا۔ اس کی یہ خواہش اب اور شدت سے بھڑک اُٹھی ہو گی لہٰذا خود سامنے آنے کی بجائے اس نے اس احمق کو استعمال کرنا مناسب سمجھا۔ بہرحال لزی ہوشیار رہو۔ وہ ہم پر تباہی بھی لا سکتا ہے۔"

"تم نے مجھے آج تک یہ نہ بتایا کہ نقاب پوش اس مسئلے کو کیسی نظر سے دیکھتا ہے۔"

"وہ قطعی بے تعلقی کا اظہار کر رہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ایک ہزار گروبر بھی اس تک نہ پہنچ سکیں گے اور یہ حقیقت بھی ہے۔ ہم میں سے کون اسے جانتا ہے۔ کون اس کے ٹھکانے سے واقف ہے۔ اگر آج ہم پر کوئی اُفتاد پڑ جائے تو اس کا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔ وہ ہر حال میں محفوظ رہے گا اور یہ حقیقت محض کہانی معلوم ہو گی کہ ہم کسی دوسرے کے لیے کام کرتے رہے ہیں۔"

"مگر آج تک ہم کسی خطرے سے دوچار نہیں ہوئے۔" لزی بولی۔

"وہ بے حد چالاک ہے لہٰذا ہمیں ہر موقع پر بچاتا رہتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو گروہ کب کا ٹوٹ چکا ہوتا۔"

"خیر ختم کرو۔" لزی نے کہا۔ "اب اسے کس طرح ہوش آئے گا۔"

"خود بخود۔" والٹن نے جواب دیا۔ "میں نہیں چاہتا کہ میرے کمرے میں اس کے لیے ڈاکٹر طلب کیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی اور عمران دل ہی دل میں مسکراتا رہا پھر اس نے والٹن کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔

"لزی تمہیں اس احمق کو بہت ہی احتیاط سے ہینڈل کرنا ہے۔ اگر گروبر ہاتھ آ گیا تو میں اسے تمہارا کارنامہ سمجھوں گا۔"

"آہا! ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" لزی بولی۔ "آخر یہ گروبر نقاب پوش کے چکر میں کیوں پڑ گیا تھا۔"

"ہم میں سے کون نہیں ہے اس کے چکر میں۔ صرف نیت کا فرق ہے۔ گروبر شاید اس فکر میں تھا کہ اس تک پہنچ کر اسے بلیک میل کرے۔ ہم تو محض اس لیے اسے جاننا چاہتے ہیں کہ وہ ہمارا چیف ہے۔"

"پتا نہیں کیوں۔ اوہ... دیکھو وہ ہوش میں آ رہا ہے۔"

عمران نے ایک جھرجھری سی لی تھی اور آنکھوں کے پپوٹے گردش میں آ گئے تھے۔ پھر یک بیک وہ حلق سے بلّی کی سی آواز نکالتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔

"اوہو۔ کیسی طبیعت ہے تمہاری۔" لزی اس کی طرف جھپٹی۔

"ارے باپ رے۔" عمران بوکھلا کر ایک طرف کھسک گیا اور

لزی بے ساختہ ہنس پڑی۔ والٹن بھی مسکرا رہا تھا۔

اب عمران پر والٹن کی حیثیت واضح ہو گئی تھی۔ قیاس تو پہلے بھی یہی تھا لیکن محض قیاسات کی بنا پر نہ کوئی نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے اور نہ لائحہ عمل ہی متعین کی جا سکتی ہے۔ اب اس کا یقین ہو جانے پر کہ والٹن محض آلۂ کار ہے، اس مسئلے پر باقاعدہ طور پر سوچنا شروع کر دیا تھا۔

لزی اس سے بہت قریب آ گئی تھی اور ہر وقت اس آدمی کی تاک میں رہتی تھی جس کے اکسانے پر عمران نے اس کی اور والٹن کی نگرانی شروع کی تھی لیکن ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں اسے مایوسی ہی ہوئی تھی۔ بھلا گروبر تھا ہی کہاں کہ ان کے درمیان آن ٹپکتا۔

لزی اور والٹن کو جھانسا دینے کے بعد عمران نے چوہان اور خاور کو ہدایت کی تھی کہ وہ سردار گڑھ سے واپس چلے جائیں۔ اب ان کی جگہ لیفٹیننٹ صدیقی اور سارجنٹ نعمانی کو لینی تھی۔

وہ دونوں بھی تیسرے ہی دن وہاں پہنچ گئے۔ ان دونوں نے وانگاہی میں قیام کیا تھا اور ہر وقت عمران پر نظر رکھتے تھے لیکن عمران نے ابھی تک کوئی کام ان کے سپرد نہیں کیا تھا۔

فی الحال اس نے یہ اسکیم ترک کر دی تھی کہ پہلی سنڈم ایڈوکیٹ تک پہنچ کر گروبر کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ اس کے لیے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہ ہوتا کہ وہ اس سے مل کر صفدر کی ضمانت پر رہائی کے متعلق مشورہ کرتا۔ اسکیم یہی تھی لیکن اب تفتیش کا رُخ بدل گیا تھا۔ اب اسے گروبر کی چنداں فکر نہ تھی۔ پہلے اسے گروبر کی تلاش تھی۔ اس لیے کہ گروہ والوں سے اس کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں وہ اپنے بچاؤ کے لیے سرکاری گواہ تک بن سکتا تھا۔

مگر اب ایسے حالات میں جب کہ والٹن اور لزی خود ہی اس کے پھندے میں آ پھنسے تھے تو وہ گروبر کے سلسلے میں دردِسری کیوں مول لیتا۔ اب تو یہی دونوں اصل مجرم تک پہنچنے میں نادانستہ طور پر اس کے معاون و مددگار بن سکتے تھے۔

کیپٹن فیاض ابھی تک سردار گڑھ ہی میں مقیم تھا اور خلافِ توقع اس بار اس نے بڑے صبر سے کام لیا تھا۔ نہ تو اس نے ابھی تک عمران سے ملنے کی کوشش کی تھی اور نہ فون پر ہی اسے بور کیا تھا۔ عمران خود ہی اس سے ملا مگر اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب اس کا تعاقب نہیں کیا جاتا۔ یہ ملاقات سردار گڑھ کے ایک پبلک پارک میں ہوئی۔

"بھئی اب تو میں اکتا گیا ہوں۔" کیپٹن فیاض نے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"وہ مریض بھی ختم ہو گیا جس سے کچھ معلوم ہونے کی توقع تھی۔"

"اوہ! وہ آدمی جو ہسپتال میں تھا؟"

"ہاں! وہی۔"

عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس سے پوچھا۔

"موت کے اسباب کیا تھے؟"

"ہارٹ فیلور۔"

"پوسٹ مارٹم ہوا ہے؟"

"ہاں.....!"

"یار فیاض! میرا دل چاہتا ہے کہ اب میں حقے کا تمباکو بنا کر بیچوں.....!"

"بہکنے لگے۔"

"پھر بتاؤ میں کیا کروں۔ اتنے دنوں سے تو جھک مار رہا ہوں۔ تم نے بھی کچھ نہیں کیا۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔" فیاض جھلایا۔

"ارے تو بتاؤ نا کون سے فقرہ مارے ہیں۔ فقرہ... نہیں۔ تیر نہیں، وہ کیا کہتے ہیں جو کمان پر رکھ کر کھینچا جاتا ہے۔ ارے لاحول ولاقوۃ کمان بھی شاید غلط کہہ رہا ہوں ارے ہاں کمان کمان... تیر... تیر کہنے کا مطلب یہ کہ تم نے کون سے تیر مارے ہیں۔"

"بکواس کر چکے۔"

"چلو کر چکا۔"

"سردار گڑھ میں اکثر بڑی حیرت انگیز وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔" کیپٹن فیاض نے جیب سے سگریٹ کیس نکالتے ہوئے کہا۔ "مثلاً بعض اوقات یہاں سانپ بکثرت پیدا ہو جاتے ہیں۔"

"بڑی شان والا ہے نیلی چھتری کا باسی۔" عمران صوفیانہ انداز میں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔

فیاض اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتا رہا۔ "آئے دن لاشیں ملتی ہیں اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سانپ کے زہر کی کہانی سناتی ہے۔"

"سانپ کے دانتوں کے نشانات بھی مرنے والوں کے جسموں پر ضرور ملے ہوں گے۔" عمران نے پوچھا۔

"یقیناً ملتے رہتے ہیں۔"

"ویسے بھی سانپوں اور گینڈوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" عمران مسکرایا۔

"اس فرق کو میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔" فیاض چڑ کر بولا۔

"تم نے ابھی تک کوئی کام کی بات نہیں کی سوپر فیاض۔" دفعتاً عمران سنجیدگی اختیار کرتا ہوا بولا۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ گینڈوں کے شکار ہونے والوں کے متعلق معلومات فراہم کرو۔"

"اسی سلسلے میں گفتگو کروں گا۔" فیاض نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔ عمران منتظر رہا۔ فیاض جب کافی مقدار میں دھواں پھیپھڑوں سے خارج کر چکا تو بھرائی ہوئی آواز میں آہستہ سے بولا۔ "میں جب ان لوگوں کے متعلق چھان بین کر رہا تھا، اسی دوران مجھے ان لوگوں کے متعلق معلوم ہوا جو

اس دوران میں سانپوں کے شکار ہوئے تھے۔ اور ہوا آنکھیں نہ نکالو... میں دراصل انہی لوگوں کے متعلق بتاؤں گا جو گیندوں کے شکار ہوئے تھے۔"

"یار بتاؤ بھی جلدی میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"یہ سب پولیس کی بلیک لسٹ پر تھے۔"

"یعنی...؟"

"پولیس کو ان پر شبہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی غیر قانونی حرکت کے مرتکب ہوا کرتے ہیں۔"

"اور اس کے باوجود بھی یہاں کی پولیس قاتلوں کا پتا نہیں لگا سکی۔"

"ہاں تو فیاض نے ایک طویل سانس لی۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ "پولیس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ مرنے والے ایک دوسرے سے کسی قسم کا تعلق رکھتے تھے یا نہیں۔"

"پھر کیا نتیجہ نکلا...؟"

"کچھ بھی نہیں۔" فیاض سر ہلا کر بولا۔ "ان کا آپس میں تعلق ثابت نہیں ہو سکا۔ اسی طرح سانپوں کے شکار ہونے والوں میں کئی سزا یافتہ بھی تھے لیکن ان کا بھی آپس میں تعلق نہیں ظاہر ہو سکا تھا۔"

"ارے پھر وہی سانپ۔"

"پوری بات تو سنو۔" فیاض جھلا کر بولا۔

"میں نے آج تک کسی کی آدھی بات نہیں سنی۔ تم پوری لیے پھرتے ہو۔ خیر یہ بتاؤ کہ پولیس کو کس غیر قانونی حرکت کا شبہ تھا ان پر؟"

"ان میں کچھ ایسے تھے جن کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہ اسمگلر ہیں۔"

"لیکن یہ ثابت نہیں ہو سکا تھا؟" عمران نے پوچھا۔

"نہیں...!"

"اچھی بات ہے۔" عمران نے طویل سانس لی۔ "تمہارا کیا نظریہ ہے؟"

"میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ گیندوں اور سانپوں والے حادثات کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔"

"ارے چلو سانپ بھی ہضم کروں گا تمہارے لیے، مگر فی الحال یہاں سانپ زیر بحث نہیں ہیں۔"

"پھر تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"وہی ٹھرے اور بکھرے میں کیا فرق ہے؟"

"میں بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں، بہت وقت برباد ہو چکا ہے۔" فیاض جھلا گیا۔

"اچھا تو میں تمہیں صرف پانچ گھنٹے دیتا ہوں ایک آدمی کے متعلق معلومات فراہم کرو۔"

"نام اور پتہ بتاؤ۔" فیاض نے بیزاری سے کہا۔ "بہت وقت برباد ہو رہا ہے میری بڑی بدنامی ہو رہی ہے۔"

"اس لیے کہہ رہا تھا کہ ابھی کنوارے ہو سر منڈا کر نہ نکلا کرو، تم پر۔"

"اچھا تو میں چلا۔" فیاض جھٹکے کے ساتھ اٹھتا ہوا بولا۔

"ارے ٹھہرو۔ نام اور پتہ تو لکھتے جاؤ۔ اس کا نام پی سندرم ہے پیشہ وکالت۔" دفعتاً عمران نے محسوس کیا کہ فیاض متحیر نظر آنے لگا ہے۔ اس نے کہا۔ "وہ لال باغ کے ساتویں بنگلے میں رہتا ہے۔"

"تم اس کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟" فیاض کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"تم اس کے متعلق کیا معلوم کر چکے ہو۔" عمران نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ۔ تو تم کافی حد تک آگے جا چکے ہو۔" فیاض نے ٹھنڈی سانس لی لیکن اس کے لہجے میں مسرت تھی۔

"اب تم دیر کر رہے ہو۔" عمران نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں اس سے مل چکا ہوں۔" فیاض بولا۔ "اس نے ابھی حال ہی میں رپورٹ درج کرائی ہے اسے چند نامعلوم آدمیوں کی طرف سے خدشہ ہے کہ وہ اسے مار ڈالیں گے۔"

"گیندوں والے حادثات شروع ہونے سے پہلے یا بعد کو؟" عمران نے پوچھا۔

"وہ قتل ہو چکے تھے۔" فیاض نے جواب دیا۔ "اس کا بیان ہے کہ اسے دھمکیوں والے خطوط مل رہے ہیں لیکن وہ خود ان خطوط کے لکھنے والوں سے ناواقف ہے۔"

"تم نے خطوط دیکھے ہیں؟" عمران نے پوچھا۔

"ہاں اور وہ کسی ایک آدمی کے لکھے ہوئے نہیں معلوم ہوتے انداز تحریر میں فرق ہے اور دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ اس زمانے میں بھی اس نے ایسی ہی ایک رپورٹ درج کرائی تھی جب کہ مار گزیدہ لوگوں کی لاشیں مل رہی تھیں۔"

"اوہ! فیاض تم آج کل بہت اچھے جا رہے ہو۔ کیا سپرنٹنڈنٹ سے انسپکٹر بننے کا ارادہ ہے۔" فیاض کچھ نہ بولا تھوڑی دیر بعد عمران نے کہا۔ "اچھا سوپر فیاض۔ اب میں تو چلا لیکن تم سندرم سے دور ہی دور رہنا۔ اب اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں...؟"

"کھیل خراب ہو جائے گا۔"

"تم اسے کس سلسلے میں چیک کر رہے ہو؟" فیاض نے پوچھا۔

"بس دیکھتے جاؤ... دراصل صفدر کی ضمانت کے لیے ایک آدمی گیری والٹن کوشش کر رہا ہے۔"

"وگڈ۔ ضمانت ہو جانی چاہیے۔"

فیاض نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہو گیا۔ غالباً وہ عمران کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

پھر یہ ملاقات ختم ہو گئی۔ عمران سوچ میں کھویا ہوا آہستہ آہستہ

قدم اٹھاتا پارک سے باہر نکل رہا تھا۔ ایک باغیچہ گرد بد ایک بار پھر ذہن میں ابھر آیا۔ گرد ان لوگوں میں سے تھا جو بظاہر گیندوں والے حادثات کے ذمہ دار تھے۔ وہ کسی بنا پر گرد سے ناخوش ہو گئے اور انہوں نے اسے ٹھکانے لگا دینا چاہا۔ مگر گرد بر خود اپنی حکمت عملی سے بچ گیا اور پھر گرد بد نے جو اندھیرے میں اس کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا اپنی قیام گاہ کی حیثیت سے پی سندرم کے بنگلے کا پتہ بتایا تھا لیکن اسی رات بنگلے کی کمپاؤنڈ میں نظر آنے کے بعد سے پھر وہاں نہیں ملا تھا۔ بعد کی تفتیش سے معلوم ہوا کہ پی سندرم کے پڑوسیوں نے کبھی کبھی وہاں کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا تھا جس کا حلیہ گرد بد سے مطابقت رکھتا ہو۔ دوسری طرف پی سندرم نے رپورٹ درج کرائی تھی کہ کچھ نامعلوم آدمی اسے جان سے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ فیاض کے بیان کے مطابق نہ تو اس نے کسی جان پہچان والے پر شبہ ظاہر کیا تھا اور نہ ہی اپنے کسی دشمن کا نام لیا تھا۔ یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ آخر کوئی اسے دھمکیاں دے ہی کیوں رہا تھا۔

پھر فیاض کے بیان کے مطابق گیند کے سلسلے میں قتل ہونے والے پولیس کی بلیک لسٹ پر تھے۔ اس سے قبل کچھ لوگ سانپوں کے شکار ہوئے تھے اور وہ بھی ایسے ہی لوگ تھے جن پر پولیس نظر رکھتی تھی۔ اس دوران میں بھی پی سندرم نے رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ خطرے میں ہے۔ اس وقت بھی اس نے کچھ خطوط پیش کیے تھے جن میں مار ڈالنے کی دھمکیاں تھیں۔ عمران سوچتا رہا لیکن کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ آخر گرد بد نے اسے پی سندرم کا پتہ کیوں بتایا تھا؟ اگر انہیں لوگوں کی طرف سے پی سندرم کو دھمکیاں ملی تھیں تو ایسی صورت میں جب کہ وہ لوگ خود گرد بد کے دشمن ہو گئے تھے۔ گرد بد کو پی سندرم کا نام بھی نہ لینا چاہیے تھا۔ اس کے برعکس وہ والٹن کو آسانی سے پھانس سکتا تھا مگر کیا پی سندرم کا نام اس لیے لیا گیا تھا کہ وہ بھی کسی معاملے میں ملوث کر لیا جائے؟ یا پھر اس کا مقصد یہ تھا کہ پولیس پی سندرم کے ذریعے مجرموں تک پہنچ جائے اور گرد بد خود کو اس معاملے سے الگ ہی رکھے۔ دوسری طرف گرد بد کے ساتھی اس بری طرح گرد بد کے پیچھے پڑے تھے کہ عمران نے انہیں باسانی الو بنا لیا تھا اور وہ اس کی حماقت آمیز شخصیت پر اعتماد کرنے لگے تھے؟ یہ سب کیا تھا۔

عمران کو فوری طور پر اس سوال کا جواب نہ مل سکا۔ بہرحال اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ صدیقی کو والٹن اور لزی کی نگرانی کے لیے اٹلانٹک ہوٹل میں ہی رکھے اور نعمانی کو پی سندرم کے پیچھے لگا دے۔

رات خاصی خوشگوار تھی اور چونکہ یہ سنیچر کی رات تھی۔ اس لیے اٹلانٹک کا ہال کافی آباد تھا اور اسٹیج پر ایک رقاصہ رقص کر رہی تھی۔ عمران نے چاروں طرف نظر دوڑائی کوئی میز خالی نہ تھی۔ مگر لزی ایک میز پر تنہا تھی۔

عمران کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ لزی سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہی تھی اور اس کے سامنے پیپر شیری کی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے عمران کی طرف دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ "ہب... ہیلو... ہیلو۔" اس نے کہا۔ "تم کہاں تھے... ڈیئر تمہارے لیے کتنی بے چین تھی ڈیئر۔ ذرا شراب انڈیلو تمہاری عدم موجودگی میں سرور نہیں ہوتا۔"

عمران بڑے سعادت مندانہ انداز میں اس کے لیے شراب انڈیلنے لگا اور وہ بڑبڑاتی رہی۔ "جب سے میں نے تمہیں دیکھا ہے... نہ جانے کیوں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں تمہارے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی۔"

عمران نے گلاس اس کے آگے کھسکا دیا اور وہ بولی۔ "مگر پیارے یہ بہت بری بات ہے کہ تم شراب نہیں پیتے۔"

"میرے ڈیڈی کہتے ہیں کہ شادی سے پہلے شراب نہ پینی چاہیے۔" عمران نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

"تمہارے ڈیڈی نا سمجھ نہیں۔ تمہیں ڈیڈی کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔"

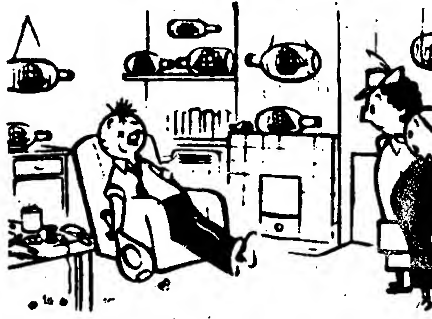
"کروں گا... شش... شادی کے بعد۔" عمران نے کہا اور پھر جھینپ کر سر جھکا لیا اور اس کے کانوں کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں۔

"ہے... ہے کتنے پیارے ہو تم۔" وہ اس کا ہاتھ دبا کر مسکرائی اور عمران اس طرح کانپنے لگا جیسے سردی لگ کر بخار چڑھ آیا ہو۔ لزی ہنس پڑی اور اس نے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا۔ "ہم دونوں

دو گپی گپ ہانک رہے تھے۔ ایک بولا: "میرے چچا کو ایک حادثہ پیش آیا۔ جس سے ان کا بہت سا خون ضائع ہو گیا۔ انھیں شیر کا خون دیا گیا۔ جب ان کو ہوش آیا تو انہوں نے ایک نرس کو پھاڑ کھایا۔"

دوسرا بولا: "ہاں یاد آیا اسی طرح میرے ماموں کو بھی حادثہ پیش آیا تو ان کو ہاتھی کا خون دیا گیا اور انہوں نے دوڑ کر ڈاکٹروں کو اپنی سونڈ پر اٹھا کر پٹخ دیا۔"

مرسلہ: شہناز حنفی



کی زندگی بڑی خوش گوار گزرے گی۔ مگر دیکھو اب تم مجھے اطلاع دیئے بغیر کہیں نہ جایا کرو۔ میں پریشان ہو جاتی ہوں۔"

"ارے بس کیا بتاؤں۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "زیادہ دُور جانے کا ارادہ نہیں تو... مگر وہ مل گیا۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں ایک خط دے رہا ہوں۔ تم اسے مسٹر بندرم کے پاس لے جاؤ۔ وہ تمہارے بھائی کی ضمانت کرا دیں گے۔ وکیل ہیں۔"

لزی نے گلاس ہاتھ سے رکھ دیا اور پلکیں جھپکاتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "کون مل گیا تھا۔" اس نے پوچھا۔

"ارے وہی۔" عمران نے لاپروائی سے کہا۔ "جس نے مجھے تم لوگوں کے پیچھے لگایا تھا اور وہ لال باغ کے ساتویں بنگلے میں وہ جو ایک وکیل رہتا ہے نا... کیا نام ہے... مسٹر بندرم... یا ڈنڈرم... نام ٹھیک سے یاد نہیں۔"

"اوہ... تو اس نے تمہیں وہاں بھیجا تھا۔" لزی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔ کیا کرتا، جانا ہی پڑا۔ میں اپنے بھائی کے لیے جان بھی دے سکتا ہوں۔ یہ اس کی ضمانت کا معاملہ تھا۔"

"پھر تم نے اس وکیل سے کیا گفتگو کی۔"

"خط جو لفافے میں بند تھا لے جا کر اسے دے دیا۔ اس نے خط پڑھ کر میری بڑی آؤ بھگت کی۔ ایک بوتل کوکا کولا کی پلائی اور پھر سگریٹ پیش کی... مگر تم جانتی ہو کہ مجھے تمباکو بھی پسند نہیں ہے۔"

"میں پوچھتی ہوں اس سے گفتگو کیا ہوئی تھی۔"

"بس یہی کہ آج کل موسم بڑا اچھا جا رہا ہے۔ اس موسم میں اگر گوبھی کھائی جائے تو چقندر جیسے بچے پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر شکر قند..."

"اوہ!" لزی نے دانت پیس کر میز پر گھونسا رسید کیا۔ "میں پوچھتی ہوں بھائی کی ضمانت کے متعلق کیا گفتگو ہوئی تھی؟"

"ارے یہی تو اب میں سوچ رہا ہوں کہ اس کے متعلق کوئی گفتگو کیوں نہیں ہوئی تھی۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔" لزی جھلا گئی۔

"نہیں... بتاؤ آخر اس نے اس کے متعلق کوئی گفتگو کیوں نہیں کی تھی۔" عمران نے اس کے غصے کو نظر انداز کر دیا۔

لزی اسے گھورتی ہوئی اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ غصہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ عمران بے تعلقانہ انداز میں ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ شاید وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اسے بات کرتے کرتے بھول جانے کی عادت ہے۔

"ارے... ادھر دیکھو۔" لزی نے اسے مخاطب کیا۔ "تم نے اس سے کیا باتیں کی تھیں؟"

"میں نے اس سے کہا تھا کہ میں سمندر میں بھی گھوڑا دوڑا سکتا ہوں۔ اس پر وہ خوب ہنسا تھا۔ پھر تمہارا تذکرہ چھڑ گیا تھا... ارے اف فوہ اب یاد آیا۔" عمران خاموش ہو کر پیچ و تاب کھانے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ایسی بات یاد آ گئی ہو جس پر اسے غصہ آنا چاہیے تھا۔

"کیا یاد آیا۔"

"ارے اس اُلّو کے پٹھے نے کہا تھا کہ میں تم سے ہوشیار رہوں۔ تم دراصل ایک ایسے آدمی سے محبت کرتی ہو جو اپنے چہرے پر سیاہ نقاب ڈالے رہتا ہے۔ مجھے اس پر غصہ آ گیا اور میں نے اسے بُرا بھلا کہا۔ بس پھر میں بھول ہی گیا کہ میں اس کے پاس کس لیے گیا تھا۔"

لزی کے ہونٹ خفیف سے کھل گئے تھے اور چمک دار دانتوں کی قطار کا کچھ حصہ بڑے دل کش انداز میں جھانکنے لگا تھا۔ آنکھوں سے تحیر ظاہر ہو رہا تھا۔ متر شح تھی۔

"میں اسے مار ڈالوں گا۔" عمران نے کہا۔ "بس تم اتنا کہہ دو کہ اس نے جھوٹ کہا تھا۔"

"میں اسے جانتی ہی نہیں۔ پتا نہیں وہ کون ہے اور اس نے کیوں ایسی لغو بات کہی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"پتا نہیں تم کن اُلٹے سیدھے آدمیوں سے ملتے پھرتے ہو۔" لزی نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "میں کہتی ہوں کہ یہ لوگ میرے اور تمہارے تعلقات خراب کرا دیں گے۔"

"ارے واہ۔ مرگنڈے کرانے والے... میں گدھا تو نہیں ہوں کہ ان کی باتوں میں آ جاؤں گا۔"

"اوہو! ٹھہرو، میں ابھی آئی۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ لگیں گے۔ میری ایک دوست آنے والی تھی۔ ذرا دیکھ لوں وہ پارک میں تو نہیں ہے۔ تم یہیں بیٹھنا اگر کہیں گئے تو میں خفا ہو جاؤں گی۔ آں..."

وہ عمران کا دایاں گال سہلاتی ہوئی اُٹھ گئی۔

عمران نے آنکھوں کی جنبش سے سارجنٹ نعمانی کو اشارہ کیا جو ہال کے ایک گوشے میں بیٹھا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لزی دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی۔ نعمانی بھی اُٹھا اور وہ بھی اس کے بعد ہی باہر چلا گیا۔

پھر عمران کو تقریباً بیس منٹ تک بیٹھنا پڑا۔ اس کے بعد لزی واپس آ گئی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میری دوست نہیں آئی لیکن اس کا ملازم پیغام لایا ہے کہ میں خود اس کی کوٹھی میں پہنچ جاؤں۔ وہاں خاصی تفریح رہے گی۔ کیوں کہ اس نے ایک پیشہ ور شعبدہ باز کو آج رات کے لیے انگیج کیا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ چلو... چلو گے نا؟"

"ضرور چلوں گا۔" عمران بچکانہ انداز میں خوش ہو کر بولا۔ "شعبدہ بازی... ہاہا... مجھے بڑا مزا آتا ہے بازی گری دیکھ کر۔ مگر ذرا لباس تبدیل کر لوں اس وقت ٹھنڈک کچھ بڑھ گئی ہے۔"

"جلدی کرو۔ میں بھی لباس تبدیل کرنے جا رہی ہوں۔" لزی نے کہا اور عمران اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ پھر وہ قفل کھولنے کے لیے جھکا ہی تھا کہ نعمانی آ گیا۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ عمران نے دروازہ بند کیا۔

"وہ آپ کو کہیں لے جائے گی۔" نعمانی نے آہستہ سے کہا۔ "اس نے باہر ٹیلی فون بوتھ میں کسی سے آپ کے متعلق گفتگو کی تھی اور پھر شاید دوسری طرف سے کہا گیا تھا کہ وہ آپ کو کہیں لے جائے۔"

"اس نے میرے متعلق یہ گفتگو کی تھی؟"

"یہی کہ گرو بر آپ کو ملا تھا اور ایک خط دے کر سندرم نامی کسی آدمی کے پاس بھیجا تھا۔" نعمانی نے کہا اور قریب قریب وہی کچھ دُہرا دیا جو عمران نے لزی سے کہا تھا۔

"اچھی بات ہے تو میں جاؤں گا اس کے ساتھ... اور تم دونوں نظر رکھنا لیکن اسے تعاقب کا احساس نہ ہونے پائے۔ یعنی اگر ہم کسی ایسے ویران راستے پر جا رہے ہوں جہاں ٹریفک نہ ہو تو تم قطعی تعاقب نہ کرنا کیوں کہ میں ان کے ہوشیار ہو جانے کا خطرہ نہیں مول لے سکتا۔"

"لیکن اگر آپ تنہا کسی مصیبت میں پڑ گئے تو...؟"

"اس کی پروا نہ کرو۔"

نعمانی سر ہلا کر رہ گیا۔

لزی اور والٹن طویل راہداری میں کھڑے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ "میرا خیال ہے کہ اس طرح چیف گرو بر کو شکار کرنا چاہتا ہے۔" والٹن نے کہا۔

"کیسے...؟"

"مجھے یقین ہے کہ گرو بر اس احمق پر ہر وقت نظر رکھتا ہوگا۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارا تعاقب کرے۔"

"ممکن ہے۔" لزی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "چلو اب ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔" وہ ڈائننگ ہال میں آئے اور یہاں عمران کو اپنا منتظر پایا۔

"چچ... چلو..." عمران نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اتنی دیر کر دی تم لوگوں نے اگر وہ دو چار شعبدے دکھا چکا ہوگا تو مجھے بڑا افسوس ہوگا۔"

باہر آ کر والٹن نے آہستہ سے لزی سے کہا۔ "اوہ... وہ دیکھو۔ وہ گاڑی آ گئی ہے جس کی باڈی ساؤنڈ پروف ہے۔ غالباً ہمیں اسے ساؤنڈ پروف حصے میں ہی بٹھانا ہوگا۔ یہ گاڑی بھیجنے کا تو یہی مقصد ہو سکتا ہے۔"

عمران ان سے کچھ فاصلے پر تھا اس لیے شاید وہ ان کی کوئی گفتگو نہیں سن سکا تھا۔ بہر حال وہ سیاہ رنگ کی ایک بڑی سی وین کے قریب پہنچ کر رُک گئے۔

والٹن نے اس کا پچھلا حصہ کھولا۔ اندر روشنی تھی اور وہ ایک چھوٹا سا آرام دہ کمرہ معلوم ہو رہا تھا۔ لزی نے عمران سے کہا کہ وہ اندر بیٹھ جائے خود وہ آگے والٹن کے ساتھ بیٹھے گی۔ عمران بے چوں و چرا اندر بیٹھ گیا۔ والٹن نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ دونوں اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے پاس آ بیٹھے۔ وین چل پڑی لیکن وہ دونوں خاموش تھے۔ شاید ڈرائیور کی موجودگی میں کسی قسم کی گفتگو نہیں کرنا چاہتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک ویران راستے پر مُڑ گئی۔ چونکہ وہ چڑھائی پر تھی اس لیے رفتار دھیمی ہو گئی تھی۔ سڑک کے دونوں جانب اونچی اونچی چٹانیں تھیں۔ جب کسی موڑ پر یک بیک ان پر گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی پڑتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ اونگھتے اونگھتے چونک پڑے ہوں۔

کچھ دیر بعد گاڑی لکڑی کے چھوٹے سے مکان کے سامنے رُک گئی۔ یہاں بھی گہرا اندھیرا تھا البتہ مکان کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں میں مدھم سی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ والٹن اور لزی بڑے اطمینان سے نیچے اترے اور کچھ دیر تک ان میں سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ پھر والٹن نے گاڑی کی پشت پر آ کر دروازہ کھولا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی... کیوں کہ گاڑی خالی تھی اور عمران کا پتا نہ تھا۔ لزی بھی آ گئی اور وہ بھی والٹن ہی کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گاڑی کے اندر دیکھنے لگی۔ دفعتاً لکڑی کے مکان سے کسی کی غرّاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیوں کیا ہو رہا ہے؟"

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مضبوطی سے ہونٹ بند کیے ہوئے بے حس و حرکت کھڑے رہے۔

ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ مکان کا دروازہ کھلا اور قدموں کی آواز آئی جو اُن سے قریب ہوتی گئی اور پھر آنے والا ان کے پاس پہنچ کر رُک گیا۔

"کیا بات ہے؟" آنے والے نے پوچھا۔

"وہ تو... نن... نہیں ہے... جناب۔" لزی ہکلائی۔

"کون نہیں ہے؟"

"وہی احمق آدمی، جسے ہم لائے تھے۔"

"والٹن۔" آنے والا غرّایا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"میں کیا بتاؤں چیف، خود میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا۔ میں نے خود ہی اسے اندر بٹھایا تھا اور اس کے متعلق یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ راستے ہی میں کہیں اتر جائے گا۔ ایک جگہ بھی تو گاڑی نہیں روکی گئی تھی۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارا تعاقب نہ کیا گیا ہوگا؟"

"مجھے یقین ہے چیف، کیوں کہ میں اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ محتاط رہا تھا۔"

"خیر اندر آؤ۔" آنے والا مکان کی طرف مُڑتا ہوا بولا۔ "اگر وہ چڑھائی شروع ہونے کے بعد اترا ہے تو ذرا ہی سی دیر میں اسے یہاں آنا

پڑنے کا کیونکہ چڑھائی شروع ہونے کے بعد سے ہر موڑ پر پہرا کوئی نہ کوئی آدمی موجود رہتا ہے اور اس سے گزرنے والے اجنبیوں کو یقینی طور پر چیک کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی وقت ادھر سے گزریں۔" وہ لکڑی کے مکان میں داخل ہوئے ان کے پیچھے گاڑی کا ڈرائیور بھی تھا۔

مکان اندر سے بھی خستہ حال تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے اسے زیادہ استعمال نہیں کیا جاتا وہاں دو آدمی اور بھی موجود تھے۔

"کیوں۔۔الثی" نقاب پوش والٹن کی طرف مڑ کر غرایا۔" گرو بر پر تم نے کس کے حکم سے حملہ کیا تھا؟"

"اس کی نیت خراب تھی چیف! اس لیے میں نے سوچا۔۔۔"

"تم نے کچھ نہیں سوچا تم میں کچھ سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں۔"

والٹن نے سر جھکا لیا۔

"اب تو خاموش کیوں ہو گئے؟"

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ باز پرس کریں گے تو شاید۔۔۔"

"ہا ہا" نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔" کیوں والٹن میں اس وقت تمہیں ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح نہیں پڑھ سکتا کیا تم نے لزی کے لیے گرو بر کو قتل نہیں کرنا چاہا تھا۔ تم پسند نہیں کرتے تھے کہ لزی کو تمہارے علاوہ کوئی اور چاہے۔"

"ٹھہرو۔" دفعتاً دروازے کی طرف سے آواز آئی وہ چونک کر ادھر مڑے۔ دروازے کے سامنے ایک نقاب پوش کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس سے وہ ان سبھوں کو کور کر رہا تھا۔

"والٹن" نئے آنے والے نقاب پوش نے کہا۔" لو دیکھو آخر اس وقت میں نے چور پکڑ ہی لیا۔ اگر مجھے ذرا سی دیر ہو جاتی تو یہ تمہیں قتل کر کے لزی کو زبردستی اٹھا لے جاتا۔"

وہ سب حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نو وارد نقاب پوش کو دیکھ رہے تھے کیوں کہ اس کی آواز اور دوسرے نقاب پوش کی آواز میں ذرہ برابر فرق نہیں تھا۔ لہجہ تک یکساں تھا۔

"تم کون ہو۔" پہلے نقاب پوش نے گرج کر پوچھا۔

"میں وہ ہوں جس کی آواز اور لہجے کی تم نے نقل اتارنے کی کوشش کی ہے۔"

نئے آنے والے نقاب پوش نے کہا اور پھر والٹن سے بولا۔" والٹن اسے پکڑ کر رسی سے جکڑ دو۔ ارے کیا تم نے اسے ابھی تک نہیں پہچانا۔ یہ گرو بر ہے۔ میرے بھیس میں تمہاری گردن کاٹنے آیا ہے۔ ذرا اس کے چہرے سے نقاب نوچ ڈالو۔ حقیقت خود ہی منکشف ہو جائے گی۔ چلو میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن اپنی حماقت سے ہمارے جال میں آ گیا ہے۔۔۔ پکڑو۔"

والٹن پہلے نقاب پوش کی طرف بڑھا اور اس نے بھی ریوالور نکال لیا۔" پیچھے ہٹو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔" پہلا نقاب پوش دھاڑا۔

"تم سب ہٹ جاؤ۔" نئے آنے والے نقاب پوش نے ہنس کر کہا۔ "میں دیکھ لوں گا۔"

وہ سب ادھر ادھر ہٹ گئے۔ اب دونوں نقاب پوش ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ دفعتاً پہلے نقاب پوش کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور نیا آنے والا نقاب پوش اچھل کر دیوار سے جا لگا۔ اس کا بایاں ہاتھ سینے پر تھا اور داہنا ہاتھ نیچے جھول گیا تھا۔ وہ ہولے ہولے کراہنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تکلیف کی زیادتی کی وجہ سے حلق سے آواز ہی نہ نکل رہی ہو۔

پہلے نقاب پوش نے فاتحانہ انداز میں قہقہہ لگایا پھر بڑبڑاتا ہوا دوسرے نقاب پوش کی طرف بڑھا۔" دیکھ لیا تم نے یہ ہمارے دشمنوں میں سے کوئی ہے اب میں تمہیں اس کا چہرہ دکھاؤں گا۔" اس نے اپنا ریوالور جیب میں ڈال کر دونوں ہاتھ نو وارد نقاب پوش کے چہرے کی طرف بڑھائے جس کے متعلق یہی کہا جا سکتا تھا کہ اس کا دم اکھڑ رہا ہے کیونکہ اس کے بار بار سکڑتے اور پھیلتے ہوئے ہونٹوں سے گھٹی گھٹی سی سسکیاں منتشر ہو رہی تھیں۔۔۔

۔۔۔لیکن غیر متوقع طور پر۔۔۔۔ دوسرے نقاب پوش کی لات اس کے پیٹ پر پڑی اور ایک بے ساختہ قسم کی چیخ کے ساتھ دوسری طرف الٹ گیا۔ ساتھ ہی دوسرے نقاب پوش نے اس پر چھلانگ بھی لگائی اور اس پر اس طرح جا گرا جیسے کوئی باز کسی چھوٹے سے پرندے کو چھاپ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پہلا نقاب پوش اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔

"آؤ۔ والٹن۔۔۔ قریب آؤ۔۔۔ گرو بر کی شکل دیکھو۔ جو آواز بدل کر تمہیں دھوکہ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔" دوسرے نقاب پوش نے ہنس کر کہا۔ اس نے اپنی بائیں کلائی پہلے نقاب پوش کی گردن پر جما دی تھی اور داہنے ہاتھ سے اس کا نقاب نوچ رہا تھا۔

"گرو بر؟" بیک وقت سبھوں کی زبان سے نکلا۔

"میں تمہارا چیف ہوں۔۔ میں تمہارا چیف ہوں۔" گرو بر گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخ رہا تھا۔

"اس لیے ہم تمہاری بوٹیاں اڑا دیں گے۔" والٹن غرایا۔ پھر اس نے دوسرے نقاب پوش سے کہا۔" چیف اسے ہمارے حوالے کر دیجیے۔ ہم اس کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں گے۔"

"نہیں فی الحال اسے رسی سے جکڑ دو۔ اس سے بہت کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔ تم سمجھتے ہی ہو۔ اس کے بعد پھر یہ تمہارا ہے۔"

گرو بر دیوانوں کی طرح چیختا رہا لیکن اسے رسیوں سے جکڑ ہی دیا گیا۔ والٹن کہہ رہا تھا۔

"اُف۔۔۔ فوہ۔۔۔ چیف! یہ سؤر واقعی بڑا چالاک ہے۔ پہلے اس نے ایک بے وقوف آدمی کو ہمارے پیچھے لگایا اور اسے سکھا دیا کہ وہ کسی

دانستہ طور کو ہم پر ظاہر کر دے پھر اس کا حلیہ ہمیں بتائے کہ اسی نے اس کو ہمارے پیچھے لگایا تھا۔ مجھے گرو بر کی تلاش تھی۔ میں دھوکا کھا گیا۔ میں نے سوچا یہ احمق اچھا پھنسا ہے۔ اسی کے ذریعے گرو بر تک پہنچ جاؤں گا۔۔۔ لیکن تو اس وقت معلوم ہوا کہ اس احمق نے ہمیں اچھی طرح بے وقوف بنایا ہے۔ چونکہ ہمیں یہاں لا کر پھنسایا تھا۔ اس لیے خود راستے ہی سے غائب ہو گیا۔ مگر جناب تو کیا اس دوران میں یہ گرو بر ہی ہم سے فون پر گفتگو کرتا رہا تھا؟"

"قطعی۔" دوسرے نقاب پوش نے کہا۔" میں نے اسے اس کا موقع دیا تھا تاکہ یہ با آسانی میری گرفت میں آ سکے۔ یہ چونکہ میری آواز کی کامیاب نقل اتار سکتا تھا۔ اس لیے اس نے سوچا کہ مجھے ٹھکانے لگا کر خود میری جگہ لے۔ اور میں والٹن تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہاری ذہانت نے اس کے ناپاک ارادے تاڑ لیے تھے۔"

"یہ فراڈ ہے۔ یہ فراڈ ہے۔" گرو بر حلق پھاڑ پھاڑ کر چیختا رہا۔ مگر وہ لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔

"اچھا اب اسے لے چلو۔ شہر میں تمہیں اس کا نیا تماشہ دکھاؤں گا اور شاید آج تم میری شخصیت سے بھی واقف ہو جاؤ۔"

وہ اسی وین میں بیٹھ گئے جس میں والٹن اور لزی عمران کو لائے تھے۔ لزی، والٹن اور نقاب پوش اگلی نشست پر تھے۔ والٹن ڈرائیو کر رہا تھا بقیہ لوگ بقیہ ہی نقاب پوش سمیت پچھلے حصے میں تھے۔

ریلوے اسٹیشن کے قریب اس نے والٹن سے گاڑی روکنے کو کہا۔

"میں ذرا ٹیلی فون بوتھ سے ایک کال کروں گا۔ تم ٹھہرو۔" وہ گاڑی سے اتر کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

"پتا نہیں کیا ہونے والا ہے۔" لزی بڑبڑائی۔" میرا دل بہت الجھ رہا ہے۔"

"یہ چیف واقعی حیرت انگیز ہے۔" والٹن بولا۔ لزی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ تھوڑی دیر بعد نقاب پوش پھر واپس آ گیا لیکن اس کے باوجود بھی ان کی روانگی نہیں ہو سکی۔ نقاب پوش نے بتایا کہ اس نے جسے فون کیا تھا وہ یہیں آ رہا ہے۔ لہٰذا ان کا انتظار کرنا پڑے گا۔

والٹن اور لزی خاموش رہے۔ نقاب پوش نے کہا۔" کیوں والٹن! اگر تم لزی سے شادی کر لو تو کیا حرج ہے؟"

"حرج تو نہیں ہے جناب، مگر ایک میری خواہش سے کیا ہوتا ہے۔" وہ تھوڑی دیر تک اس مسئلے پر گفتگو کرتے رہے۔ نقاب پوش لزی کو سمجھاتا رہا کہ اسے والٹن سے شادی کر لینی چاہیے۔ لزی پہلے تو باقاعدہ طور پر بحث کرتی رہی۔ پھر پیچھا چھڑانے کے لیے بولی۔

"یہ مسئلے یوں سڑک ہی میں طے نہیں ہو سکتا۔ میں اس پر غور کروں گی۔۔۔ جناب۔۔ اور۔۔ چونکہ۔۔۔"

لیکن وہ اس سے آگے نہ کہہ سکی کیوں کہ اس نے اچانک وین کو مسلح پولیس کے نرغے میں دیکھا۔ رائفلیں ان کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔" ارے یہ کیا ہوا۔۔؟" والٹن کی زبان سے بے ساختہ نکلا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ جیب کی طرف جانے لگا۔

"نہیں" نقاب پوش نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔" تمہاری شادی لزی کے ساتھ ضرور ہوگی۔ مگر اسی صورت میں جب کہ تم دونوں وعدہ معاف گواہ بن جاؤ۔"

دفعتاً ایک آدمی گاڑی کے قریب آیا اور نقاب پوش والٹن سے بولا۔" ان سے ملو والٹن۔ یہ ہیں سینٹرل کے کیپٹن فیاض، معقول آدمی ہیں۔ تمہاری شادی میں حارج نہیں ہوں گے۔"

کیپٹن فیاض کے پیچھے کھڑے ہوئے انسپکٹر نے ہتھکڑیوں کا جوڑا والٹن کے ہاتھوں میں ڈال دیا پھر دوسری ہتھکڑیاں نقاب پوش کی طرف بڑھائیں۔

"نہیں۔" کیپٹن فیاض نے کہا۔" عورت کے ہاتھ میں لگاؤ۔"

"نہیں کیوں؟" والٹن غرایا۔" یہ ہمارا چیف ہے۔ ملک کا ایک بہت بڑا اسمگلر۔"

"تم دھوکا کھا گئے والٹن۔" نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔" میں پی سندرم اینڈ کیٹ ہوں۔"

"تب تو تم میرے چیف سے بھی بڑے اسمگلر ہو۔ اس سے زیادہ ذلیل ہو۔" والٹن کی آواز کانپ رہی تھی۔ تب نقاب پوش نے کیپٹن فیاض سے کہا۔" سن لیا تم نے اب نہ کہنا کہ مجھ سے حماقت سرزد ہوئی ہے۔"

"تم آخر ہو کون؟" لزی جھلائے ہوئے لہجے میں چیخی۔

"آہا۔ میں! میں وہی مظلوم احمق ہوں۔ جسے تم اور زیادہ احمق بنانا چاہتی تھیں۔" نقاب پوش نے چہرے سے نقاب ہٹا دی۔

لزی اور والٹن کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ وین کے پچھلے حصے میں دوسروں کے بھی ہتھکڑیاں لگ رہی تھیں۔ دفعتاً گرو بر کی آواز آئی۔" دیکھ لیا مردود تم نے اپنی حماقت کا نتیجہ۔۔۔ کتو تم اندھے ہو گئے تھے۔"

"والٹن ڈیئر" احمق نے ہنس کر کہا۔" گرو بر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ وہی حقیقتاً تمہارا چیف تھا اور تمہارے درمیان معمولی کارکنوں کی حیثیت سے رہتا تھا۔ اگر وہ تمہارا چیف نہ ہوتا تو اس طرح تمہارے ہاتھوں سے بچ نہ نکلتا۔"

"وہ کوئی بھی ہو۔ مجھے اس سے نفرت ہے۔" والٹن غرایا۔

"بس پھر سرکاری گواہ بن جاؤ۔"

"یقیناً بنوں گا۔"

"اچھا سوپر فیاض۔ اب مجھے اجازت دو۔" عمران۔۔۔ ہاتھ ہلا کر بولا۔" آج رات پھر مجھے یہ سوچنا ہے کہ مجھے سنڈی کا سالہ کیوں

اچھا نہیں لگتا جب کہ بھنڈی پر لوگوں نے پوری پوری کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ ٹماٹر ہاہ۔"

●

دوسری صبح عمران دیر تک نہ سو سکا کیوں کہ فیاض نازل ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ صفدر بھی تھا۔

"تمہارا ہی خیال صحیح نکلا" فیاض نے کہا۔ "وہ گیندیں اس لیے پھینکی جاتی تھیں کہ گرویر کے آدمی ان پر اس طرح جھپٹیں کہ مقتول ان کے نرغے میں آ جائے۔ وہ اسے ختم کر دیں اور صاف نکل جائیں۔ بھیڑ بھاڑ میں یہ بھی معلوم نہ ہو سکے کہ حملہ آور کون تھا۔ مارے جانے والے پی سندرم کے آدمی تھے ———— پی سندرم کو بھی میں نے گرفتار کر لیا ہے اور اب پولیس اسمگل کیے ہوئے ذخیروں پر چھاپے مار رہی ہے۔ اب تک کروڑوں کا مال برآمد ہوا ہے۔ گرویر اور سندرم بہت عرصے سے اسمگلنگ کرتے آئے تھے۔ مگر پی سندرم مخالف گروہ کے سرغنہ کی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ سندرم صرف اسمگلر تھا لیکن اس میں جوڑ توڑ کی صلاحیت نہیں تھی۔ اس لیے گرویر کے ہاتھوں ہمیشہ پٹتا رہا اور ہاں وہ سانپوں والا معاملہ بھی انہی لوگوں سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ بھی سندرم ہی کے آدمی تھے اور وہ کسی قسم کا زہر نہیں تھا بلکہ گرویر کے آدمیوں نے حقیقتاً زہریلے قسم کے سانپ پال رکھے تھے اور سانپوں سے ڈسوا کر ان کی لاشیں سڑکوں پر پھینکوا دیتے تھے۔ والٹن نے سب کچھ بتا دیا ہے مگر وہ عورت زبان نہیں کھولتی۔ اس نے سرکاری گواہ بننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتی ہے کہ اگر گرویر ہی ہمارا چیف تھا تو اس کے لیے میں جان بھی دے سکتی ہوں۔"

"عورت!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "حالانکہ یہی عورت ایک بار گرویر کو قتل کرا دینے کی کوشش کر چکی ہے اور گرویر پر دوبارہ ہاتھ ڈالنے کے لیے مجھ سے قریب ہو گئی تھی۔ مگر اب وہ گرویر کے لیے جان بھی دے سکتی ہے۔"

اس کے بعد عمران کو پوری کہانی دہرانی پڑی۔ فیاض سنتا رہا جب عمران خاموش ہوا تو اس نے کہا "آخر یہ گرویر نے تمہیں پی سندرم کا پتہ کیوں بتا دیا تھا جب کہ وہ اپنے مخالفوں کو بھی منظر عام پر آنے نہیں دینا چاہتا تھا؟"

"شاید اندھیرے میں وہ مجھے ہی پی سندرم سمجھا تھا چونکہ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔ لہٰذا اس وقت وہاں پی سندرم کی موجودگی بھی ناممکنات میں سے نہیں تھی اور پھر یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے آدمیوں کو توڑنے کی فکر میں بھی رہتے تھے۔ بہر حال میرا خیال ہے کہ گرویر نے اس وقت پتہ نہیں بتایا تھا بلکہ یہ جتایا تھا کہ میں تمہیں پہچان گیا ہوں۔"

"مگر تم تو کہتے ہو کہ گرویر تمہیں پی سندرم کے بنگلے کے کمپاؤنڈ میں بھی نظر آیا تھا۔"

"ہاں یہ تو اس کے لیے ایک شاندار موقع تھا۔ وہ پی سندرم کی ہمدردیاں حاصل کر کے اس کے قریب ہو جاتا اور قریب رہ کر زک دینا تو بہت آسان ہوتا ہے لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا تھا تو پھر وہاں ٹھہرنا ہی بے کار تھا ہو گا۔ ویسے اسے یہ فکر ضرور تھی کہ آخر وہ کون تھا، جس نے اس کی جان بچائی تھی۔"

"مگر... اس ہنگامے کی کیا ضرورت تھی؟" صفدر نے پوچھا۔ "وہ خاموشی سے بھی اسے ختم کر سکتے تھے۔"

"جب دو اسمگلر آپس میں لڑتے ہیں تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔ پہلے گرویر نے خاموشی ہی سے کام کیا تھا۔ مثلاً سانپ کے کاٹنے کی وارداتیں لیکن سندرم اس کے مقابلے میں جما رہا۔ پھر گرویر نے کہا اچھا اب اعلانیہ بھری پُری سڑکوں پر قتل ہوں گے۔ مقصد یہ تھا کہ سندرم دہشت زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ ساتھ ہی گرویر یہ بھی چاہتا تھا کہ اصل معاملے کا علم پولیس کو نہ ہونے پائے۔ لہٰذا اس کے گروہ کی ایک عورت لنزی سول اسپتال سے متعلق ہو گئی تھی تاکہ اگر کوئی زخمی وہاں تک پہنچے تو پولیس کو بیان نہ دے سکے۔ وہ اس سے پہلے ہی اسے زہر دے دیتی تھی یا کوئی ایسی دوا جس سے اس کی ذہنی حالت ہی خراب ہو جائے۔"

"مگر تم نقاب پوش کیسے بن بیٹھے تھے؟" فیاض نے پوچھا۔

"والٹن مجھے ایک وین میں لے گیا۔ اس کا دروازہ ایسا تھا کہ اندر سے بھی کھل سکتا تھا۔ جیسے ہی وین رکی تھی میں اتر کر چٹانوں کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ پھر جب وہ سب لکڑی کے مکان کے اندر چلے گئے تو میں بھی باہر سے مکان کے اندر کا جائزہ لینے لگا۔ پوزیشن ایسی تھی کہ ایک تدبیر سوجھ ہی گئی۔ جیب سے نقاب نکالی اور شروع ہو گیا۔"

"کچھ بھی ہو۔" فیاض مسکرایا۔ "تم سے تو شیطان بھی پناہ مانگے گا۔" پھر صفدر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ارے کیا یہ کسی آدمی کا کام ہو سکتا ہے تنہا اتنے مجرموں سے نپٹنا اور پھر ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ خود ہی اپنے سرغنہ کو پکڑ کر باندھ لیں۔ یہی نہیں بلکہ گرفتار ہونے کے لیے بھی خوشی خوشی اس کے ساتھ چلے آئیں۔"

"کچھ بھی نہیں سوپر فیاض۔" عمران مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "یہ صرف ستاروں کے کھیل ہیں ورنہ بعض اوقات تو ایسی فاش غلطیاں ہوتی ہیں کہ سوچ کر الجھن ہوتی ہے۔ مثلاً ایک بار ایک قسم کی گیس کے چکر میں پڑ کر بالکل ہی بے دست و پا ہو گیا تھا اور ایک دوسرا آدمی صرف پندرہ منٹ تک سانس روکے رکھنے کی بنا پر ماسٹر آف سچویشن بن گیا تھا۔ اب یہاں سانس روکنا تو کیا ضرورت پڑنے پر اپنا معدہ بھی آنتوں سمیت کھینچ کر کاندھے پر لاد سکتا ہوں۔ مگر اس وقت غفلت ہو گئی تھی۔ ذرا سی لغزش جس نے مجھے خود اپنی نظروں سے گرا دیا تھا۔"

"کیا قصہ تھا...؟"

"قصہ سرکاری تھا ورنہ ضرور سنا دیا جاتا۔" عمران نے سر ہلا کر کہا۔ صفدر مسکرانے لگا اور پھر وہ تینوں اٹھ کر ناشتے کے لیے ڈائننگ ہال میں چلے گئے۔

ابنِ صفی

گمشدہ شہزادی

جب زندگی تھک جاتی ہے اور لمحے سست پڑ جاتے ہیں
تو ماحول میں گھٹن کا احساس شدید تر ہو جاتا ہے
ایسے ہی تھکے تھکے سے بوجھل لمحات کے لیے الٹیے!
عمران کا ایک قہقہہ بار کارنامہ

گیارہویں شاہراہ شہر کی کشادہ ترین شاہراہوں میں سے ہے۔ شہر کے مختلف حصوں میں اس کی حیثیت مختلف ہے۔ کاروباری حصے میں اس پر تل رکھنے کی جگہ نہیں رہتی۔ پھر ریلوے اسٹیشن کے قریب آئیے تو ٹریفک کا وہ اژدھام کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے جانے کا ارادہ ہی کرنے میں دو تین منٹ صرف ہو جاتے ہیں اور سولھویں شاہراہ کے کراسنگ پر تو پیدل چلنے والے بدحواس ہی ہو جاتے ہیں۔ یہاں انہیں ٹریفک ہی کی طرح چوراہے پر کھڑے ہوئے کانسٹیبل کے اشاروں کا پابند ہو جانا پڑتا ہے۔

سولھویں شاہراہ کے چوراہے سے ایک فرلانگ تک یہی کیفیت رہتی ہے پھر شہر کا کاروباری حصہ پیچھے رہ جاتا ہے اور بڑی بڑی رہائشی کوٹھیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جن کے سامنے چھوٹے چھوٹے پائیں باغ لہلہاتے ہیں۔ گو یہاں شہر کی سی ہما ہمی نہیں رہتی لیکن اس کا شمار بھی شہر کے بارونق ترین حصوں میں ہوتا ہے...

اور شہر کے اس بارونق حصے میں وہ دلچسپ واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

عمران اپنے بہترین ایوننگ سوٹ میں ملبوس چھڑی ہلاتا ہوا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس کے لباس پر ایک شکن تک نہیں تھی۔ سخت کالروالی سفید قمیص بے داغ تھی اور گلے میں شوخ رنگوں کی ٹائی لیکن چہرے پر برسنے والی حماقت اس کے متعلق تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔ وہ چھڑی ہلاتا چلتا رہا۔ کبھی کبھی فلٹ ہیٹ کا گوشہ یا ٹائی کی گرہ بھی سنبھالنے لگتا تھا... دفعتاً وہ ایک جگہ رک گیا اور کنکھیوں سے بائیں جانب والی عمارت کی نیم پلیٹ پڑھی، پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ سورج ابھی ابھی غروب ہوا تھا۔ دھندلکے کا غبار زیادہ گہرا نہیں تھا سڑک پر کاریں سائیکلیں اور دوسری سواریاں دوڑ رہی تھیں لیکن ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی کہ کسی لمحہ بھی سڑک پار کرنے میں کوئی دشواری پیش آتی۔

عمران نے ایک بوڑھے سائیکل سوار کو نظر میں رکھ لیا جو دوسری طرف سے آ رہا تھا۔ اس کے سینے پر بڑی سی سفید داڑھی لہرا رہی تھی جیسے ہی وہ قریب آیا عمران نے ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ بوڑھا سائیکل سے اتر کر حیرانہ انداز میں عمران کو گھورنے لگا۔ وہ اس طرح روکے جانے پر کچھ خوف زدہ بھی ہو گیا۔

"اتنی لمبی داڑھی لگا کر سائیکل چلاتے شرم نہیں آتی۔" عمران نے کہا۔

"جی!" بوڑھے کی آنکھیں اور زیادہ پھیل گئیں۔

عمران نے وہی جملہ پھر دہرا دیا۔

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں!" بوڑھے نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"میں ڈھنگ ہی کی باتیں کرتا ہوں! آپ بے شرم ہیں۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں!" بوڑھے کی آواز بلند ہو گئی۔

"میں بالکل ہوش میں ہوں! آپ کو شرم آنی چاہیے۔"

"اپنی زبان کو لگام دیجیے!"

"کیا میں گھوڑا ہوں کہ زبان کو لگام دوں!... آپ یا تو داڑھی صاف کرائیے یا سائیکل پر بیٹھنا چھوڑ دیجیے۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

بوڑھا سائیکل ایک طرف پھینک کر مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا کئی راہگیر ان کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

"ارے میاں ہوش کی دوا کرو۔ سائیکل پر اتنی لمبی داڑھی ظلم کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے!"

"اب چپ!" بوڑھا حلق کے بل چیخا۔

"پاگل معلوم ہوتا ہے۔" مجمع میں سے کسی نے کہا۔





"تم خود پاگل!" عمران اس پر اُلٹ پڑا۔ "تمہاری سات پشتیں پاگل!"

"بات تیری کی۔" ایک آدمی اس پر جھپٹا۔ عمران کا ہاتھ بھی گھوم گیا اور پھر اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ وہ سب عمران پر چڑھ دوڑے۔ عمران کسی نہ کسی طرح ان کے نرغے سے نکلا اور اسی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں جا گھسا جس کے سامنے یہ ہنگامہ ہوا تھا۔۔۔ برآمدے میں ایک یورپین عورت دو لڑکیوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

"ممی۔۔۔ مجھے بچاؤ!" عمران چیخا۔ "یہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں۔ مجھے مار ڈالیں گے۔"

اور پھر وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر چڑھتے چڑھتے ڈھک کر بے ہوش ہو گیا۔ لوگ کمپاؤنڈ میں داخل ہو جانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن بوڑھی عورت کی ڈانٹ سن کر پھاٹک ہی پر رک گئے۔

"بھاگ۔۔۔ جاؤ۔۔۔" وہ ہاتھ ہلا کر چیخی۔ "پولیس کو خبر کریگا۔"

پولیس کا نام سن کر وہ ایک ایک کرکے کھسکنے لگے۔

بوڑھا باہر سے چیخ رہا تھا۔ "میم صاحب! یہ پاگل ہے!"

"بھاگ۔۔۔ تو م خود پاگل ہے! ہم پولیس کو فون کریگا۔"

بوڑھا بھی سائیکل اُٹھا کر کھسک لیا۔

عمران اب بھی سیڑھیوں کے نیچے بے ہوش پڑا تھا اور دونوں لڑکیاں اس پر جھکی ہوئی تھیں۔ ایک لڑکی نے سر اُٹھا کر کہا۔ "ممی یہ بے چارا کوئی شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

کوٹھی کے دیسی ملازمین بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ بوڑھی عورت کے اشارے پر وہ بے ہوش عمران کو اُٹھا کر ایک کمرے میں لائے۔ بوڑھی عورت اس کے کوٹ کے بٹن کھولنے لگی۔ ایک لڑکی نے ڈاکٹر کو فون کیا۔

"پتہ نہیں کون ہے؟" بوڑھی عورت تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑائی! پھر یک بیک چونک پڑی۔ "ہائیں۔۔۔ یہ کیا ہے؟"

عمران کی بائیں پسلی کے قریب ایک کارڈ پن کیا ہوا تھا۔ بوڑھی عورت جھک کر اسے بلند آواز سے پڑھنے لگی۔

"اس شخص کا نام ٹوفی ٹام ہلز ہے۔ یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے! کبھی کبھی اس پر غشی کے دورے بھی پڑتے ہیں۔ اگر یہ کبھی ایسی حالت میں پایا جائے تو براہ کرم اسے بیکن اسٹریٹ کے ایلمر یاؤز میں پہنچا دیجئے۔ یہ صرف ذہنی فتور میں مبتلا ہے۔۔۔ ویسے بالکل بے ضرر آدمی ہے اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ عام حالات میں آپ اسے انتہائی شریف اور سلیم الطبع پائیں گے۔"

بوڑھی نے سیدھے کھڑے ہو کر ایک طویل سانس لی اور لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگی۔

"بے چارا۔۔۔" ایک لڑکی نے سر ہلا کر مغموم لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر آ گیا اور وہ کارڈ اسے بھی پڑھنے کیلئے دیا گیا۔

"اوہ۔۔۔" ڈاکٹر کارڈ پڑھ کر بولا! "تب یہ ضروری نہیں کہ یہ جلد ہوش میں آ جائے۔" وہ عمران کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ مرض دائمی ہوتا ہے؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔

"حالات پر منحصر ہے۔ یہ ہمیشہ ایسی ہی حالت میں رہ سکتا ہے اور یادداشت واپس بھی آ سکتی ہے۔ اس قسم کے امراض دراصل حادثات کی بنا پر ہوتے ہیں اور حادثات ہی ان کا خاتمہ بھی کر سکتے ہیں!"

ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا اور پندرہ منٹ کے وقفے سے دو انجکشن دے کر چلا گیا۔ لڑکیوں کے چہرے مغموم تھے اور بوڑھی عورت بھی تشویش میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"پتہ نہیں ایلمر یاؤز میں کون رہتا ہے؟ اور اس کا فون نمبر کیا ہے۔"

"میرے خیال سے اسے ہوش میں آ جانے دیجئے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ آں!" بوڑھی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

یہ بلجیم کے سفیر کے فوجی اتاشی کرنل ڈکسٹر لنک کی کوٹھی تھی۔ ایما اور بلر برا اس کی بیٹیاں تھیں اور بوڑھی مسز ڈکسٹر لنک تھی۔ یہ تینوں ماں بیٹیاں بڑی تندہی سے عمران کی دیکھ بھال کرتی رہیں۔ بار بار ان کی نظریں کلاک کی طرف اٹھتیں۔ لیکن شاید اس وقت اس کی شوئیوں نے بھی گردش نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ باربرا جو ایما سے عمر میں بڑی تھی، بار بار ٹھنڈی سانسیں لیتی! ایما بہت بے چین تھی۔ اس نے آج تک کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا تھا جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہو! البتہ اس نے ایسے آدمیوں کے متعلق کئی رومانی کہانیاں ضرور پڑھی تھیں۔۔۔ شاید ایک آدھ فلم بھی دیکھی تھی جس میں ایسے ہی کسی آدمی کو ہیرو بنا کر پیش کیا گیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ آدمی بھی اُسی فلم کے ہیرو کی طرح رومینٹک

ثابت ہوگا۔ عمران کے خد و خال اسے بہت پسند آئے تھے۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد عمران کے پپوٹوں میں حرکت ہوئی اور وہ تینوں اُس پر جھک پڑیں۔ اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔

"بلی کے بچے... پیارے بلی کے بچے۔" عمران نے کروٹ لے کر فرانسیسی زبان میں کہا۔

"یہ کوئی فرانسیسی ہے۔" بوڑھی نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہ..." ایما کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

"فرانسیسی!" باربرا نے دُہرایا اور اس کی دلچسپی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔

دفعتاً عمران اُٹھ بیٹھا۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"تم لیٹے رہو تو بہتر ہے۔" بوڑھی عورت نے فرانسیسی میں کہا۔

"میں کہاں ہوں۔" عمران نے کراہ کر پوچھا

"مطمئن رہو تم دوستوں میں ہو!... تمہیں چند بدمعاشوں نے گھیر لیا تھا۔ اور تم بھاگ کر یہاں آگئے تھے۔"

"ٹھہریئے..." عمران آنکھیں بند کر کے پیشانی پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "مجھے سوچنے دیجئے۔"

"آپ لیٹ کر سوچئے تو بہتر ہے۔" باربرا بولی۔

"اوہ..." عمران چونک کر بولا اور چند لمحے باربرا کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔ "جی ہاں مجھے لیٹ جانا چاہیے... میرا سر بہت شدت سے چکرا رہا ہے۔"

عمران لیٹ گیا۔ اور اس کی آنکھیں بند رہیں کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "میں بہت نقاہت محسوس کر رہا ہوں۔"

"آپ کچھ پیئیں گے۔" باربرا نے پوچھا۔

"ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔"

"نہیں تم تھوڑی برانڈی لو۔ نقاہت دُور ہو جائے گی۔"

"شکریہ ممی... میں شراب نہیں پیتا۔ ڈاکٹروں نے منع کر دیا ہے۔" باربرا نے گھنٹی بجائی۔ ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اس سے پانی لانے کو کہا گیا۔

"میرے ساتھ میرا بلی کا بچہ بھی تھا۔" عمران پھر اُچھل کر بیٹھ گیا اور منہ سے اس طرح کی آوازیں نکالنے لگا جیسے بلی کے بچے کو بلا رہا ہو۔

"نہیں تمہارے ساتھ بلی کا بچہ نہیں تھا ممکن ہے وہ سڑک ہی پر رہ گیا ہو۔" مسز ڈکسٹر لنک نے کہا۔

"آہ... تب تو میں وہیں جا کر اُسے تلاش کروں گا...!"

"نہیں تم لیٹو۔ میں نوکروں سے تلاش کراؤں گی۔"

"شکریہ ممی..." عمران نے پھر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں لیکن اسی وقت ملازم پانی کا گلاس لے آیا۔

"یہ... پیپ... پانی..." ایما ہکلائی وہ اچھی طرح فرانسیسی نہیں بول سکتی تھی۔ عمران اُٹھ بیٹھا... پانی پینے کے بعد وہ پھر لیٹنے لگا لیکن پھر اس طرح سیدھا ہو گیا جیسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔

"تم ایلمر ہاؤز میں رہتے ہو...؟" بوڑھی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیا کرتے ہو؟"

"دن بھر یہی سوچا کرتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"تم فرانسیسی ہو...؟"

"میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں، ویسے میں کئی زبانیں بول سکتا ہوں۔ لیکن فرانسیسی مجھے بہت پسند ہے... یہ زبان زیادہ روانی کے ساتھ بول سکتا ہوں۔"

"سڑک پر جھگڑا کیوں ہوا تھا؟"

"وہ میرا بلی کا بچہ چھین رہے تھے... ممی... مجھے میرا بچہ منگوا دو۔"

بوڑھی نے مڑ کر باربرا سے کہا کہ وہ نوکروں سے بلی کا بچہ تلاش کرنے کو کہے۔ باربرا چلی گئی اور بوڑھی نے کہا۔

"تم پھر بیٹھ گئے... لیٹ جاؤ!"

"ڈاکٹر نے کہا تھا کہ زیادہ لیٹنے سے صحت خراب ہو جاتی ہے۔" عمران نے بچوں کے سے انداز میں کہا اور ایما پھر مٹھیاں بھینچنے لگی۔

"نہیں صحت نہیں خراب ہوگی۔ تم لیٹ جاؤ!"

"اچھا..." عمران نے سر ہلا کر کہا اور لیٹ گیا۔

"تمہارا نام ٹونی ٹام ہلز ہے!" مسز ڈکسٹر لنک نے پوچھا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا...؟" عمران کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ مسز ڈکسٹر لنک نے اسے وہ کارڈ دکھایا جو اس کی قمیص سے پن کیا ہوا تھا۔

"اوہ... یہ مسز ہڈسن بڑی نیک عورت ہے۔" عمران بڑبڑایا۔

"مسز ہڈسن کون...؟" ایما نے پوچھا۔

"ایلمر ہاؤز میں اس کا بورڈنگ ہے نا۔ میں وہیں رہتا ہوں میں جب بھی باہر جانے لگتا ہوں، وہ کارڈ میری قمیص سے پن کر دیتی ہے۔"

"تم بورڈنگ ہاؤز میں رہتے ہو!" بوڑھی نے حیرت سے کہا۔ "تمہارے والدین کہاں ہیں...؟"

"پتا نہیں۔" عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"تم یہ بھی نہیں بتا سکو گے کہ کس ملک کے باشندے ہو...؟"

"نہیں پتا نہیں... یہی تو میں بھی سوچتا ہوں ممکن ہے اسی ملک کا باشندہ ہوں۔"

"یہاں کی زبان بول سکتے ہو...؟"

"ہاں میں یہاں کی زبان بول سکتا ہوں۔"

"تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے...؟"

"کمرشل آرٹسٹ ہوں۔"

"آرٹسٹ... اوہ!" ایما نے پھر مٹھیاں بھینچ لیں۔

پھر باربرا واپس آگئی اور اس نے بتایا کہ بلی کا بچہ تلاش کیا جا رہا ہے۔ عمران نے آنکھیں بند کر لیں اور چپ چاپ پڑا رہا۔ ایما باربرا کو اس کے متعلق بتانے لگی۔ مسز ڈکسٹر باہر چلی گئی تھی لیکن لڑکیاں وہیں موجود رہیں۔

"میں گر پڑوں گا..." عمران نے آنکھیں کھول کر کہا۔

"جی!" باربرا نے چونک کر پوچھا۔

"او سوری۔ معاف کیجئے گا..." عمران خواب ناک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "مجھے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے ہوائی جہاز میں سفر کر رہا ہوں، یہ غنودگی بھی بڑی واہیات چیز ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" باربرا بھی مسکرائی "آپ کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے تکلفی سے طلب کر لیجئے گا۔"

"مجھے دُنیا کی کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں، سوائے رنگ اور برش کے، رنگ اور برش ہی میری زندگی ہے... میں زندگی کی عکاسی کرتا تھا مجھے کمرشل آرٹسٹ بننا ہی پڑا۔"

ایما اور باربرا خاموش رہیں غالباً وہ سوچ رہی تھیں کہ جواب میں کیا کہنا مناسب ہوگا... دفعتاً عمران نے پوچھا! "یہ آپ کی ممی تھیں؟"

"جی ہاں..." ایما بولی۔

"اور پاپا بھی ہوں گے...؟"

"جی ہاں پاپا بھی ہیں... لیکن وہ اس وقت موجود نہیں ہیں۔" باربرا نے کہا۔ عمران ٹھنڈی سانس لے کر دردناک آواز میں بولا "میرے نہ پاپا ہیں... اور نہ ممی... پتا نہیں یہ دونوں کہاں چلے گئے۔" پھر وہ خاموش ہو گیا... اور دونوں لڑکیاں اِدھر اُدھر دیکھ کر آنسو پینے کی کوشش کرنے لگیں... وہ سچ مچ اس کے لیے بہت زیادہ مغموم ہو گئی تھیں۔ انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے سامنے کوئی ننھا سا بے بس یتیم بچہ پڑا ہو۔

"اوہ... میرا بلی کا بچہ!" عمران پھر اُٹھ بیٹھا۔

"وہ... وہ... دیکھئے!" باربرا ہچکچاتی ہوئی آواز میں بولی "آپ مطمئن رہیے نوکر اسے تلاش کر رہے ہیں!"

"اچھا!" عمران نے کسی ننھے سے بچے کی طرح سر ہلا کر کہا اور پھر لیٹ گیا۔

●

سیکرٹ سروس کے ممبران صفدر، لیفٹیننٹ چوہان اور جولیانا فٹز واٹر ٹپ ٹاپ نائٹ کلب میں رات کا کھانا کھا رہے تھے۔

"عمران آج کل کس چکر میں ہے...؟" صفدر سعید نے کہا۔

"کیسا چکر..." جولیا اُسے گھورنے لگی۔

"اس نے ٹونی ٹام ہلز کے نام سے مسز ہڈسن کے بورڈنگ میں ایک کمرہ لے رکھا ہے... پرسوں مجھے راجہ اسٹریٹ میں ملا اور کہنے لگا کہ میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں... مجھے یہاں پہنچا دو... یہ کہہ کر اس نے اپنے کوٹ کے بٹن کھولے اور ایک کارڈ دکھایا جو اس کی قمیص سے پن کیا ہوا تھا... کارڈ پر تحریر تھا کہ اس آدمی کا نام ٹونی ٹام ہلز ہے... یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے، اس پر غشی کے دورے بھی پڑتے ہیں۔ اگر یہ کبھی ایسی حالت میں پایا جائے تو اسے براہِ کرم بیکن اسٹریٹ کے ایلمر ہاؤز میں پہنچا دیجئے۔"

"مجھے علم نہیں تھا..." جولیا نے حیرت سے کہا... "پھر تم نے کیا کیا؟"

"وہی جو اس نے کہا تھا۔ مسز ہڈسن نے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور بڑی محبت سے اس کا شانہ تھپتھپانے لگی... وہ اسے ممی کہتا ہے۔"

چوہان ہنس پڑا... لیکن جولیا کی تشویش میں کمی نہیں ہوئی وہ نجانے کیوں اس تذکرے پر سنجیدہ ہو گئی تھی۔

صفدر پھر بولا۔ "اس آدمی کو سمجھنے کے لیے افلاطون کا دماغ چاہیے۔"

"افلاطون بھی اس کے سامنے مرغ کی بولی بول جاتا... آدمی کو آدمی ہی سمجھ سکتا ہے مگر میں تو اسے آدمی ہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔" چوہان نے کہا اور پانی کا گلاس اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"وہ آخر ایسا کیوں کر رہا ہے۔" جولیا تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑائی۔

"اونہہ... کر رہا ہوگا۔" چوہان گلاس رکھتا ہوا بولا۔ "ہو سکتا ہے یہ اس کا کوئی نجی کام ہو اور پرائیویٹ کیس بھی تو لیتا رہتا ہے... اکثر محکمہ سراغرسانی کے لیے بھی کام کرتا ہے۔"

اس پر بھی جولیا کی تشفی نہ ہوئی۔ سنگرال والی مہم کے بعد سے وہ عمران سے متعلق ہر وقت باخبر رہنا چاہتی تھی۔ اسے یقینِ کامل تھا کہ اس کا چیف آفیسر ایکسٹو عمران ہی ہے اور نادیدہ ایکس ٹو سے اسے جو لگاؤ تھا ظاہر ہے البتہ اس کے دوسرے ساتھی عمران کو ایکس ٹو تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ ان کا اب بھی یہی خیال تھا کہ عمران جیسا کریک اور غیر سنجیدہ آدمی اتنی ذمے دار پوسٹ نہیں ہولڈ کر سکتا۔ وہ اب بھی فون پر ایکس ٹو کی بھرائی ہوئی آواز سنتے تھے اور اس طرح مؤدب ہو جاتے تھے جیسے وہ ان کے سامنے ہی موجود ہو۔

جولیا کی اُلجھن بڑھتی رہی... آخر کار کھانے کے بعد طبیعت کی گرانی کا بہانہ کر کے وہ اُٹھ گئی۔ وہ اسی وقت ایلمر ہاؤز جانا چاہتی تھی۔ اس نے ایک ٹیکسی کی اور بیکن اسٹریٹ کی طرف روانہ ہو گئی... ایلمر ہاؤز

ایک مشہور عمارت تھی جس میں ایک انگریز عورت مسز ہڈسن نے ایک بورڈنگ کھول رکھا تھا یہاں بہت سے تعلیم یافتہ اور ذی حیثیت کنوارے رہتے تھے۔ یہاں انہیں ہر قسم کی گھریلو آسائشیں میسر تھیں۔ مسز ہڈسن کی عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ ایک نیم شحیم اور قوی الجثہ عورت تھی اس کو دُور سے دیکھنے والے عموماً یہی اندازہ لگاتے تھے کہ وہ کوئی تیز مزاج اور سخت گیر عورت ہوگی لیکن اس کے بورڈنگ میں رہنے والوں کا خیال تھا کہ وہ اپنے پتھریلے جسم کے اندر دل کی بجائے ایک ننھا سا خوش رنگ گلاب رکھتی ہے۔ وہ اپنے کرایہ داروں کے لیے اس طرح پُرتشویش رہتی تھی جیسے کوئی کثیرالاولاد ماں۔ اس نے بڑی خوش اخلاقی سے جولیانا فنٹر واٹر کا استقبال کیا لیکن لوٹی ٹام ہلز کے تذکرے پر کچھ مغموم سی ہوگئی۔

"اوہ... مسٹر ٹام ہلز... مجھے علم ہے کہ وہ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ کیا آپ انہیں قریب سے جانتی ہیں؟"

"ہاں میرا خیال ہے کہ میں انہیں قریب سے جانتی ہوں۔"

"اوہ... تو پھر شاید آپ مجھے ان کے متعلق بہت کچھ بتا سکیں گی۔"

جولیا بوکھلا گئی۔ اس نے سوچا پتہ نہیں بوڑھی کیا پوچھ بیٹھے اور اس کا جواب عمران پسند کرے یا نہ کرے۔

"وہ... وہ..." جولیا نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔"

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔" مسز ہڈسن نے کہا۔ "لیکن کیا آپ اُن کے والدین یا دوسرے عزیزوں کو جانتی ہیں۔"

جولیا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں مسٹر ٹام ہلز کے لیے بہت مغموم رہتی ہوں۔" مسز ہڈسن نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اتنا اچھا آدمی اور اس طرح بے یار و مددگار۔"

جولیا کچھ نہ بولی۔ وہ اس سلسلے میں زیادہ گفتگو نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دیوار سے لگی ہوئی گھڑی نے نو بجائے اور مسز ہڈسن نے کہا۔ "تو آپ ان کا انتظار کریں گی۔"

"جی ہاں... خیال تو یہی ہے۔"

"مگر وہ اکثر دو دو دن تک یہاں نہیں آتے پھر کوئی نہ کوئی انہیں پہنچا جاتا ہے۔ آپ یہ بھی جانتی ہوں گی کہ ان پر غشی کے دورے پڑتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"پھر ایسی صورت میں...!"

"میں دس بجے تک انتظار کروں گی..."

"کوئی بات نہیں... آپ کیا پئیں گی؟"

"اوہ... شکریہ، کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔"

یہ مسز ہڈسن کا دفتر تھا جہاں دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ مسز ہڈسن سامنے کھلے ہوئے رجسٹر پر جھک گئی اور جولیا شام کا اخبار دیکھنے لگی۔ کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت مسلط ہو گیا۔ مسز ہڈسن شاید اکاؤنٹ دیکھ رہی تھی کیونکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کے ہونٹ ہلنے لگتے تھے۔

ٹھیک ساڑھے نو بجے ایک آدمی چق ہٹا کر دفتر میں داخل ہوا

"کیا مسز ہڈسن کا بورڈنگ یہی ہے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں..." مسز ہڈسن نے نرم لہجے میں کہا۔ "فرمائیے۔"

"مسٹر لوٹی ٹام ہلز یہیں رہتے ہیں؟"

"جی ہاں..."

"میں انہیں اپنے ساتھ لایا ہوں۔"

"اوہ شکریہ... براہ کرم انہیں یہاں بھیج دیجئے۔"

وہ آدمی چلا گیا اور جولیا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد عمران اُلوؤں کی طرح پلکیں جھپکاتا ہوا اندر آیا۔

"اوہ...!" اس نے جولیا کو دیکھ کر سیٹی بجانے والے انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑے اور جولیا اسے گھورنے لگی۔ لیکن قبل اس کے کہ مسز ہڈسن دونوں کے متعلق کوئی عجیب بات محسوس کر سکتی عمران بول پڑا...

"اوہ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں مس ولنولیا ڈرنک واٹر... آپ کی تصویر ابھی مکمل نہیں ہو سکی۔ چلیے چلیے میں آپ کو دکھاؤں۔"

جولیا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی اُٹھ گئی۔

"ہمارے لیے چائے بھجوا دیجئے گا ممی۔" عمران نے مسز ہڈسن سے کہا۔ اس کے لہجے میں بڑا پیار تھا۔

"ابھی... ابھی..." مسز ہڈسن مسکرائی۔ "مگر آپ کہاں رہ گئے تھے۔ مسٹر ٹام ہلز..."

"اوہ... ممی یہاں زیادہ تر پاگل بستے ہیں ایک بوڑھا آدمی زبردستی ایک بلی کا بچہ میرے گلے لگانا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کیا تو کئی آدمیوں نے مل کر مجھے مارا پیٹا پھر چند شریف عورتوں نے مجھے ان کے مظالم سے نجات دلائی۔ وہ دونوں لڑکیاں بہت مہربان تھیں۔"

"کیا نام...؟"

عمران خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "ایک کا نام شاید اماں تھا اور دوسری کا سیفٹی ریزر۔"

"سیفٹی ریزر...!" مسز ہڈسن نے حیرت سے دُہرایا۔

"پتہ نہیں، پھر کچھ اور رہا ہوگا۔ مجھے نام نہیں یاد رہتے ممی۔"

"آپ نے شاید ان کا نام بھی غلط ہی لیا تھا۔" مسز ہڈسن جولیا کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"نہیں ان کا نام... ولنولیا ڈرنک واٹر ہے..."

"جولیانا فنٹر واٹر۔" جولیا نے غصیلے لہجے میں تصحیح کی۔

مسز ہڈسن ہنسنے لگی۔ پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ بُرا نہ مانیے گا۔ حقیقت ہے کہ مسٹر ٹام ہلز کو نام صحیح یاد نہیں رہتے۔"

عمران اور جولیا دفتر سے نکل آئے۔ عمران اسے اوپری منزل کی طرف لے جا رہا تھا۔ جولیا خاموشی سے چلتی رہی۔ عمران نے اوپر پہنچ کر ایک کمرے کا قفل کھولا۔

"آؤ... آؤ۔" اس نے اندر داخل ہو کر روشنی کر دی۔ یہاں ایک میز اور دو کرسیاں تھیں... یہ حقیقتاً کسی مصور ہی کا کمرہ معلوم ہو رہا تھا۔ چاروں طرف نامکمل اور مکمل تصویریں بکھری ہوئی تھیں ایزل کے کینوس پر بھی ایک نامکمل تصویر تھی۔

"یہ سب کیا ہے۔" جولیا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"بیٹھ جائیے مس ولنولیا... اوہ دیکھیے شاید میں پھر آپ کا نام بھول گیا۔"

"مجھے بور نہ کرو۔" جولیا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"چیونگم پیش کروں؟"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"مصوری... اب یہ دھندہ شروع کر دیا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ پہلے میں کیا کرتا تھا کیونکہ میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔"

"یہ تمہارا..." جولیا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"دیکھیے... مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ کا ایک پورٹریٹ میں بنا رہا تھا اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا اور مجھے یہ بھی نہیں یاد پڑتا کہ ہم دونوں میں کبھی بے تکلفی بھی رہی ہو۔"

"میں یہ معلوم کیے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گی کہ تم کس چکر میں ہو۔"

قبل اس کے کہ عمران جواب میں کچھ کہتا راہداری سے کسی کے قدموں کی آواز آئی۔ دونوں ہی خاموش رہے ایک ملازم اندر آیا اور چائے کی کیتلی میز پر رکھ کر چلا گیا۔ عمران خاموشی سے اُٹھ کر دو پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگا۔

"تم نہیں بتاؤ گے؟" جولیا نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"کیا بتاؤں... مادموزئیل مجھے یاد نہیں رہا کہ آپ نے کیا پوچھا تھا۔"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" جولیا ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

"میں یہاں چائے بنا رہا ہوں... لیجئے۔" اس نے بڑے ادب سے پیالی پیش کی۔

"کیا تم ایکسٹو کے لیے کوئی کام کر رہے ہو۔" جولیا اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"ایکسٹو..." عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں اس مصور کا نام شاید پہلی بار سن رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی بڑا مصور نہیں ہے۔"

"تم نہیں بتاؤ گے..." جولیا دانت پیسنے لگی۔

"آپ خفا ہو رہی ہیں یا منہ چڑا رہی ہیں، میں نہیں سمجھ سکتا۔" عمران اسے متحیرانہ انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔ جولیا خون کے گھونٹ پی کر چائے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ "کیا تمہارا تعلق سیکرٹ سروس سے نہیں رہا...؟"

"ہائیں..." عمران منہ اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ چند لمحے اسی پوز میں رہا پھر تھوک نگل کر بولا۔ "آپ شاید کسی اور کے دھوکے میں مجھ سے آملی ہیں۔ میرا تعلق سیکرٹ سروس سے کیوں ہونے لگا میں ایک غریب کمرشل آرٹسٹ ہوں... برش اور رنگ کی کمائی پر میری زندگی کا انحصار ہے۔"

"عمران کہیں تمہیں پچھتانا نہ پڑے۔"

"اوہ... دیکھیے۔" عمران ہنسنے لگا۔ "آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے میرا نام عمران نہیں لوٹی ٹام ہلز ہے۔ اس سلسلے میں جتنے گواہ آپ چاہیں پیش کر سکتا ہوں۔ براہ کرم مجھے الجھن میں مبتلا نہ کیجئے مجھ پر غشی کے دورے بھی پڑتے ہیں۔"

"اگر میں بھانڈا پھوڑ دوں تو...؟"

"کیسا بھانڈا... مادموزئیل۔"

"اچھی بات ہے۔" جولیا نے دھمکانے کے سے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "میں اس کی اطلاع کیپٹن فیاض کو دیے بغیر نہیں مانوں گی..."

"محترمہ میں کسی کیپٹن نیاض... اوہ... کیا نام لیا تھا آپ نے میں بھول گیا۔ بہرحال آپ نے جو نام بھی لیا تھا وہ میرے لیے بالکل نیا ہے۔ ویسے آپ کی تصویر جلد مکمل ہو جائے گی... ٹھہریئے میں آپ کو دکھاتا ہوں۔" عمران اُٹھ کر میز پر پھیلے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگا...

"اوہ ہاں... یہ رہی..." اس نے ایک شیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "صرف بیک گراؤنڈ باقی رہ گئی ہے۔"

جولیا کے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی کیونکہ یہ ایک چمگادڑ کی نامکمل تصویر تھی۔ وہ اُٹھتی ہوئی بولی۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گی۔ میں خواہ مخواہ تمہیں اتنی اہمیت دیتی ہوں تم میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔"

"لیکن میں وہاں بھی آپ کی تصویر مکمل کرنا نہیں بھولوں گا۔ چائے پیجئے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"میں جا رہی ہوں... لیکن تم دیکھ ہی لو گے۔"

"نہیں... آپ کے اس طرح جانے کا منظر بڑا دردناک ہوگا۔ اس لیے میں اپنی آنکھیں بند کر لوں گا..."

جولیا کچھ کہے بغیر اُٹھ گئی اور عمران اسی طرح آنکھیں بند کیے بیٹھا

رہا جیسے حقیقتاً وہ کوئی ایسا ہی دل ہلا دینے والا منظر ہو جسے دیکھنے کی تاب مہیا نہ کی جا سکے۔

عمران یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ جولیا اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا ہی دے گی لہٰذا اسے اس پر بے تحاشہ غصہ آیا جب کیپٹن فیاض دوسرے دن صبح ہی صبح وہاں آ دھمکا۔ وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔۔" عمران نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"نہیں چلے گی۔" فیاض مسکرایا۔ "اس بار تم جو ہے دان میں پھنس گئے ہو۔ اگر تم نے اڑنے کی کوشش کی تو زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"میں ایک کمرشل آرٹسٹ ہوں جناب۔ سمجھ رہا ہوں اور رنہ پر بندہ۔۔ ویسے میرا خیال ہے کہ یادداشت کھو بیٹھنے کے بعد آدمی کی زندگی برباد ہی ہو جاتی ہے۔"

"ہاں، مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یادداشت کھو بیٹھنے کا ڈھونگ رچایا ہے لیکن اسے نہ بھولو کہ اس حال میں تمہاری دھجیاں بھی اُڑ سکتی ہیں۔"

عمران اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ فیاض چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "میرے ایک اشارے پر تم یہاں سے نکلوا دیئے جاؤ گے۔"

"وہ کس طرح سُو پر فیاض۔۔؟"

"بہت خوب، یادداشت واپس آ گئی نا۔۔" فیاض نے قہقہہ لگایا۔ عمران کے ہونٹوں پر بھی ایک شرارت آمیز سی مسکراہٹ نظر آئی اور اُس نے کہا۔

"کوشش کر کے دیکھو۔"

"تم سچ مچ جہنم رسید ہو جاؤ گے عبدالمنان۔" فیاض نے قہقہہ لگایا۔ اس کی آنکھوں سے بھی مسرت پھوٹی پڑتی تھی۔

"اوہ۔۔" عمران نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑ دیئے۔

"ہاں برخوردار وہ اخبار میں اپنے ساتھ لایا ہوں جس میں کسی زمانے میں عبدالمنان کا فوٹو شائع ہوا تھا اور اس کے نیچے یہ اعلان تھا کہ یہ شخص عبدالمنان تیمور اینڈ بارٹلے کا ملازم تھا جو ہزاروں کا غبن کر کے غائب ہو گیا۔ اب تم خود ہی سوچو اگر میں نے یہ تصویر اور اعلان مسز ٹرسن کو دکھایا تو تم کہاں ہو گے۔۔؟"

"بیٹھ جاؤ۔۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ وہ سچ مچ اس وقت پھنس گیا تھا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ فیاض کی ہر بات مان لیتا۔

"آج ہی تو آئے ہو جیل میں۔" فیاض بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں گرفتار کر ڈالوں گا۔"

"گرفتار کرنے سے پہلے چائے پی لو تو بہتر ہے۔۔" عمران نے کہا۔

"چائے۔" فیاض اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اچھی بات ہے۔" عمران نے گھنٹی کا بٹن دبایا اور بولا۔

"میں دراصل اپنا پچھلا پیشہ ترک کر چکا ہوں۔ میں اب یہ بھی بھول جانا چاہتا ہوں کہ میرا نام عمران ہے۔ کہو تو تمہاری بھی ایک پورٹریٹ تیار کر دوں۔"

"ضرور۔۔ ضرور۔۔" فیاض سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"لیکن تم لوگ چین نہیں لینے دو گے۔" عمران نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"چائے۔" عمران نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور وہ واپس چلا گیا۔

"کیا تم اس دوران میں کسی عورت سے لڑ گئے ہو؟" فیاض نے پوچھا۔

"عورت سے۔" عمران نے حیران سے دُہرایا۔

"ہاں۔۔ مجھے تمہارے متعلق کسی عورت ہی نے فون پر بتایا تھا۔"

"اور تم یہاں دوڑے چلے آئے۔"

"ہاں مجھے کئی دنوں سے تمہاری تلاش تھی۔"

"کیوں؟"

"پہلے مجھے بتاؤ کہ وہ عورت کون ہو سکتی ہے، جس نے مجھے فون کیا تھا۔"

"پتہ نہیں۔" عمران کے لہجے میں بڑی خشکی آ گئی تھی۔ اس کا ذہن دراصل جولیا کی طرف بھٹک گیا تھا۔ فیاض نے یہ تبدیلی محسوس کر لی اور خاموش ہو گیا۔

عمران نے خود ہی کچھ دیر بعد پوچھا۔ "ہاں تمہیں میری تلاش کیوں تھی؟"

"مجھے تمہاری تلاش کیوں ہوتی ہے۔" فیاض نے مسکرا کر سوال کیا۔

"مگر میں آج کل بے حد مصروف ہوں۔" عمران بولا۔

"تم مصروف کب نہیں ہوتے۔ میں کچھ نہیں سنوں گا تمہیں بہر حال میرے لیے وقت نکالنا پڑے گا۔"

"اور اگر میں وقت نہ نکال سکا تو تم وہ اخبار مسز ٹرسن کے حوالے کر دو گے۔!"

"ارے نہیں پیارے۔" فیاض نے قہقہہ لگایا۔ "وہ تو میں اس لیے لایا تھا کہ تم اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہو ایسے حادثات عموماً یادداشت واپس لے آتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے مسٹر فیاض کہ میری یادداشت ابھی تک واپس نہیں آئی۔ ویسے کیا آپ بتا سکیں گے کہ اس سے پہلے ہماری ملاقات

کب اور کہاں ہوئی تھی؟"

"تو تم۔۔" فیاض کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"ہاں میں آپ کو نہیں پہچانتا مسٹر فیاض۔"

"میں بہت پریشان ہوں عمران۔۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"کیا سمجھنے کی کوشش کروں؟"

"یہی کہ تمہارا ایک دوست پریشان ہے۔"

"لیکن میں تمہارے لیے دوسری بیوی کا انتظام نہیں کر سکتا۔" عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

فیاض نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ چائے آ گئی ملازم کے چلے جانے کے بعد اس نے کہا۔ "تم کتنی دیر میں سنجیدہ ہو سکو گے؟"

"سنجیدگی ہی کے لیے میں نے یہ پیشہ اختیار کیا تھا مگر تم لوگ۔۔"

فیاض نے اُٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔ عمران چائے انڈیل رہا تھا۔ لیکن اس نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ دروازہ کیوں بند کر رہا ہے۔ فیاض واپس آ کر چائے پینے لگا لیکن اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی قسم کی الجھن میں مبتلا ہے۔ دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اور عمران دروازہ کھولنے کے لیے اُٹھ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ بُری طرح بوکھلایا ہوا نظر آنے لگا کیونکہ راہداری میں کرنل ڈکسٹر لنک کی لڑکیاں ایما اور باربرا کھڑی تھیں۔

"اوہ۔۔۔ م۔۔۔ مسٹر ٹام ہنر۔۔" باربرا ہکلائی۔ "ہم دراصل آپکی خیریت دریافت کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

"تشریف لائیے۔۔ تشریف لائیے۔" عمران احتراماً جھک کر بولا۔۔ اور دروازہ کھول کر ایک طرف ہٹ گیا۔ لڑکیاں اندر چلی آئیں لیکن فیاض کی موجودگی نے انہیں کسی حد تک نروس کر دیا تھا۔ شاید وہ یہی سوچ کر آئی تھیں کہ عمران تنہا ہو گا۔۔ فیاض اپنی پلکیں جھپکانے لگا تھا۔

"تشریف رکھیئے۔۔" عمران نے کہا۔۔ فیاض اُٹھ کر مسہری پر بیٹھ گیا۔ لڑکیوں نے نہیں نہیں کر کے بدقت تمام کرسیوں پر بیٹھنا منظور کیا۔

"ہم دراصل آپ کی خیریت دریافت کرنے آئے تھے۔" باربرا نے پھر وہی جملہ دُہرایا۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔ مادموزیل۔۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

لڑکیاں بیٹھ گئی تھیں لیکن کچھ گھبرائی ہوئی سی تھیں اور عمران نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا کہ فیاض انہیں بُری طرح گھور رہا ہے شاید اس کا اس طرح گھورنا ہی ان کی سراسیمگی کا باعث تھا۔

"م۔۔ مسٹر ٹام ہنر۔۔" ایما ہکلائی۔۔ "ممی اپنی ایک پورٹریٹ بنوانا چاہتی ہیں۔ کیا آپ آج شام کی چائے ہمارے ساتھ پئیں گے؟"

"ضرور۔۔ ضرور۔۔" عمران نے بچکانہ انداز میں کہا۔ "آپ کی ممی تو مجھے بالکل اپنی ہی ممی معلوم ہوتی ہیں۔۔ میں پچھلی رات ان کے متعلق بہت دیر تک سوچتا رہا تھا۔"

ایما کی آنکھیں جھکنے لگیں اور باربرا کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ فیاض رہ رہ کر انہیں گھورتا رہا۔ عمران کو اس پر بہت شدت سے غصہ آ رہا تھا۔ وہ لڑکیوں کو باتوں میں الجھائے رہنے کی کوشش کرنے لگا۔ اوٹ پٹانگ باتیں جن پر وہ دل کھول کر ہنس رہی تھیں اور فیاض شاید دل ہی دل میں جھلس رہا تھا لیکن اس نے ایک بار بھی گفتگو میں حصہ لینے کی کوشش نہیں کی۔ پندرہ یا بیس منٹ بعد لڑکیاں شام کے لیے دوبارہ یاد دہانی کراتی ہوئی اُٹھ گئیں۔ اور جب عمران ان کی روانگی کے بعد دروازہ بند کر کے واپس آیا تو فیاض کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم۔۔۔ تم۔۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ تم کیا بلا ہو؟"

"بس بس اب چپ چاپ چلے جاؤ یہاں سے۔۔ ننھی منی لڑکیوں کو اس طرح گھورتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ خدا تمہاری بیوی کو بیوہ کر دے۔"

"بیوی کی بیوگی سے مجھے سروکار نہیں۔" فیاض نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔ "تم مجھے یہ بتاؤ کہ ڈکسٹر لنک کی لڑکیوں سے تمہیں کیا سروکار۔"

"یہ ڈکسٹر لنک کیا بلا ہے؟" عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"بلجیم کے سفیر کا فوجی اتاشی۔"

"تم شاید چائے کے ساتھ بھنگ پی گئے ہو۔ ارے یہ تو مولوی تفضل حسین گوردا سپوری کی لڑکیاں تھیں۔"

"عمران اُڑو نہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ اگر یہ کیس میرے ہاتھ سے نکل گیا تو میری ترقی رُک جائے گی۔ تم جانتے ہو کہ میرا اسسٹنٹ ڈائریکٹری کا چانس ہے۔"

"کس کیس کی بات کر رہے ہو۔؟"

"بلجیم کی شہزادی نگارسیا والا۔"

"یا خدا کس کریک آدمی سے سابقہ پڑا ہے۔" عمران سر پیٹتا ہوا بولا۔ پھر آنکھیں نکال کر کہا۔ "تم مجھے اُلّو بنانے کی کوشش کر رہے ہو یہ شہزادی چمارسیا۔۔ فیاض میں تمہیں اٹھا کر نیچے پھینک دوں گا۔ میرا دماغ خراب نہ کرو۔"

"میں اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ تم اس کیس سے ناواقف ہو۔۔ ہرگز نہیں۔۔ کبھی نہیں۔۔ ورنہ ڈکسٹر لنک کی لڑکیاں۔۔۔۔"

"اب یہاں کچھ باقی نہیں بچے گا۔" عمران اپنے سر کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "فیاض قبل اس کے کہ یہ خالی ہو جائے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ تمہارے کفن دفن کی ذمہ داری شاید انجمن بیوگان بھی نہ لے سکے۔"

"تم سنجیدگی نہیں اختیار کرو گے۔" دفعتاً فیاض نے غصیلی آواز میں کہا۔

"نہیں۔۔ تم چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"تمہارا بیڑہ غرق کر دوں گا۔" فیاض آنکھیں نکال کر گردن جھٹکتا

سمجھا بولا۔ "تم لگاڑ سپاہی کے چکر میں ہو۔ اس معاملے میں کسی غیر سرکاری آدمی کی مداخلت اس کی موت کا پیغام ہو گی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ سر سلطان ہی کی زبانی تمہیں اس کا علم ہوا ہو گا۔ لیکن وہ کسی غیر سرکاری آدمی سے اس سلسلے میں کوئی کام نہیں لے سکتے۔"

"میں آج کل ان کی سسرال والوں کی تصویریں بنا رہا ہوں۔" عمران نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"تم ڈکسٹر لنک کے خاندان میں بھی اپنی لغو قسم کی ہزوالی حیثیت برقرار نہ رکھ سکو گے۔"

عمران چند لمحے اسے سنجیدگی سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم جیسے سرکاری آدمی میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں۔ جاؤ میری طرف سے کھلی اجازت ہے تم ڈکسٹر لنک کے یہاں مجھے قدم نہ جمانے دینا اور تم مسز پلڑ سن کے خیالات بھی میری طرف سے خراب کر سکتے ہو۔"

"تو تم مجھے چیلنج کر رہے ہو۔۔؟"

"تمہیں نہیں بلکہ تمہارے محکمے کو۔۔ محکمے کے بہترین دماغوں کو۔۔ تم تو ایک قیمہ کئے ہو۔"

فیاض کے نتھنے پھولنے لگے۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے موقع ملتے ہی عمران کو چیر پھاڑ کر کھا جائے گا لیکن اس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ چپ چاپ اٹھا اور انتہائی غیظ کے عالم میں باہر نکل گیا۔ عمران نے بھی باہر نکلنے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ فیاض کیا کرتا ہے لیکن خلاف توقع وہ سیدھا باہر نکلا چلا گیا۔۔ عمران سمجھتا تھا کہ وہ مسز پلڑ سن سے ضرور ملے گا۔ مگر اس نے اس کے دفتر کی طرف توجہ تک نہیں دی۔

باہر نکل کر فیاض اپنی کار میں بیٹھا اور کار روانہ ہو گئی عمران چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر سڑک پار کر کے پبلک ٹیلیفون بوتھ میں آیا۔ کسی کے نمبر ڈائل کیے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو۔۔ بلیک زیرو!۔۔۔۔۔ ایکسٹو اسپیکنگ۔"

"یس سر۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"محکمہ سراغرسانی کے کیپٹن فیاض پر گہری نظر رکھو۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"وہ بلجیم کے سفیر کے فوجی اتاشی یا اس کے خاندان والوں سے رابطہ قائم نہ کرنے پائے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"بس بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں جناب۔"

عمران نے ریسیور رکھ دیا۔

بلیک زیرو اس کی نئی دریافت تھی اس سے پہلے اس کا اسی قسم کا ایک ماتحت تنکرال میں کام آچکا تھا۔ عمران دراصل ایک ایسے ماتحت کی موجودگی بے حد ضروری سمجھتا تھا جس کی شخصیت کا علم اس کے بقیہ ماتحتوں کو نہ ہو، دوسرے ماتحت ایک دوسرے سے واقف تھے لیکن بلیک زیرو کے متعلق انہیں کچھ علم نہیں تھا۔ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کے علاوہ ایکسٹو کا اور کوئی ماتحت بھی ہے۔

عمران پھر اپنے کمرے میں واپس آگیا وہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ شاید جولیا ہی کی وجہ سے ہوا تھا۔ عمران نے سوچا وہ اسے سبق ضرور دے گا، بحیثیت ایکسٹو نہیں بلکہ عمران کی حیثیت سے۔ فیاض کی دخل اندازی کھیل بگاڑ بھی سکتی تھی۔ وہ اگر عمران سے الجھے بغیر اس معاملے کی تفتیش کرتا رہتا تو شاید اسے اس کی پرواہ بھی نہ ہوتی مگر اب جبکہ ڈکسٹر لنک خاندان میں اس کے پیر جم چکے تھے فیاض کی مداخلت اسے ناکامی کا منہ بھی دکھا سکتی تھی۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج شام کو وہ لازمی طور پر ڈکسٹر لنک کی کوٹھی میں پہنچنے کی کوشش کرے گا کیونکہ لڑکیوں نے اس کی موجودگی ہی میں عمران کو شام کی چائے کے لیے مدعو کیا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ فیاض نے عمران کی موجودگی میں وہاں پہنچ کر اسے ذلیل کیا ہوتا مگر وہ بے چارہ اس افتاد کو کیا کرتا جس نے اسے کہیں کا نہ رکھا۔ شام کے پانچ بجے تھے۔ عمران ڈکسٹر لنک کی کوٹھی میں پہنچ چکا تھا۔ فیاض کی کار بھی کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر رکی، پھاٹک بند تھا ورنہ وہ کار اندر ہی لیتا چلا گیا ہوتا۔ پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی وہ کار سے اتر کر پھاٹک کی طرف بڑھا اور جھک کر کھڑکی سے گزرنے کی کوشش کی لیکن ٹھیک اسی وقت کوئی چیز اس کی پشت سے ٹکرائی۔ وہ اچھل پڑا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ بھی نکلی کیونکہ اچھلتے وقت اس کا سر کھڑکی کے اوپری حصے سے ٹکرا گیا تھا اور پھر پشت سے ٹکرانے والی چیز پر نظر پڑتے ہی وہ سر کی چوٹ بھی بھول گیا۔ قبل اس کے وہ ادھر ادھر نظر دوڑاتا، دو تین مزید گندے انڈے اس کے جسم پر ٹوٹ گئے۔۔ ایک تو گال ہی پر پڑا تھا جس نے کالر اور ٹائی کی مٹی پلید کر دی۔

فیاض بری طرح بوکھلا گیا لباس برباد ہو چکا تھا اس کی نظر ان راہ گیروں پر پڑی جو چلتے چلتے رک کر اسے حیرت سے دیکھنے لگے تھے ایک ہی جست میں وہ اپنی کار کے اندر تھا اور کار واپسی کے لیے مڑ رہی تھی۔ اس حلیے میں وہ نہ تو کوٹھی ہی میں جا سکتا تھا اور نہ وہیں رک کر یہ معلوم کر سکتا تھا کہ وہ حرکت کس کی تھی۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ ٹوٹے ہوئے گندے انڈوں پر نظر پڑتے ہی اسے عمران پر دانت پیسنا پڑا تھا وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کی جرأت عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔

•

عمران نے چائے کی پیالی رکھ دی اور مسز ڈکسٹر لنک سے بولا۔

"میں آپ کی اتنی شاندار پورٹریٹ تیار کروں گا کہ آپ دیکھ کر دنگ رہ جائیں گی۔"

"اور ہماری تصویریں۔۔؟" ایما نے پوچھا۔

"ہاں۔۔ آپ لوگوں کی بھی، مگر ممی کی تصویر اچھی بنے گی۔" عمران نے کہا۔

"کیوں۔۔؟" باربرا نے پوچھا۔

"مجھے ممی سے زیادہ محبت لگتی ہے۔" عمران بولا اور پھر یک بیک مسز ڈکسٹر لنک کے چہرے پر ممتا کا نور پھیل گیا۔

لڑکیاں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائیں عمران کرنل ڈکسٹر لنک کے متعلق سوچ رہا تھا اس سے نہ پچھلی رات کو ملاقات ہوئی تھی اور نہ اس وقت۔

"میں پاپا کی بھی تصویر بناؤں گا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "وہ کہاں ہیں۔"

"وہ۔۔۔ آج کل ایک ضروری کام میں الجھے ہوئے ہیں۔" مسز ڈکسٹر لنک نے کہا۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔ جب بھی انہیں فرصت ہو گی ان کی تصویر ضرور بناؤں گا اگر وہ غصہ ور آدمی نہیں ہیں، مجھے غصہ ور آدمیوں سے ڈر لگتا ہے۔"

"نہیں۔۔ پاپا بہت ہنس مکھ آدمی ہیں۔" باربرا بولی۔

"تب تو بڑی اچھی بات ہے۔ میں بھی انہیں پاپا کہہ سکوں گا۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور مسز ڈکسٹر لنک چائے کی میز سے اٹھ گئی۔

"ہیلو۔۔ ہیلو۔۔" وہ ماؤتھ پیس میں کہتی رہی۔ "آپ کون ہیں۔ اوہ شاید لائن خراب ہے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ جی۔۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور پھر شاید انکوائری کے نمبر ڈائل کیے اور وہاں لائن کی خرابی کی شکایت کرنے کے بعد پھر میز پر واپس آ گئی۔ باربرا اور ایما چائے ختم کر کے الگ جا بیٹھی تھیں باربرا کے ہاتھ میں عمران کا فائل تھا اور وہ دونوں اس میں تصویریں دیکھ رہی تھیں! دفعتاً باربرا کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی ایما فائل پر جھکی ہوئی تھی اسے بھی مسز ڈکسٹر لنک نے چونکتے دیکھا۔ عمران سر جھکائے بیٹھا میز پر انگلی سے کچھ لکھ رہا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مشغول ہی گیا ہو کہ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔

"ممی۔۔" باربرا نے آواز دی اور مسز ڈکسٹر لنک بھی اٹھ کر ان کے پاس پہنچ گئی۔

"میرے خدا۔۔" اس نے بے ساختہ کہا اور عمران چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"مسٹر ٹام ہلز۔" مسز ڈکسٹر لنک کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔۔ لیکن آگے کچھ نہ کہہ سکی، فائل اس وقت اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہو۔

"ہاں ممی۔" عمران نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"کک۔۔۔ کچھ نہیں۔۔ تم واقعی بہت اچھے آرٹسٹ ہو۔"

"شکریہ ممی۔"

ماں بیٹیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ماں نے باربرا کو کچھ اشارہ کیا اور وہ وہاں سے اٹھ گئی اور پھر وہ بھی ایما کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کرتی ہوئی چلی گئی۔ عمران کا فائل وہ اپنے ساتھ ہی لے گئی تھی۔ عمران نے ایما کی طرف دیکھ کر پوچھا۔۔

"تم پڑھتی ہو۔۔؟"

"میں ثانوی تعلیم کا کورس مکمل کر رہی ہوں۔۔ اگلے سال یونیورسٹی میں داخلہ لوں گی۔"

"تمہیں مصوری سے دلچسپی ہے؟"

"بہت زیادہ۔۔ مگر آپ نے یہ فن کہاں سیکھا تھا؟"

"شاید پیرس میں۔"

"لیکن۔۔ آپ اپنے وطن کا نام نہیں بتا سکتے۔"

"ہر وہ جگہ میرا وطن ہے جہاں میں رہتا ہوں۔ تمہارے پاپا اور ممی میرے پاپا اور ممی ہیں۔۔ میرے کوئی پاپا نہیں ہیں۔ میرے پاپا ہوتے تو میں ان سے کہتا کہ مجھے ایک ٹرائیسکل لا دو!"

"آپ اتنے بڑے ہیں۔" ایما ہنس کر بولی۔ "ٹرائیسکل پر بیٹھیں گے۔"

"اوہ۔۔" عمران کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آئے۔۔ "میں بھول گیا تھا۔" پھر اس کی آواز دردناک ہو گئی۔ "بات دراصل یہ ہے کہ بعض اوقات میں خود کو ایک ننھا سا بچہ تصور کرنے لگتا ہوں اور۔۔" جملہ پورا ہونے سے قبل ہی باربرا اور اس کی ماں واپس آ گئیں لیکن اب مسز ڈکسٹر لنک کے ہاتھ میں عمران کا فائل نہیں تھا۔ باربرا بھی خالی ہاتھ تھی۔

پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک عمران کو ادھر ادھر کی باتوں میں الجھائے رہیں اور اس دوران میں عمران بالکل کھویا ہوا سا نظر آ رہا تھا اس نے ایک بار بھی ان سے اپنے فائل کے متعلق نہیں پوچھا دفعتاً دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک طویل قامت آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی مونچھیں گھنی اور نوکیلی اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ چہرے پر رعب تھا۔ وہ سب کھڑے ہو گئے اور عمران کچھ خوف زدہ سا نظر آنے لگا۔ ایما نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس پڑی۔

"ارے یہ تو بابا ہی، مسٹر ٹام ہلز۔" اس نے کہا۔

"اوہو.... میرا آداب قبول کیجیے جناب۔" عمران قدرے جھک کے بولا۔ آنے والے نے اس پر تنقیدی نظر ڈالی اور اپنے خاندان والوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"وہ کہاں ہے۔" پھر اس نے عمران سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "تشریف رکھیے جناب مجھے آپ کے متعلق ان لوگوں سے معلوم ہوا تھا۔" عمران ایک بار پھر احتراماً جھکا اور بیٹھ گیا۔ مسز ڈکسٹر لنک کمرے سے جا چکی تھی۔

"یہ بہت اچھی تصویریں بناتے ہیں پاپا۔" باربرا بولی۔

"اچھا۔"

"ابھی ہم ان کا فائل دیکھ رہے تھے آپ دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔"

اتنے میں مسز ڈکسٹر لنک فائل لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ کرنل ڈکسٹر لنک کے چہرے پر اضطراب کے آثار تھے۔

"دیکھیے یہ... یہ فائل ہے۔" باربرا فائل اپنی ماں کے ہاتھ سے لے کر ڈکسٹر لنک کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

ڈکسٹر لنک نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فائل سنبھالا۔ جسم کی بناوٹ کے اعتبار سے وہ اعصابی اختلال کا مریض نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر بھی وہ کچھ نروس سا نظر آنے لگا تھا۔ وہ فائل کے اوراق الٹتا رہا۔ پھر اس کی بیوی نے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا اور ڈکسٹر لنک کے منہ سے تحیر زدہ سی آواز نکلی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس نے عمران کی طرف حیرت سے دیکھا جو اس وقت بھی میز پر انگلی سے کچھ لکھ رہا تھا۔

"مسٹر... اوہ میں آپ کا نام بھولتا ہوں۔" ڈکسٹر لنک نے تھوک نگل کر کہا۔

"لڑنی... " عمران بولا۔ "مجھے لڑنی ہی کہیے پاپا۔ تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اَر... اچھا۔ دیکھیے یہ تصویر آپ کو کہاں سے ملی اور یہ کس کی ہے۔" اس نے فائل سے ایک کیمو فوٹو نکال کر عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اوہ... یہ سی نوٹیا شیماز ہیں۔ اطالیہ کی باشندہ۔ کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟ انہوں نے مجھ سے اپنی ایک پورٹریٹ بنوائی تھی لیکن ابھی تک واپس نہیں آئیں۔ پورٹریٹ تیار کی رکھی ہے۔"

"یہ کتنے عرصے کی بات ہے جناب۔" ڈکسٹر لنک نے پوچھا۔

"شاید ڈیڑھ ماہ گزرے۔" عمران نے یادداشت پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ آپ کی قیام گاہ پر آئی تھیں؟"

"نہیں... یہ گرانڈ ہوٹل میں ملی تھیں، شاید بہت زیادہ پی گئی تھیں انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں انہیں ان کے گھر تک پہنچا دوں۔"

"پھر آپ نے کیا کیا۔" ڈکسٹر لنک بہت زیادہ مضطرب نظر آنے لگا۔

"میں نے انہیں ان کے گھر پہنچا دیا اور انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ میں ایک مصور ہوں تو انہوں نے مجھے اپنی تصویر دی اور کہا کہ میں ان کی پورٹریٹ تیار کر دوں۔"

"گھر آپ کو معلوم ہے۔"

"جی ہاں۔ مگر وہ اس کے بعد سے مجھے نہیں ملیں۔ اکثر ان کی پورٹریٹ لے کر میں وہاں جاتا رہا ہوں۔ مکان پر اب بھی ان کے نام کا بورڈ موجود ہے لیکن وہ مقفل رہتا ہے۔"

"آپ کو یقین ہے کہ مکان ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔"

"یہ میں نہیں کہہ سکتا، ویسے میں جب بھی وہاں گیا ہوں اسے مقفل ہی پایا ہے۔"

"مکان کا پتہ بتائیے میں بے حد مشکور رہوں گا۔"

"افسوس میں پتہ نہیں بتا سکوں گا۔ مجھے گلیوں اور سڑکوں کے نام نہیں یاد رہتے، ویسے میں آپ کو وہ مکان دکھا سکتا ہوں۔"

"مسٹر لڑنی۔ اگر آپ اندھیرا پھیلنے تک یہیں ٹھہریں تو میں بے حد ممنون ہوں گا۔"

"میں ٹھہر جاؤں گا پاپا۔"

"بات یہ ہے کہ میں ایسے وقت میں اس لڑکی سے ملنا چاہتا ہوں جب مجھے کوئی نہ دیکھ سکے۔"

"اوہ... اچھا میں سمجھ گیا۔"



بیگم مہربانی کرکے ایک گھنٹہ اور سونے دو۔

"کیا سمجھ گئے۔" مسٹر ڈکسٹر لنک نے پوچھا۔

"یہی کہ پاپا کچھ آدمیوں کو دھوکے میں رکھ کر وہاں جانا چاہتے ہیں۔"

"ہاں یہی سمجھ لو۔" ڈکسٹر لنک نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

❁

فیاض بہرحال پریشان گھر پہنچا۔ کپڑے اتارے اور غسل خانے جا گھسا۔ اس کا سارا جسم غصے سے تپ رہا تھا اور دماغ کی وہ کیفیت جو پاگل پن سے مختلف نہیں ہوتی۔ ٹھنڈے پانی کے شاور نے بھی اس کا غصہ دھیما کرنے میں مدد نہیں دی۔ غسل خانے سے نکل کر اس نے فون پر ڈکسٹر لنک خاندان سے رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن لائن ٹھیک نہیں تھی، کوئی عورت دوسری طرف سے بولی تھی لیکن ... نے کیا کہا ... فیاض سمجھ نہیں سکا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ عمران کی ٹہنیاں چبا ڈالے۔ اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور پھر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ غنیمت تھا کہ اس کی بیوی اس وقت گھر پر موجود نہیں تھی ورنہ اس بُری طرح اس کا مذاق اڑاتی کہ فیاض کو سر پیٹ لینا پڑتا۔ کچھ دیر بعد اس کی کار عمران کے والد رحمان صاحب کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ کوٹھی پہنچ کر اسے ڈرائنگ روم میں تقریباً آدھے گھنٹے تک رحمان صاحب کا انتظار کرنا پڑا۔ وہ سی آئی بی کے ڈائریکٹر جنرل تھے اور فیاض ان کا ایک ادنیٰ ترین ماتحت۔ لہٰذا اُسے کسی مریض خانے کے منشی کی طرح انکا انتظار کرنا پڑا۔

پھر جب وہ ڈرائنگ روم میں آئے تو فیاض کی پہلے سے تیار کی ہوئی تقریر ذہنی بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔ رحمان صاحب کے چہرے سے بھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس وقت فیاض کی آمد انہیں گراں گزری ہو۔

"جج... جناب میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو حالات سے آگاہ کر دوں۔" فیاض ہکلایا۔

"کیسے حالات... بیٹھو۔" رحمان صاحب نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"عمران کے متعلق۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔" رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔

"انہیں کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے۔ وہ نگار سیا والے کیس میں مداخلت کر رہے ہیں۔"

"میں اس کے متعلق بڑی سے بڑی خبریں سننے کے لیے بھی ہر وقت تیار رہتا ہوں۔"

"آپ... وہ..."

"کچھ بھی نہیں۔" رحمان صاحب نے فیاض کی بات کاٹ کر کہا۔ "اسے اس راہ پر لگانے والے بھی تم ہی ہو۔"

"میں..." فیاض نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں تم۔" رحمان صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کیا تم اسے اپنے ساتھ نہیں لیے پھرتے تھے... ورنہ ایک سائنس کے گریجویٹ کو جرائم سے کیا سروکار۔"

فیاض خاموش ہو گیا اور رحمان صاحب بولے۔ "اگر وہ نگار سیا کے کیس میں کچھ رہا ہے تو تم اُسے قانون کے حوالے کر دو۔ اس سے زیادہ ... اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

پھر وہ اٹھ گئے۔ فیاض بھی اٹھا لیکن واپسی پر وہ کافی خوش نظر آ رہا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ عمران کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دینے کے بعد ہی اس سے بات کرے گا۔ پہلے تو اس کا ارادہ تھا کہ سیدھا گھر ہی جائے گا لیکن پھر سوچا کہ نکن اسٹریٹ ہی جانا چاہیے۔ اُسے شام کے گندے انڈے یاد تھے اور وہ جلد از جلد عمران سے انتقام لینا چاہتا تھا لیکن اسے مایوسی ہی ہوئی کیونکہ عمران کا کمرہ مقفل تھا اور مسٹر بلڈسن سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس نے سوچا کہ اس سے غلطی ہوئی۔ اُسے پھر ڈکسٹر لنک سے ملنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی مگر ... سے ... کا خیال آتے ہی وہ دوبارہ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا۔

ایلمر ہاؤس سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ تھا۔ فیاض اسی پر ٹوٹ پڑا۔ ایک بار پھر ڈکسٹر لنک کے نمبر ڈائل کیے لیکن اس کی لائن ابھی تک خراب تھی، وہ عمران کی حیرت انگیز صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھا لہٰذا اس نے لائن کی خرابی بھی اُسی کے سر تھوپ دی۔ پھر ہر طرف سے مایوس ہو کر وہ گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ اب وہ اس بات کو اتنا طول بھی دینا نہیں چاہتا تھا کہ براہ راست بلجیم کے سفارت خانے میں جا گھستا۔

❁

عمران اور ڈکسٹر لنک کار سے اترے۔ یہ ایک نیم تاریک جگہ تھی۔ تھا تو سڑک ہی کا معاملہ مگر شاید یہاں کی لائن خراب تھی۔ بجلی کے ستون تاریک پڑے تھے۔ البتہ مکانوں کی کھڑکیوں سے گزر کر آنے والی روشنی نے سڑک کو بالکل ہی تاریک نہیں ہونے دیا تھا۔

"دیکھیے یہی عمارت ہے پاپا!" عمران نے ایک عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

یہ ایک بڑی عمارت تھی جس کے کمپاؤنڈ کا پھاٹک بند تھا۔ عمارت باہر ہی سے تاریک نظر آ رہی تھی۔ نہ کمپاؤنڈ میں روشنی تھی اور نہ کوئی کھڑکی ہی روشن نظر آ رہی تھی۔

"تمہیں یقین ہے کہ تم غلطی نہیں کر رہے ہو؟" ڈکسٹر لنک نے پوچھا۔

"مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ میں غلطی نہیں کر رہا۔" عمران نے

جواب دیا۔ ڈکسٹر لنک نے پھاٹک کا قفل ٹٹولا اور پھر سلاخوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ہمیں سلاخوں پر چڑھ کر دوسری طرف جانا پڑے گا۔" اس نے کہا۔ "کیا تم میرا ساتھ دو گے؟"

"یقیناً... کیا میں پہلے چڑھوں؟" عمران بولا۔

"نہیں پہلے میں جاؤں گا۔" ڈکسٹر لنک نے کہا اور پھاٹک پر چڑھ کر دوسری طرف کمپاؤنڈ میں اتر گیا اس کے بعد عمران نے بھی یہی کیا، پھر وہ ایک روش طے کر کے برآمدے میں آئے، یہاں گہری تاریکی تھی۔ یہاں بھی صدر دروازہ مقفل تھا۔ ڈکسٹر لنک نے کہا۔ "تم پھاٹک پر نظر رکھنا، میں قفل کھولنے جا رہا ہوں۔"

"میری نظر پھاٹک پر ہی ہے پاپا لیکن اگر کسی نے چور سمجھ کر ہمیں گولی مار دی تو مجھے بے حد افسوس ہو گا۔ آپ خود سوچیے!"

"تم ڈرو نہیں..." ڈکسٹر لنک نے کہا لیکن اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ تک وہ کسی اوزار سے قفل کھولنے کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

"نہیں کھلتا۔" اس نے تھک ہار کر کہا۔

"اچھا اب یہاں آ جائیے میری جگہ پر۔" عمران بولا۔

"کیا تم کھول سکو گے؟"

"مشکل سے آدھا منٹ صرف ہو گا۔"

"تو آؤ..." ڈکسٹر لنک بولا۔

یہ حقیقت ہے کہ عمران نے آدھے منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیا۔

"چلو چلو۔" ڈکسٹر لنک اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم بہت ہوشیار آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

راہداری میں پہنچ کر ڈکسٹر لنک نے ایک چھوٹی سی ٹارچ روشن کر لی اور وہ دونوں اسی کی روشنی میں آگے بڑھتے رہے۔ انہیں زیادہ تر کمرے خالی ہی نظر آئے۔ پوری عمارت میں صرف دو ایسے کمرے مل سکے جن میں کچھ سامان دکھائی دیا تھا۔ ان میں سے ایک تو سونے کا کمرہ معلوم ہوتا تھا اور دوسرا نشست کا۔

ڈکسٹر لنک سب سے پہلے خواب گاہ کی طرف متوجہ ہوا اور ذرا ہی سی دیر میں وہاں کا سارا سامان الٹ پلٹ ڈالا۔ یہ کسی عورت ہی کی خواب گاہ معلوم ہوتی تھی کیونکہ وہاں انہیں مردانہ ملبوسات نہیں ملے۔ زنانہ کپڑے البتہ برآمد ہوئے اور وہ کسی یوروپین ہی عورت کے ہو سکتے تھے۔

پھر وہ نشست کے کمرے میں آئے۔ عمران نہ جانے کیوں مسکرا رہا تھا لیکن جب بھی ڈکسٹر لنک کی نظر اس کی طرف اٹھتی وہ اس طرح سنجیدہ نظر آنے لگتا جیسے اس کے ہونٹوں نے برسوں سے مسکراہٹ کی شکل تک نہ دیکھی ہو۔

نشست کے کمرے میں دو الماریاں تھیں اور ایک لکھنے کی میز بھی نظر آ رہی تھی۔ یہاں ڈکسٹر لنک کا انہماک پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا۔ وہ میز پر رکھے ہوئے کاغذات پر ٹوٹ پڑا تھا۔ کچھ دیر تک میز پر جھکا رہا پھر الماریوں کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ عمران کے حلق سے ایک خوفزدہ سی آواز نکلی۔ ڈکسٹر لنک اچھل پڑا۔ دروازے میں چار آدمی نظر آ رہے تھے، جن کے چہروں پر سیاہ نقابیں تھیں، اور ہاتھوں میں ریوالور... یہ کہنا فضول ہی ہو گا کہ ریوالور کے رخ ان دونوں کی طرف تھے۔ ڈکسٹر لنک نے جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" ایک نقاب پوش نے گرج کر کہا۔

ڈکسٹر لنک کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ عمران پہلے ہی کی طرح کھڑا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں گھورتا رہا۔

"کیا تم نے سنا نہیں۔" نقاب پوش نے عمران سے کہا۔

"سن لیا ہے۔" عمران بڑی سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

عمران نے ایک ہاتھ اوپر اٹھایا۔

"دونوں...!" نقاب پوش پھر گرجا۔

"پھر میں اپنی ناک کیسے صاف کروں گا۔" عمران نے بھولے پن سے کہا۔ "مجھے زکام ہو گیا ہے۔"

"میں گولی مار دوں گا... ورنہ دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔"

"میں تو نہیں اٹھاؤں گا۔ تم گولی مار دو۔" عمران نے کسی ضدی بچے کے سے انداز میں کہا۔

"ہاتھ اٹھا دو۔" ڈکسٹر لنک نے کہا۔

"اچھی بات ہے پاپا۔" عمران ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "آپ کے حکم کی تعمیل ضرور کروں گا، ورنہ چار کیا چار سو ریوالور بھی میرے ہاتھ اوپر نہیں لے جا سکتے۔" عمران نے ہاتھ اٹھا دیے۔

"تم لوگ کون ہو؟" نقاب پوش نے دو چار قدم آگے بڑھا کر کہا۔

"م... میں..." عمران ہکلایا۔ "ٹونی ٹام ہلز... ایک کمرشل آرٹسٹ اور یہ پاپا..."

"ہشت۔ تم خاموش رہو۔" ڈکسٹر لنک بڑبڑایا، پھر نقاب پوشوں سے بولا۔ "تم لوگ اپنے متعلق بتاؤ تو بہتر ہے کیونکہ تم نے اپنے چہرے بھی چھپا رکھے ہیں۔"

"کیا تم وصیت کیے بغیر ہی مرنا چاہتے ہو؟" نقاب پوش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مار ڈالنے کی دھمکیاں میرے لیے کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔" ڈکسٹر لنک لاپروائی سے بولا۔ "ویسے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ مجھے نگار سیا کا پتہ بتا دو۔"

"اوہ... تم لوگ۔" نقاب پوش نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سوچ رہا ہو کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ دفعتاً اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر کچھ کہا اور پھر وہ چاروں اتنی سرعت سے باہر نکل گئے کہ ڈکسٹر لنک کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اسے ہوش اس وقت آیا جب اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور قفل میں کنجی گھومنے کی آواز نے تو اسے پاگل ہی کر دیا۔ وہ دروازے کی طرف جھپٹا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگا... مگر بے سود۔ دروازہ باہر سے مقفل کیا جا چکا تھا۔

"ہائے پاپا... اب کیا ہو گا۔" عمران کراہا۔

مگر پاپا بے چارہ کیا جواب دیتا۔ وہ خود ہی سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا۔

"یہ آپ نے کہاں لا کر پھنسا دیا۔" عمران نے پھر کہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رو پڑے گا۔

"صبر کرو لڑکے... صبر۔" ڈکسٹر لنک مضطربانہ انداز میں بولا۔ "کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔"

"کتنی دیر میں نکل آئے گی...؟"

"خاموش بھی رہو۔" ڈکسٹر لنک جھنجھلا گیا۔

"ارے واہ۔" عمران ہاتھ نچا کر بولا۔ "پہلے چوروں کی طرح یہاں گھسے پھر اس طرح چوہے دان میں پھنس گئے۔"

"لڑکے خدا کے لیے خاموش رہو۔ مجھے سوچنے دو۔"

"سوچیے۔" عمران برا سا منہ بنا کر بولا۔

دس منٹ گزر گئے لیکن ڈکسٹر لنک سوچتا ہی رہا۔

"اوں ہوں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "تم نہیں سوچ سکتے پاپا، اب مجھے سوچنے دو؟"

"میں نے کب منع کیا ہے۔" ڈکسٹر لنک پھر جھلا گیا۔

"تو میں کچھ سمجھے بوجھے بغیر کیسے سوچوں گا۔ یہ چار سیا کون ہے؟ جس کے متعلق تم نے ان لوگوں سے پوچھا تھا۔"

"نگار سیا۔" ڈکسٹر لنک نے تصحیح کی۔ "یہ وہی لڑکی جس کی تصویر تمہارے فائل میں تھی۔ اس نے تمہیں اپنا نام غلط بتایا تھا۔"

"ہائیں... نہیں۔" عمران نے حیرت ظاہر کی۔

"ہاں لڑکے اس نے تمہیں اپنا نام غلط بتایا تھا۔"

"کیا وہ کوئی چور لڑکی تھی...؟"

"نہیں... ایسا نہیں ہے۔"

"پھر تم اس طرح یہاں کیوں آئے تھے؟ کیا وہ تمہاری محبوبہ ہے پاپا؟"

"فضول باتیں نہ کرو۔ وہ بلیم کی شہزادی ہے۔"

"ارے باپ رے۔" عمران دونوں ہاتھوں سے سینہ تھام کر فرش پر بیٹھ گیا۔

"کیوں کیا ہوا...؟"

"شہزادی تھی... میرے خدا۔ میں نے اسے گاڑی سے گود میں لے کر اتارا تھا..." عمران اس بری طرح کانپنے لگا جیسے جاڑا دے کر بخار آ گیا ہو۔

ڈکسٹر لنک ہنسنے لگا۔ پھر عمران کا شانہ تھپتھپا کر اسے فرش سے اٹھاتا ہوا بولا۔ "وہ شہزادی تھی شیرنی نہیں۔ تم اتنے بدحواس کیوں ہو رہے ہو۔"

"اب مجھے یاد آیا۔ نگار سیا۔" عمران اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "وہ یہاں سرکاری دورے پر آئی تھی یک بیک گورنمنٹ ہاؤس سے غائب ہو گئی۔ شاید میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا مگر اخبار میں یہ بھی تو تھا کہ شہزادی لوگوں کو متحیر کر دینے کی بے حد شائق ہے، ممکن ہے اس نے اسی لیے روپوشی اختیار کر لی ہو اور کچھ دنوں بعد پھر ظاہر ہو جائے۔"

"ہاں، اخبارات میں یہی خبر آئی تھی... لیکن..."

"لیکن کیا...؟"

"حقیقت کا علم میرے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔"

"حقیقت کیا ہے پاپا... ڈیئر...؟"

"وہ تمہیں نہیں بتائی جا سکتی کسی کو بھی نہیں بتائی جا سکتی۔"

"پھر... میں کیسے کچھ سوچ سکوں گا، پتہ نہیں وہ لوگ واپس آ کر کس طرح پیش آئیں۔" عمران نے مایوسانہ انداز میں کہا اور ڈکسٹر لنک کچھ سوچنے لگا۔

"بولو... پاپا۔ مجھے بتاؤ ممکن ہے میں اسے تلاش کرنے میں مدد دے سکوں ورنہ تم اس اجنبی ملک میں تنہا کیا کر سکو گے...؟"

"تم ہی کیا کر سکو گے نیم دیوانے لڑکے۔"

"کچھ بھی نہیں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "میں تو اس لیے پیدا ہوا تھا کہ تمہارے ساتھ مار ڈالا جاؤں۔ تم کیا سمجھتے ہو پاپا... کیا وہ لوگ ہماری دعوت کا انتظام کرنے گئے ہیں۔"

ڈکسٹر لنک پھر کچھ سوچنے لگا، اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ "آؤ۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ لوگ مجھے زندہ نہ چھوڑیں اور تم کسی طرح بچ سکو۔ اس لیے میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ تم براہ کرم میرے ملک کے سفیر کو ان حالات سے آگاہ کر دینا۔"

"بالکل قطعی، تم مطمئن رہو پاپا، میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتا ہوں۔"

"میں یہاں آنے سے قبل بادشاہ کے محافظ دستے کا کمانڈر تھا اور شاہی محل کے بیشتر رازوں کا علم رکھتا تھا۔ میرے ایک ماتحت آفیسر کیپٹن راگوین کی نگار سیا سے محبت میرے لیے پوشیدہ نہیں تھی خود نگار سیا بھی اس پر جان دیتی تھی۔ میں نے راگوین کو بہت سمجھایا کہ وہ اس خبط سے باز آ جائے لیکن اس نے بڑی قسمیں کھائیں کہ وہ

سب کچھ غلط ہے اس کا شہزادی لگارسیا سے کوئی تعلق نہیں میں خاموش ہوگیا لیکن میری آنکھیں بہت کچھ دیکھتی رہیں اور شہزادی بھی اس کے لیے پاگل ہو رہی تھی۔ آخر شاہی خاندان کے کچھ افراد کو اس کا علم ہوگیا اور راگوین ملک بدر کر دیا گیا۔ شہزادی بہت روئی پیٹی مگر یہ شاہی خاندان کے وقار کا سوال تھا۔ اور میں تمہیں بتاؤں۔ جس دن شہزادی یہاں سرکاری دورے کے لیے پہنچی تھی راگوین مجھے دکھائی دیا تھا۔"

"یہاں..؟" عمران نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.. یہاں لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی بڑی بات ہو جائے گی میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ شہزادی شاہی خاندان کا وقار اس طرح خاک میں ملا ئے گی۔"

"مگر پاپا۔ تم نے اپنے سفیر کو اس بات سے کیوں نہیں مطلع کیا؟"

"بدنامی کے خیال سے، میں نہیں چاہتا کہ ہمارا شاہی خاندان ساری دنیا میں بدنام ہو جائے، اسی لیے اسے شہزادی کی افتادِ طبع کا نتیجہ قرار دینے کی کوشش کی گئی ممکن ہے ہم اسے پانے میں کامیاب ہی ہو جائیں اور میں قسم کھا چکا ہوں کہ راگوین جہاں کہیں بھی نظر آیا اسے بے دریغ قتل کر دوں گا۔"

"تو تم نے صحیح حالات سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا۔"

"نہیں۔ تمہارے یہاں کا محکمۂ سراغرسانی بڑی جدوجہد کر رہا ہے لیکن اسے بھی صحیح حالات کا علم نہیں ہے اور لڑکے میں تم پر اعتماد کرتا ہوں! تم میرے ملک کے سفیر کے علاوہ اور کسی سے بھی) اس کا تذکرہ نہ کرنا! وہ جو کچھ مناسب سمجھے گا کرے گا۔"

"بہت ممکن ہے کہ وہ یہاں سے چلے گئے ہوں۔" عمران نے کہا۔

"نہیں یہ ناممکن ہے وہ ایسے وقت میں اس شہر سے بھی نکلنے کی ہمت نہیں کریں گے جب کہ ان کے لیے اتنا ہنگامہ برپا ہو گیا ہے سارے ملک کی خفیہ پولیس حرکت میں آگئی ہے اور پھر راگوین کو اس طرح بھاگنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ میک اپ کا ماہر ہے۔ شہزادی کی صورت بدل دے گا اور اپنی بھی، جب ہنگامہ فرو ہو جائے گا تو دونوں چپ چاپ کسی طرف نکل جائیں گے!"

"شہزادی کی تصویر تو ہے میرے پاس۔" عمران کچھ سوچتا ہوا بولا "لیکن راگوین کی تصویر بھی کہیں سے مل سکے گی؟"

"ہاں میرے پاس ایک گروپ فوٹو ہے جس میں وہ بھی موجود ہے۔"

"اچھا تو پاپا اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"کیا مطلب؟" ڈکسٹر لنک چونک کر اسے گھورنے لگا۔

"ارر... مطلب یہ کہ یہاں سے نکلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"کیسے؟ کیا کرو گے؟ ممکن ہے باہر زیادہ آدمی موجود ہوں؟"

"پرواہ مت کرو۔ پاپا میں اپنے وقت کا ہرکولیس ہوں... اس دروازے ہی کو اکھاڑ کر پھینک دوں گا..!"

"ارے... بس اب خاموش رہو۔ مجھے کچھ سوچنے دو۔ میں چوہوں کی طرح مرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"سوچو... میں اپنا کام شروع کرنے جا رہا ہوں۔" عمران دیوار پر ہاتھ ٹیک کر پہلوانوں کی طرح زور کرنے لگا.. پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دروازے کی طرف مڑا اور اس وقت ڈکسٹر لنک کی حیرت قابلِ دید تھی جب عمران کی ایک ہی ٹکر سے دروازہ چوکھٹ سمیت اچھل کر راہداری میں جا پڑا۔ عمران نے بھی راہداری میں چھلانگ لگائی۔

"پاپا.. ڈیئر۔" اس نے راہداری سے ڈکسٹر لنک کو آواز دی۔

"سوچ چکے ہو تو آؤ۔" کرنل ڈکسٹر لنک لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔

"چلو۔ چپ چاپ نکل چلو۔" ڈکسٹر لنک نے سرگوشی کی۔

"نہیں۔ میں تو یہاں کھڑا ہو کر ایک گیت گاؤں گا.. پاپا میں بیسویں صدی کا ہرکولیس ہوں۔"

"چلو..." ڈکسٹر لنک اس کا بازو پکڑ کر صدر دروازے والی راہداری کی طرف کھینچنے لگا۔ عمران نے اس کے خلاف جدوجہد نہیں کی۔ صدر دروازہ بھی باہر سے بند ملا لیکن وہ ایک کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آگئے۔

"شاید وہ ہمارے متعلق کسی کو اطلاع دینے گئے ہیں۔" ڈکسٹر لنک بولا۔

"ہو سکتا ہے" کیا ہم ان کا انتظار کریں گے؟" عمران نے پوچھا۔

"تم طاقت ور ضرور ہو مگر عقل سے خالی۔" ڈکسٹر لنک نے کہا۔ "چلو اب یہاں ٹھہرنا موت ہی کو دعوت دینا ہوگا۔"

"اچھا تو چلو۔ میں تو وہی کروں گا جو تم کہو گے۔"

دونوں پھاٹک سے گزر کر سڑک پر آگئے اور تھوڑی ہی دیر بعد ان کی کار چل پڑی۔ ڈکسٹر لنک عمران کو اپنی کوٹھی ہی کی طرف لے جا رہا تھا۔

●

تقریباً گیارہ بجے شب کو عمران اپنے فلیٹ میں پہنچا اس نے بکن اسٹریٹ کے ایلمر ہاؤز والی قیام گاہ کا رخ نہیں کیا تھا۔ اسے فیاض کی طرف سے خدشہ تھا کہ اس نے وہاں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور مچائی ہوگی۔

یہ عمران کی کامیاب رات تھی اور وہ کافی مسرور نظر آ رہا تھا۔ اس نے فون پر بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کیے.. دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

"تم بہت اچھے ہو بلیک زیرو۔ تم نے جس خوبصورتی سے اس دروازے کو سیٹ کیا تھا۔ اس کی داد نہیں دی جا سکتی.. مجھے طاقت زیادہ نہیں لگانی پڑی تھی۔"

"میں ڈر رہا تھا جناب کہ کوئی کچا پن نہ رہ گیا ہو۔" بلیک زیرو نے کہا۔

"تم بہت اچھے ہو مگر تمہارے ساتھ تین آدمی اور کون تھے۔"

"صفدر، سعید، چوہان اور تنویر۔" بلیک زیرو نے جواب دیا.... "وہ بے چارے مجھے ایکسٹو سمجھتے رہے بلکہ میں نے ایکسٹو ہی کی حیثیت سے انہیں فون کر کے اس کام کے لیے طلب کیا تھا۔"

"بہت اچھے! ہاں فیاض کا کیا رہا؟"

"فیاض.." دوسری طرف سے آواز آئی "جب وہ ڈکسٹر لنک کی پاؤنڈ میں داخل ہو رہا تھا اس کے جسم پر گندے انڈے ٹوٹ گئے۔ پھر شاید وہ غسل کرنے کے لیے چپ چاپ واپس چلا گیا.. اس کے بعد میں نے ڈکسٹر لنک کی کوٹھی، ایلمر ہاؤز اور بلیم کے سفارت خانے کے ٹیلیفون تمہیں خراب کر دیں۔"

"گڈ.. میں تمہیں بہت پسند کرنے لگا ہوں بلیک زیرو۔"

"مہربانی ہے آپ کی جناب! مگر کیا آپ مجھے اس راز میں شریک رکھیں گے؟"

"ضرور.. ضرور.. میں تمہیں اس مہم کا انچارج بنا چکا ہوں.. سنو! یہ سب کچھ میں نے اسی لیے کیا تھا کہ لگارسیا کے متعلق ان حقائق سے واقف ہو سکوں جن کا علم ہماری حکومت کو نہیں ہو سکا۔ بلیم کے سفارت خانے ہی سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ کرنل ڈکسٹر لنک اس کی گمشدگی کے سلسلے میں کوئی خاص بات جانتا ہے لہٰذا مجھے اس کی زبان کھلوانے کے لیے اتنا ڈھونگ کرنا پڑا۔"

"کیا وہ بات آپ نے معلوم کر لی؟"

"قطعی۔" عمران نے کہا اور ڈکسٹر لنک سے جو کچھ بھی معلوم کر سکا تھا دہرا دیا۔

"وہ آپ ہی کا کام تھا جناب.. اور کسی سے یہ نہ ہو سکتا۔" بلیک زیرو بولا۔

"اب ڈکسٹر لنک میرے پنجے سے نہیں نکل سکتا۔"

"مگر اب وہ اس عمارت کے پیچھے ضرور پڑ جائے گا۔"

"نہیں وہ اتنا احمق بھی نہیں ہے.. وہ اس فکر میں ہے کہ اس بات کے پھیلنے سے پہلے ہی کیپٹن راگوین کو تلاش کر کے قتل کر دے۔ ہاں دیکھو بلیک زیرو تمہاری اصل شخصیت میرے دوسرے ماتحتوں پر نہ ظاہر ہونے پائے۔"

"نہیں جناب حتی الامکان ایسا نہ ہونے دوں گا۔ مطمئن رہیں۔"

"ویسے تو میں تمہاری طرف سے مطمئن ہوں۔"

"ہاں تو کیا اب آپ ایلمر ہاؤز واپس جائیں گے۔؟"

"ایلمر ہاؤز واپس جا کر کیا کروں گا۔ مقصد حل ہو گیا۔ میں تو اب ڈکسٹر لنک کی کوٹھی ہی میں قیام کروں گا۔"

"جی..." بلیک زیرو کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، یہ اسی کی پیشکش ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خود اسے بھی مصوری سے بے حد دلچسپی ہے اس لیے وہ اپنی لڑکیوں کو بھی مصوری سکھوانا چاہتا ہے۔ بہرحال تم مجھے یہ معلوم کر کے بتاؤ کہ فیاض نے میرا راز مسز ہڈسن پر تو نہیں ظاہر کیا؟"

"ابھی آدھے گھنٹے کے اندر اندر معلوم کر کے بتاتا ہوں۔"

"ٹھہرو... اگر فیاض اس تک نہ پہنچ سکا ہو تو مجھے اسی پبلک ٹیلیفون بوتھ سے مطلع کرنا جو ٹاؤن ہال کے قریب ہے۔"

"بہت بہتر جناب.."

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر بیس منٹ بعد ہی اس نے بلیک زیرو کی کال ریسیو کی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"نہیں جناب مسز ہڈسن تک فیاض اپنی بات نہیں پہنچا سکا۔"

"بہت اچھا۔ تم وہیں ٹھہرو ٹھیک پندرہ منٹ بعد ایلمر ہاؤز پہنچ کر میرا سامان وہاں سے اٹھوا لینا یہ سامان دانش منزل میں پہنچا دیا جائے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"مسز ہڈسن سے کہنا کہ مسٹر ٹام ہاز کے چچا نے سامان منگوا لیا ہے۔" عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا پھر اس نے مسز ہڈسن کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔ وہ شاید ابھی تک اپنے آفس ہی میں موجود تھی۔

"لیکن ممی پلیز.." عمران بولا "میں نے اتنی رات گئے آپ کو تکلیف دی ہے۔ بات یہ ہے کہ میرے ایک چچا مل گئے ہیں، میں تو انہیں نہیں پہچانتا لیکن وہ کہتے ہیں کہ میں مدت سے تمہاری تلاش میں ہوں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم لوگ سمجھے تھے شاید تم مر گئے کیونکہ جس ٹرین میں تم سفر کر رہے تھے وہ کسی دوسری ٹرین سے لڑ کر تباہ ہو گئی تھی.. مگر ممی.. میں یہ سب کچھ کیسے باور کر لوں آپ ہی بتائیے.. میرا خیال ہے کہ میں نے پانچ سال سے ریلوے ٹرین کی شکل نہیں دیکھی۔ وہ کہتے ہیں ٹرین لڑ گئی تھی.."

"میں آپ کو مبارکباد دیتی ہوں مسٹر ٹام ہاز۔"

"کس بات کی مبارکباد ممی..؟"

"یہی کہ بالآخر آپ اپنے آدمیوں میں پہنچ گئے۔ مجھے بے حد خوشی ہے مسٹر ٹام ہاز... مگر کیا آپ کبھی کبھی ملتے رہیں گے؟"

"ضرور ممی.. میں آپ کو کبھی نہ بھلا سکوں گا.. وہ دیکھیے میرے چچا اپنے سیکریٹری کو آپ کے پاس روانہ کر چکے ہیں، میرے ذمے آپ کی جو رقم نکلتی ہو اُس سے وصول کر کے میرا سامان دے دیجیے گا۔"

"اوہ... رقم پھر آ جائے گی آپ سے کچھ ایسی ہی انسیت ہو گئی تھی۔"

"ممی.. آپ کو چھوڑتے وقت میں بھی خود کو بہت زیادہ مغموم محسوس کر رہا ہوں۔" عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا.. "آپ کی محبت مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔"

"بہرحال اگر میری ذات سے کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو تو خدارا معاف کر دیجیے گا۔ ویسے میں آپ کو بالکل اپنے بچے کی طرح سمجھتی رہی ہوں۔" مسز ہڈسن کی آواز آئی۔

"بس.. جی بس۔" عمران کی آواز حلق میں پھنسنے لگی اور ایسا معلوم ہوا

جیسے وہ دہاڑیں مار مار کر رونے لگے گا۔ اس نے پھر کہا: "آپ ایسی باتیں نہ کیجیے ممی۔ میں پھر واپس آ جاؤں گا۔ آپ کے علاوہ اور کون میری ممی ہو سکتی ہے۔ ویسے چچا کہتے ہیں کہ میری ممی اور میرے پاپا شاید اب نگر میں ہیں۔۔ بھلا بتائیے میں کیسے یقین کر لوں۔"

"نہیں بیٹے۔ تم چچا کے ساتھ واپس جاؤ۔ میں تمہارے لیے ہمیشہ دعا کرتی رہوں گی۔ خدا تمہاری یادداشت واپس کر دے۔"

پھر مسز ہڈسن ہی نے سلسلہ منقطع کر دیا اور عمران ریسیور رکھ کر آنسو خشک کرنے لگا۔ پھر بچوں کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ساتھ ہی پاگلوں کی طرح بڑبڑایا بھی: "میرا بیٹا۔۔ میں کیا کروں مسز ہڈسن۔ مجھے خدا معاف کرے۔"

چند لمحے وہ خاموش کھڑا رہا۔ پھر اس نے فیاض کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے کچھ دیر بعد آواز آئی۔

"میری یادداشت واپس آ گئی ہے سوپر فیاض۔۔" عمران نے بہت زیادہ مسرور لہجے میں کہا۔

"میں تمہاری ہڈیاں تک پیس ڈالوں گا۔"

"پھر لوگ تمہیں سر مسٹر اہل نظر کہیں گے اور تمہیں سر سے دولا۔ یادداشت واپس آنے کے بعد ظاہر ہے کہ پھر اپنے فلیٹ میں واپس آ گیا ہوں گا۔"

"اور وہی فلیٹ تمہارے لیے جہنم بن جائے گا۔ تمہارے باپ نے کہہ دیا ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو اسے بھی گولی مار دو۔ سرکاری معاملات میں کسی کی بھی مداخلت برداشت نہیں کی جا سکتی۔"

"میرے خدا۔۔ اچھا یہ تو بتاؤ اگر تم نے مجھے گولی مار دی تو ڈیڈی یتیم تو نہ ہو جائیں گے۔۔ مجھے یاد نہیں کہ باپ کے مرنے سے بچے یتیم ہوتے ہیں یا بچوں کے مرنے سے باپ۔۔؟"

"دیکھوں گا، دیکھوں گا کہ تم کس رفتار سے زبان چلا سکتے ہو۔"

"زبان سے زیادہ ہاتھوں کی رفتار ہے سوپر فیاض۔ جب دل چاہے آزما لو۔" عمران بولا۔ "آج گیارہ بجے تک میں ٹونی ٹام ہلز تھا۔ ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر میری یادداشت واپس آئی۔۔ اور مجھے اچھی طرح یاد آ گیا ہے کہ میرا نام دراصل پیٹر لنک ہے اور میں ڈکسٹر لنک کا بھتیجا ہوں۔ کرنل ڈکسٹر لنک۔ تم سمجھے ہو نا؟"

"خوب سمجھتا ہوں۔۔" فیاض کی آواز سے بالکل صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دانت پیس کر بولا ہے: "اور تم سر پہ ہاتھ رکھ کر روؤ گے۔"

"مگر سپر سوپر فیاض۔۔ میں ہمیشہ کمر پہ ہاتھ رکھ کر روتا ہوں تاکہ معدے پہ کوئی برا اثر نہ پڑے۔۔ یہاں سنو میں کل سے ڈکسٹر لنک کی کوٹھی ہی پر ملوں گا۔ اس کا بھتیجا ٹھہرا۔۔ نا۔"

فیاض نے کچھ کہے بغیر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ عمران کے لبوں پہ ایک شریر سی مسکراہٹ تھی۔

✿

دوسری صبح کیپٹن فیاض کے لیے شاید منحوس تھی کیونکہ جیسے ہی اس نے آفس میں قدم رکھا اسے ڈائریکٹر جنرل صاحب کے دفتر میں اپنی طلبی کی اطلاع ملی لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی بنا پر اس صبح کو فیاض کے لیے منحوس قرار دیا جاتا۔۔ بات تو دوسری ہی تھی جو اس پر بم کی طرح گری۔ ڈائریکٹر جنرل رحمان صاحب نے کہا: "وزارت خارجہ کی طرف سے مجھے ہدایت ملی ہے کہ نگارسیا کے سلسلے میں میرا محکمہ قطعی خاموشی اختیار کر لے۔۔"

فیاض کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور سب سے پہلے اسے اپنی شکست کا خیال آیا۔ پچھلی رات اس نے عمران کو جو دھمکیاں دی تھیں اب انہیں عملی جامہ نہ پہنا سکے گا۔

"بہرحال۔" رحمان صاحب پھر بولے: "اب کیس کو بالکل ختم کر دو۔ یہ معاملہ ہی سمجھ میں نہیں آ سکا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔۔" فیاض بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا سمجھتے ہو؟" رحمان صاحب اسے گھورنے لگے۔

"عمران۔۔"

"کیا بکواس ہے۔" رحمان صاحب نے برا سا منہ بنایا۔ "عمران کیا حقیقت ہے۔ یہ وزیر خارجہ کا حکم ہے۔ سر سلطان کا نہیں جو اکثر اس گدھے سے کام لیتے رہتے ہیں۔"

"آپ یقین کریں یا نہ کریں جناب، عمران کے علاوہ اور کسی کی حرکت نہیں ہو سکتی۔ وہ کل تک ٹونی ٹام ہلز تھا۔ آج اس کا نام پیٹر لنک ہے اور وہ خود کو کرنل ڈکسٹر لنک کا بھتیجا ظاہر کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آج صبح سے وہ مستقل طور پر اسی کی کوٹھی میں شفٹ کر گیا ہے۔"

رحمان صاحب اس انداز میں اسے گھورنے لگے جیسے انہیں اس کی اس بکواس پر یقین نہ آیا ہو۔ پھر انہوں نے کہا۔

"تم میرے آفس میں بیٹھ کر غیر ذمے دارانہ گفتگو کر رہے ہو۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے یہیں سے فون کروں۔"

"کرو۔" رحمان صاحب نے غیر ارادی طور پر کہا۔

فیاض نے اٹھ کر ڈکسٹر لنک کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے بولنے والی کوئی لڑکی تھی۔

"کیا مسٹر ٹونی ٹام ہلز یہاں موجود ہیں۔۔؟"

"جی ہاں۔"

"ذرا انہیں فون پر بلا دیجیے۔"

"ہولڈ آن کیجیے۔۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

فیاض انتظار کرتا رہا۔ پھر دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی۔

"ہیلو۔"

"عمران۔ ڈائریکٹر جنرل صاحب تم سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

"فضول ہے فیاض۔ تم کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو بلکہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں اس طرح تم اپنی زندگی ہی نہ برباد کر بیٹھو۔"

فیاض نے ریسیور رحمان صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ عمران بدستور بکواس کیے جا رہا تھا: "کہیں تمہاری بیوی کو ناک پر ہاتھ رکھ کر نہ رونا پڑے، ویسے میں اسے مشورہ دوں گا کہ اگر وہ تمہارے سر پر ہاتھ رکھ کر روئے تو بہتر ہے۔ تاکہ تمہیں کچھ احساس ہو اپنی یتیمی کا۔۔"

"کیا بک رہا ہے۔" رحمان صاحب غرائے۔

"ار۔۔ رر۔۔ ہیپ ڈیڈی۔۔"

"وہاں تیرا کیا کام؟"

"میں نے ایک چچا تلاش کر لیا ہے ڈیڈی اور وہ بلجیم کا باشندہ ہے۔ اب ارادہ ہے کہ اگلے سال والدین کی تلاش میں ہالینڈ جاؤں۔۔ دیسی والدین مجھے بالکل پسند نہیں ہیں۔"

"یو ڈرٹی سوائن۔" رحمان صاحب نے کہا اور ریسیور ایک جھٹکے کے ساتھ کریڈل میں ڈال دیا۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا وہ فیاض کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلا کر بولے: "جاؤ۔"

فیاض بھی... گیا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور باہر نکل آیا۔

✿

ڈکسٹر لنک کمرے میں ٹہل رہا تھا اور عمران احمقانہ انداز میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا آتش دان کو گھور رہا تھا۔ دفعتاً کرنل ڈکسٹر لنک رک کر بولا: "تم جانتے ہو۔۔ میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں؟"

"نہیں پاپا۔ میں کیا جانوں۔"

"تاکہ تم کسی سے مل نہ سکو۔"

"میں ویسے ہی کب کسی سے ملتا ہوں۔۔ مجھے اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ کسی سے مل سکوں۔ ایما کا ہاتھ بہت اچھا ہے وہ بہت جلد ایک اچھی آرٹسٹ بن سکتی ہے، میں دن رات اس کے ساتھ محنت کروں گا، آپ مطمئن رہیں۔"

"ٹھیک ہے تم اسے مصوری کی تعلیم دے سکتے ہو لیکن اس گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتے۔"

"ارے کیوں؟" عمران متحیر نظر آنے لگا۔

"تم ایک بہت بڑے راز سے واقف ہو گئے ہو۔ غلطی میری ہی تھی۔ آخر میں اتنا نروس کیوں ہو گیا تھا۔ مجھے وہ راز تم پر ظاہر نہ کرنا چاہیے تھا۔"

"وہ اب بھی راز ہی ہے۔۔ پاپا۔ میں کس سے کہنے جا رہا ہوں۔" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

مگر ڈکسٹر لنک اس کے جواب پر دھیان دیے بغیر بولا: "تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ گھر کا سا آرام محسوس کرو گے لیکن تم اس وقت تک یہاں سے نہیں نکل سکو گے جب تک نگارسیا کا سراغ نہ مل جائے۔"

"جیسے بھی ہو۔" عمران سر ہلا کر بولا: "اس میں میرا کیا نقصان ہے۔ میرا ویسے بھی دل نہیں چاہتا کہ آسمان دیکھوں، مگر بعض مجبوریوں کی بنا پر گھر چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ میں ایک کمرشل آرٹسٹ ہوں نا۔"

"تم دھوکا تو نہیں دو گے۔" ڈکسٹر لنک اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"نہیں۔۔ بھلا اپنے پاپا کو دھوکا دوں گا۔"

"تمہاری نگرانی کے لیے ہر وقت یہاں دو مسلح آدمی موجود رہیں گے تم باہر نہیں جا سکو گے اور اگر تم نے اس کی کوشش کی تو نتیجے کے ذمے دار خود ہو گے۔"

"آپ بے کار ان دونوں آدمیوں کو تکلیف دے رہے ہیں۔"

ڈکسٹر لنک کوئی جواب دیے بغیر کمرے سے چلا گیا۔

عمران مسکراتا رہا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ڈکسٹر لنک اس طرح پیش آ سکتا! مگر وہ بھی عمران تھا۔ وہ کسی طرح بھی خود کو بے بس نہیں محسوس کر سکتا تھا۔ مایوسی اس کی شریعت میں حرام تھی اور فکر مند ہونا گناہ۔ اس نے جیب سے ببل گم نکالی اور اسے منہ میں رکھ کر آہستہ آہستہ چبانے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"مادموزیل ایما کو بھیج دو۔ میں آج ہی سے سبق شروع کروں گا۔" عمران نے اس سے کہا۔

ملازم چلا گیا۔۔ کچھ دیر بعد ایما کمرے میں داخل ہوئی۔۔

"کیا بات ہے مسٹر ٹام ہلز؟" اس نے پوچھا۔

"سبق۔۔ مادموزیل، آج میں آپ کو بتاؤں گا کہ نقطہ کسے کہتے ہیں۔"

"بتائیے۔" ایما مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی اور عمران نے نقطے کے متعلق ایک بہت ہی خشک قسم کا لیکچر چھیڑ دیا۔ ایما بور ہو کر پہلو بدلتی رہی! پھر جب عمران نے کہا کہ آج کا سبق ختم ہو گیا تو اس نے ایک طویل سانس لی اور اس طرح بشاش نظر آنے لگی جیسے مرتے مرتے بچی ہو۔ پھر اس نے عمران کو اسی رومانی موڈ میں لانے کی کوشش کر دی جس میں اسے پہلی ملاقات پر دیکھا تھا۔

"اوہ۔۔ مادموزیل۔" عمران کی آنکھیں خواب ناک ہو گئیں۔۔ "جب کوئی مجھے میری پچھلی زندگی یاد دلانے کی کوشش کرتا ہے تو میرا سر چکرا جاتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہوں۔۔ کچھ عجیب طرح کی خوشبوئیں میرے ذہن میں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں پھر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یک بیک چاروں طرف چاندنی بکھر گئی ہو۔۔ آہ۔۔" عمران ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا اور اس طرح اپنی پیشانی رگڑنے لگا جیسے کچھ یادوں کو اپنے ذہن سے کھرچ پھینکنا چاہتا ہو۔

ایما پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھتی رہی اور عمران کھلی

ہوئی کھڑکی سے خلا میں گھورتا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایما کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"کیا پاپا پہلے شاہی محافظ دستے کے کمانڈر تھے؟"

"ہاں... مسٹر ٹام ہلز..." ایما اس طرح بولی جیسے یک بیک ہوش میں آگئی ہو۔

"مجھے شاہی محافظوں کی وردیاں بڑی اچھی لگتی ہیں! پتہ نہیں بلجیئم والوں کی وردی کیسی ہوتی ہے؟"

"آپ دیکھیں گے؟" ایما نے پوچھا۔

"اوہ... ضرور، ضرور ماموزئیل مجھے بڑی دلچسپی ہے وردیوں سے۔"

"میں آپ کو ابھی دکھاتی ہوں! پاپا کے دستے کے کئی گروپ میرے پاس ہیں۔"

ایما اٹھ کر چلی گئی۔ عمران نے پھر منہ میں چیونگم ڈال لی۔ اُسے شاید بیس منٹ تک ایما کا انتظار کرنا پڑا پھر وہ تین بڑی تصویریں لائی۔ یہ شاہی محافظ دستے کے تین مختلف گروپ تھے۔

"آپ ان سب آدمیوں سے ذاتی طور پر واقف ہیں ماموزئیل؟" عمران نے پوچھا۔

"اچھی طرح مسٹر ٹام ہلز۔"

"اوہ... تو مجھے ان سب کے نام بھی بتائیے۔ ماموزئیل! مجھے بلجیئم والوں کے نام بہت پیارے لگتے ہیں۔"

"اچھا... یہ دیکھیے۔" ایما نے کہا اور ایک ایک کے چہرے پر انگلی رکھ کر نام بتانے لگی پھر جیسے ہی اس نے ایک کا نام کیپٹن برجز راگوین بتایا عمران نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اوہو... کتنا پیارا نام ہے... برجز راگوین..."

عمران بدستور اس تصویر کا جائزہ لے رہا تھا اور ایما اب دوسروں کے نام بتا رہی تھی جب وہ خاموش ہوئی تو عمران نے کہا۔ "واہ ان سب آدمیوں میں مجھے صرف یہ پسند آیا ہے۔ کتنا شاندار آدمی ہے... اور یہ نام کتنا پیارا ہے برجز راگوین۔"

"اور پاپا کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"ان کے متعلق الگ خیال ہے کیونکہ وہ کمانڈر تھے۔ پاپا سے زیادہ شاندار آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا... ان کی مونچھیں بالکل سکندر اعظم کی سی ہیں۔"

"ہائیں! سکندر اعظم کی مونچھیں کب تھیں۔"

"ارے آپ نے اس کی جوانی کی تصویر دیکھی ہوگی۔" عمران نے بھولے پن سے کہا۔ "میں بچپن کی بات کر رہا ہوں۔"

"بچپن میں مونچھیں..." وہ بے تحاشا ہنسنے لگی۔ اس وقت عمران کے چہرے پر حماقت کے علاوہ اور کسی قسم کے آثار نہیں تھے۔

"ہنسنے کی کیا بات ہے... ماموزئیل؟" عمران نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ہزاروں سال پہلے کی بات ہے ممکن ہے اُس وقت بچپن ہی میں مونچھیں نکلتی رہتی ہوں۔"

اتنے میں باربرا بھی آگئی۔ عمران کو ناک بھوں چڑھاتے دیکھ کر اس نے ایما کو استفہامیہ اشارہ کیا۔

"مسٹر ٹام ہلز کہتے ہیں کہ سکندر اعظم بچپن میں پاپا کی سی مونچھیں رکھتا تھا۔"

"مگر تم یہ تصویریں کیوں لائی ہو؟" باربرا نے کہا۔

"میں انہیں دکھا رہی تھی یہ شاہی محافظ دستے کی وردی دیکھنا چاہتے تھے۔"

"تصویر رکھ آؤ، ورنہ پاپا خفا ہوں گے! تم جانتی ہو کہ وہ انہیں کتنی احتیاط سے رکھتے ہیں۔"

ایما تصویریں سمیٹ کر کمرے سے چلی گئی۔

"یہ ماموزئیل ایما... بہت [illegible] معلوم ہوتی ہیں۔" عمران نے باربرا سے کہا۔

"ایما نہیں ایما... آپ نام بہت جلد بھول جاتے ہیں۔"

"اوہو... معاف کیجیے گا یہ حقیقت ہے کہ نام مجھے یاد نہیں رہتے میں آپ کا نام بھی شاید بھول گیا ہوں... ربیزر... سیفٹی ریزر... باربر ماسٹر۔"

"باربرا۔"

"آہا... اسی لیے مجھے مغل شہنشاہ بابر بھی یاد آ رہا تھا۔"

"وہ سب ٹھیک ہے۔ لیکن پاپا آپ سے خفا کیوں ہو گئے ہیں؟"

"خفا ہو گئے ہیں۔" عمران نے حیرت سے کہا۔ "نہیں تو... مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں... میرے پاپا۔"

"ممی سے کہہ رہے تھے کہ آپ کو باہر نہ جانے دیا کریں۔"

"تو اس میں خفگی کی کیا بات ہے! میں نے بہتیرے پاپاؤں کو دیکھا ہے جو اپنے بچوں کو اسی طرح آوارگی سے باز رکھتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ کیا بات ہے۔" باربرا بڑبڑائی۔ "کیا اس تصویر کی وجہ سے جو آپ کے فائل سے برآمد ہوئی تھی۔"

"اوہ اُسے تو بھول ہی گیا تھا۔ وہ لڑکی انہیں پچھلی رات وہاں نہیں ملی۔ مکان خالی پڑا تھا... آخر پاپا کو اس کی تلاش کیوں ہے؟"

"پتہ نہیں..." باربرا بولی۔ "میں کیا جانوں! کیا پاپا نے آپ کو نہیں بتایا؟"

"نہیں... مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

پھر عمران بھی خاموش ہو گیا اور باربرا بھی کچھ سوچنے لگی۔

❁

عمران ڈکسٹر لنک کے یہاں سے کسی کو فون بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اب فون ڈرائنگ روم سے اٹھا کر ڈکسٹر لنک کی خواب گاہ میں رکھ دیا گیا تھا اور خواب گاہ ڈکسٹر لنک کی عدم موجودگی میں مقفل رہتی تھی۔

عمران بڑے صبر و سکون کے ساتھ ایما کو مصوری کے اہم ترین اصول سمجھاتا رہا... اور ایما بور ہوتی رہی۔ وہ تو اس کی اوٹ پٹانگ باتوں میں دلچسپی لیتی تھی... لیکن شاید عمران نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب ان لوگوں کو بور ہی کرتا رہے گا۔

یہاں اسے دو دن گزر چکے تھے، تیسری شام کو ڈکسٹر لنک لنگڑاتا ہوا کوٹھی میں داخل ہوا۔ سفارت خانہ کے دو چپراسی اسے بازوؤں کا سہارا دیے ہوئے تھے۔ اس کے خاندان والے اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ ڈکسٹر لنک اس طرح ہولے ہولے کراہ رہا تھا جیسے پیر میں شدید تکلیف ہو۔ لیکن اس نے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا کہ اس کے پیر میں یک بیک درد اٹھا تھا جس کا اثر ابھی باقی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سب کو اپنی خواب گاہ سے چلے جانے کو کہا۔ سب چلے گئے لیکن عمران اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔

"جاؤ... میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" ڈکسٹر لنک نے اُس سے کہا۔

"آپ کے پیر میں گولی لگی ہے۔" عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"تم کیا جانو۔" ڈکسٹر لنک بستر سے اٹھتا ہوا بولا۔

"میں آپ کے چہرے سے پڑھ رہا ہوں۔ گولی نے شاید پنڈلی کا گوشت پھاڑ دیا ہے... ہڈی محفوظ ہے۔"

"تو تم باہر گئے تھے..." ڈکسٹر لنک بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"نہیں پاپا۔ آپ ممی سے پوچھ لیجیے! میں ان دنوں بیرونی برآمدے تک بھی نہیں گیا۔"

"پھر تم یہ سب کچھ کیسے کہہ رہے ہو؟"

"میں نہیں کہتا... آپ کا چہرہ کہہ رہا ہے۔ میں اس صدی کا ہرکولیس ہوں پاپا... طاقت کا دیوتا... دیوتاؤں سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہتی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے... چونکہ آپ راگوین کی کہانی سے واقف ہیں اس لیے وہ آپ کو زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔" ڈکسٹر لنک آہستہ سے بولا... "مگر میں تمہیں دیوانہ سمجھوں یا صحیح الدماغ...؟"

"جو دل چاہے سمجھیے لیکن اب مجھے آزاد کر دیجیے ورنہ پاپا... آپ کو بے حد پچھتانا پڑے گا۔"

"کیا مطلب...؟"

"میں راگوین جیسے لوگوں کا علاج اچھی طرح کر سکتا ہوں۔ مجھے آزاد کر دیجیے... ورنہ پھر کنفیوشس جو کچھ بھی کہے گا اسے آپ سننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ ویسے میں جب چاہوں یہاں سے جا سکتا ہوں۔ مدد کیلئے سو آدمی بھی مجھے نہیں روک سکتے... مگر میں ممی اور پاپا کا دل ملول کرنا نہیں چاہتا۔"

ڈکسٹر لنک خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ عمران پھر بولا۔

"اس رات ان لوگوں نے میری توہین کی تھی اور میں اپنی توہین کا بدلہ ضرور لیتا ہوں۔ میں صرف آٹھ گھنٹے برباد کرنے کے بعد راگوین کے سر پر سوار ہو جاؤں گا۔ میرا خیال ہے کہ میں اس سے واقف ہوں۔"

"تم اس سے واقف ہو؟" ڈکسٹر لنک نے حیرت سے دہرایا۔

"میرا خیال ہے لیکن اب وہ راگوین نہیں کہلاتا... اور اب اس کے چہرے پر ایسی ہی گھنی مونچھیں ہیں جیسی آپ رکھتے ہیں..."

"لڑکے... لڑکے..." ڈکسٹر لنک مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ابھی حال ہی میں شہزادی کی گمشدگی سے پہلے میں نے اسے کہیں دیکھا تھا اور مونچھوں ہی کی وجہ سے پہچاننے میں کچھ دشواری ہوئی تھی۔ مگر اپنی آنکھوں کی وجہ سے وہ ہزاروں میں پہچانا جا سکتا ہے۔"

"تو پھر بس اب میرے علاوہ اسے اور کوئی نہیں تلاش کر سکتا۔"

"مگر تم نے یہ کیسے کہا کہ پہلے اس کے مونچھیں نہیں تھیں اور اب وہ میری ہی جیسی مونچھیں رکھتا ہے۔"

"میں نے اس کی ایک پرانی تصویر دیکھی تھی، اس وقت کی جب وہ شاہی محافظ دستے میں تھا۔"

"کہاں دیکھی تھی؟"

"یہیں... ماموزئیل ایما نے دکھائی تھی وہ مجھے دکھانا چاہتی تھیں کہ آپ محافظ دستے کی وردی میں کتنے شاندار لگتے تھے، انہوں نے سبھوں کے نام بھی بتائے تھے۔"

"تم بہت چالاک ہو۔" ڈکسٹر لنک اُسے غصیلی نظروں سے گھورنے لگا۔ پھر بولا۔ "اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم خود بھی راگوین کے آدمی ہو۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ کسی نہ کسی موقع پر یہ ضرور کہیں گے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن یہاں میری موجودگی کا مقصد کیا ہے جبکہ باہر آپ پر گولیاں چلائی جاتی ہیں۔ کیا میں پچھلی راتوں میں آپ کا خاتمہ نہیں کر سکتا تھا... اور کیا اس وقت بھی..." عمران خاموش ہو کر جیب میں چیونگم کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔

"پھر تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"میں طوفانی ٹام ہلز ہوں اور آزادی چاہتا ہوں۔"

"لیکن تم لنگا رسیا اور راگوین کے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

"اگر وہ لوگ اس عمارت میں میری توہین نہ کرتے تو مجھے کسی کی بھی پروا نہ ہوتی۔ شہزادیاں انڈے نہیں دیتیں... ورنہ ان کے عاشق گاڑی میں جوتے جا سکتے ہیں۔"

"بدتمیزی سے گفتگو نہ کرو۔"

"اوہ... معاف کیجیے گا میں بھول گیا تھا کہ آپ میرے پاپا ہیں۔"

ڈاکٹر لنک کچھ سوچنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا "تم پر اعتماد کر لینے کو دل نہیں چاہتا۔"

"کس نے کہا ہے کہ آپ مجھ پر اعتماد کریں۔" عمران نے بھی جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ "آپ سے کس نے کہا تھا کہ مجھے اس ویران عمارت میں لے جائیں۔ آپ سے کس نے کہا تھا کہ مجھے نگار سیا کی کہانی سنائیں۔ آپ نے خود ہی یہ سب کچھ کیا اور اب مجھے پھانسی دینا چاہتے ہیں۔"

ڈاکٹر لنک پھر خاموش ہو گیا اور کچھ دیر بعد ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ لیٹتا ہوا بولا "جاؤ میں تمہیں روکتا نہیں ہوں لیکن نگار سیا کی کہانی تمہاری زبان پر نہ آنے پائے۔ اگر تم میں کچھ بھی شرافت ہو گی تو تم زبان بند رکھنا اپنا فرض سمجھو گے۔"

"میں جاؤں گا کہاں، اب میرا کہاں ٹھکانا ہے۔ ایلم ہاؤز میں بھی شاید اب جگہ نہ مل سکے، میں یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں۔ البتہ یہ خواہش ہے کہ مجھ سے پابندیاں ہٹالی جائیں۔"

"ہٹالی جائیں گی۔ لیکن اپنے افعال کے تم خود ذمے دار ہو گے۔" ڈاکٹر لنک پھر کراہا۔

"آپ فکر نہ کیجیے۔"

❁

عمران آٹھ بجے کوٹھی سے باہر نکلا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسے معلوم ہو گیا کہ دو آدمی اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ اسے پہلے ہی سے اس کا خدشہ لاحق رہا تھا۔ ڈاکٹر لنک اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ ان حالات میں عمران کی نگرانی نہ کراتا۔ ویسے اب عمران کو ڈاکٹر لنک کی پروا نہیں تھی کیونکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ البتہ اس نگرانی کی بنا پر کچھ نئی الجھنیں پیدا ہو جانے کا اندیشہ ضرور تھا۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر لنک صرف شہزادی کی بازیابی اور راگوین کی موت کا خواہاں تھا۔ راگوین کی گرفتاری لازمی طور پر بلجیم کے شاہی خاندان کی بدنامی کا باعث ہوتی کیونکہ اس کی گرفتاری کے بعد نگار سیا کے عشق کی داستان عام ہو سکتی تھی۔ ڈاکٹر لنک نے اسی ڈر سے اتنی رازداری برتی تھی کہ اپنے سفیر تک کو اس کی اطلاع نہیں دی تھی۔ لہٰذا ممکن تھا کہ راگوین کا پتہ لگتے ہی وہ اس کے قتل کے درپے ہو جاتا، مگر عمران صرف اس کی گرفتاری کا خواہاں تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ملک میں کچھ غیر ملکی لاقانونیت کا مظاہرہ کریں لیکن ایسی صورت میں جبکہ ڈاکٹر لنک کے آدمی اس کی نگرانی کر رہے تھے ڈاکٹر لنک کی خواہش بھی پوری ہو سکتی تھی۔ یعنی وہ عمران کی آڑ میں اس تک پہنچ کر اس کا کام تمام کر سکتا تھا۔

عمران چلتا رہا۔ دو کیا اگر تعاقب کرنے والے دس بھی ہوتے تو وہ ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی راہ لیتا۔ اس نے پیچ در پیچ گلیوں میں انہیں کچھ ایسے ڈاج دیے کہ وہاں کا اندھیرا ان کے لیے بھول بھلیاں بن گیا۔ پھر عمران کو جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ وہ بو سونگھنے والے شکاری کتے راہ بھٹک چکے ہیں تو اس نے ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ سے بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کیے۔

"یس سر۔" بلیک زیرو کی آواز آئی۔

"اٹھارہویں سڑک پر ٹارلن ہام کا جوا خانہ ہے تم جانتے ہو یا نہیں۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں جناب۔"

"اچھا تو آج تقریباً گیارہ بجے وہاں ہنگامہ ضرور ہونا چاہیے۔"

"ٹارلن ہام کے جوئے خانے میں ہنگامہ۔" بلیک زیرو نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ کیوں...؟"

"وہ جوئے خانے کے لیے لائسنس رکھتا ہے جناب اور وہاں صرف شرفا جوا کھیلتے ہیں۔ اعلیٰ طبقے کے لوگ۔"

"ہنگامہ تو مولوی خانوں میں بھی ہو سکتا ہے بلیک زیرو.... تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"اچھی بات ہے جناب میں کوشش کروں گا۔"

"کوشش نہیں ایسا ہونا ہی چاہیے۔"

"یقیناً ہو گا جناب۔ تدبیر سمجھ میں آ گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اور اپنے سارے آدمیوں کو وہاں لگا دو......"

"...... یا ٹھہرو.. میں خود ہی انہیں مطلع کر رہا ہوں۔"

عمران نے سلسلہ منقطع کر کے جولیانا فٹز واٹر کے نمبر ڈائل کیے۔ وہ شاید سونے جا رہی تھی.. دوسری طرف سے اس کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ تم سے ایک حماقت سرزد ہوئی ہے۔" عمران نے کہا۔ آواز ایکسٹو کی ہی تھی۔

"ن... نہیں جناب..."

"تم نے عمران سے متعلق کیپٹن فیاض کو کیوں بتایا تھا۔"

جولیا خاموش رہی۔

"ہیلو۔" ایکسٹو دہاڑا۔

"یس سر۔" جولیا کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تم اس خبط میں مبتلا ہو گئی ہو کہ عمران اور ایکسٹو ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں۔ کسی قسم کا بھی خبط ہو یہ تمہارا نجی معاملہ ہے... لیکن کسی خبط کی بنا پر فرائض سے منہ موڑنا برداشت نہیں کیا جا سکتا سمجھیں۔ میں تمہیں ایک ہفتہ قید کی سزا دیتا ہوں۔"

"ج.. جناب۔"

"کچھ نہیں۔" عمران نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم ایک ہفتے تک گھر سے باہر قدم نہیں رکھو گی۔" اور پھر اس نے جولیا کے جواب کا انتظار کیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اب وہ تنویر کے نمبر ڈائل کر رہا تھا، وہ بھی اتفاق سے گھر پر مل ہی گیا۔

"تنویر۔" عمران نے ایکسٹو کی آواز میں کہا۔ "تم جولیا کے سوا

اپنے سارے آدمیوں کو لے کر ٹارلن ہام کے جوئے خانے میں پہنچ جاؤ۔ وہ اٹھارویں سڑک پر ہے تم جانتے ہی ہو گے۔ تمہیں وہاں ٹھیک ساڑھے دس بجے پہنچ جانا چاہیے۔ تم وہاں کسی ہنگامے کا انتظار کرو گے... جیسے ہی ہنگامہ شروع ہو بجلی اور فون کی لائن کاٹ دینا۔ ہنگامے کو طول دینا بھی تمہارا ہی کام ہو گا۔ جوئے خانے کی کوئی چیز بھی صحیح حالت میں نہ رہنے پائے۔ جتنی بھی توڑ پھوڑ مچا سکتے ہو.. سمجھا؟"

"بہت بہتر جناب۔" تنویر نے کہا۔ "پھر اس کے بعد ہمیں کیا کرنا پڑے گا...؟"

"کچھ نہیں۔ تمہیں صرف اتنا ہی کرنا ہے۔"

"ہمارے ساتھ عمران بھی ہو گا یا نہیں۔" تنویر نے پوچھا۔

"نہیں.. وہ آج کل اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے اور جو کچھ بھی کر رہا ہے میرے ہی حکم سے کر رہا ہے۔ تم لوگ اس سے دور رہنے کی کوشش کرو۔"

❁

ٹارلن ہام کا جوا خانہ اٹھارویں شاہراہ پر واقع تھا۔ اسے "برنج کلب" بھی کہتے تھے۔ کہا یہی جاتا تھا کہ یہاں ہلکے قسم کا جوا ہوتا ہے مگر حقیقت یہ نہیں تھی۔ یہاں ہر شب لاکھوں کا جوا ہوتا تھا مگر چونکہ یہاں کے ممبر اونچے لوگ تھے لہٰذا قانون کبھی یہاں جھانکنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کرتا تھا۔

اس کا مالک ٹارلن ہام ایک غیر ملکی تھا جس نے یہاں کے حقوق شہریت حاصل کر لیے تھے لیکن عام طور پر لوگ اسے پُراسرار سمجھتے تھے کیونکہ وہ کلب کے بہترین ممبروں کے لیے صرف ایک نام تھا۔ انہوں نے اس کی شکل آج تک نہیں دیکھی تھی۔ کلب کا منتظم ایک دیسی عیسائی تھا اور وہ وہاں ہر وقت مل سکتا تھا۔

جیسے جیسے رات گزرتی یہاں کی رونق بڑھتی جاتی نوٹوں کی سرسراہٹیں فضا میں چکراتیں۔ گلاس کھنکتے لیکن اونچی آوازیں نہ تو کوئی ہنستا اور نہ گفتگو کرتا.. بالکل ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ لوگ کوئی بہت بڑا کام انجام دینے کے لیے وہاں آئے ہوں.. عام قمار خانوں کی طرح یہاں کبھی ہنگامے نہیں ہوتے تھے۔ آج بھی حسب معمول یہاں بہت رونق تھی، شاید ہی کوئی ایسی میز رہی ہو جس پر کھیلنے والے نہ ہوں۔

شراب اور مختلف قسم کے تمباکوؤں کی ملی جلی بو کی بنا پر فضا کچھ بوجھل سی ہو گئی تھی۔ دیوار سے لگے ہوئے کلاک نے گیارہ بجائے اور یک بیک ایک کھلی ہوئی کھڑکی سے کینوس کا ایک تھیلا اندر آ گرا.. دھپ کی آواز پر لوگ چونک پڑے۔ کئی آدمی اپنی میزوں سے اٹھے بھی.. اور پھر ایک ویٹر نے تھیلا کھول دیا۔ وہ قیامت ہی تھی۔ تھیلے سے ہزاروں شہد کی مکھیاں نکل کر ہال میں پھیل گئیں اور لوگ چیختے کراہتے ہوئے ایک دوسرے پر ڈھیر ہونے لگے۔

ایکسٹو کی پوری ٹیم ہال میں موجود تھی لیکن ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ پیر محاورتاً بھی پھول گئے اور حقیقتاً بھی، وہ سب بڑی بدحواسی کے عالم میں باہر نکلے اور جدھر جس کے سینگ سمائے بھاگتا چلا گیا.. کیونکہ شہد کی مکھیاں باہر بھی آ گئی تھیں۔

عمران باہر ایک طرف کھڑا سر پیٹ رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بلیک زیرو اس قسم کا ہنگامہ برپا کرے گا۔ بھلا ایسے میں وہ کام کیونکر ہوتا جس کے لیے عمران نے اتنا کھڑاگ کیا تھا۔ ہال بدستور روشن تھا.. نہ تو بجلی کی لائن خراب کی جا سکی اور نہ ٹیلیفون کی۔ عمران اس طرح پیٹ دباتے کھڑا تھا جیسے بدہضمی ہو گئی ہو، ذرا ہی سی دیر میں کلب میں الو بولنے لگے.. عمران کا دل چاہا کہ وہ مرغا بن کر بانگ دینا شروع کر دے۔ اب نہ بلیک زیرو کا کہیں پتہ تھا اور نہ اس کے دوسرے ماتحتوں کا۔ عمران نے سوچا کہ غلطی خود اسی سے ہوئی، اسے چاہیے تھا کہ بلیک زیرو کو پورے حالات اور اپنی اسکیم سے آگاہ کر دیتا۔ اس صورت میں بلیک زیرو کم از کم ہنگامے کی نوعیت تو سمجھ ہی لیتا۔ ویسے اس سے جو کچھ بھی ہو سکا اس میں اس نے کوتاہی نہیں کی۔

عمران کے علاوہ وہاں کچھ راہ گیر بھی چلتے چلتے رک گئے تھے۔ کچھ دیر بعد کلب کا عملہ باہر آ گیا۔ ان میں کریہہ صورت منتظم بھی تھا۔ دفعتاً عمران چونک پڑا کیونکہ وہاں اسے اپنی ایک پرانی ساتھی روشی بھی نظر آئی۔ وہ کلب کے عملے کے ساتھ ہی باہر آئی تھی۔

عمران سوچنے لگا۔ کیا وہ پھر اپنے پرانے پیشے میں داخل ہو گئی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اس کلب میں کیوں نظر آتی.. عمران کو اس خیال سے بڑا دکھ پہنچا۔ وہ اسے دوبارہ اس زندگی میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا جس سے ایک بار وہ خود ہی نکل آئی تھی۔

اتفاقاً روشی کی نظر بھی عمران پر پڑ گئی اور عمران نے اس کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے۔ پھر وہ بڑی تیزی سے چلتی ہوئی عمران کے قریب آئی۔

"تم..؟" اس نے عمران کو گھورتے ہوئے کہا۔

"م.. میں..." عمران ہکلایا۔ "میں آپ کو نہیں پہچان سکا۔"

"ادھر آؤ میرے ساتھ۔" روشی اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے جاتی ہوئی بولی۔ "تم مجھے نہیں پہچانتے طوطے۔"

"طوطے کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ وہی نا جس کی چونچ سرخ رنگ کی ہوتی ہے اور وہ عمدہ ٹیاؤں ٹیاؤں کرتا رہتا ہے لیکن طوطے سے تمہارا کیا تعلق جبکہ تم پھر اسی پرانی زندگی میں چلی گئی ہو۔"

"تم الو ہو۔ میں آج کل یہاں اکاؤنٹس کلرک ہوں۔" روشی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہ.. تب تو مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" عمران جلدی سے بولا۔

"کیا تم مجھے معاف کر دو گی۔"

"کیا یہ حرکت تمہاری تھی۔"

"کیسی حرکت۔" عمران نے حیرت ظاہر کی۔ "میں تو یہاں کی بھگدڑ دیکھ کر رک گیا تھا۔"

"بھگدڑ کیوں ہوئی تھی۔" روشنی نے سوال کیا۔

"اسے میں کیا جانوں۔۔ اور یہ گدھے۔" عمران نے راہ گیروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں ان سے بھگدڑ کی وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا مگر یہ کچھ بتاتے ہی نہیں۔"

"میں نہیں مان سکتی کہ ایسے موقع پر تمہاری یہاں موجودگی بے وجہ ہے۔"

"بھگدڑ ہی سب سے بڑی وجہ ہے روشنی ڈیئر۔ بھاگتے ہوئے آدمی مجھے بے حد حسین لگتے ہیں۔ اُو ہاں۔۔ کیا یہاں اس وقت تمہاری موجودگی ضروری ہے۔"

"نہیں میں اپنا کام ختم کر چکی ہوں۔ ویسے بھی میں دن کی ڈیوٹی میں ہوں۔ کچھ تھوڑا پچھلا کام باقی تھا اس لیے دو دن سے اس وقت بھی آجاتی ہوں۔"

"اچھا تو آؤ میرے ساتھ۔" عمران نے کہا اور ایک طرف چل پڑا۔

روشنی اسے بہت پسند کرتی تھی لیکن اس کی حرکتوں سے نالاں تھی۔ پہلے کبھی وہ دونوں ساتھ ہی رہتے تھے لیکن روشنی اس کی دائمی غیر سنجیدگی سے تنگ آکر الگ رہنے لگی تھی۔ عمران اسے اُسی شاہراہ کے ایک ریستوران میں لایا کافی کا آرڈر دینے کے بعد اس نے کہا۔ "بہت دنوں بعد تم سے ملاقات ہوئی ہے۔"

"اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ تم کسی حد تک سنجیدہ ہو گئے ہو۔" روشنی بولی۔

"یہ کیا قصہ تھا! بھگدڑ کیوں ہوئی تھی۔"

"کسی نے ایک تھیلا اندر پھینکا تھا جس میں شہد کی مکھیاں بھری ہوئی تھیں۔"

"اوہ۔۔ یہ تو ہارلن ہام کے کسی دشمن ہی کی حرکت ہو سکتی ہے کسی ایسے آدمی کی جسے اس قمار خانے سے نقصان پہنچ رہا ہو۔"

"اونہہ۔۔ جہنم میں جائے۔۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تم اپنی کہو۔ آج کل کسی نئے خبط میں مبتلا ہو یا زندگی اسی پرانے ڈھرے پر چل رہی ہے۔۔؟"

"آج کل میں بہت اُداس رہتا ہوں۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں۔۔؟ کیوں؟" روشنی مسکرائی۔

"میں اتنی محنت کرتا ہوں۔۔ لیکن پھر بھی میری مالی حالت ٹھیک نہیں ہوتی۔۔ ہارلن ہام اپنی جگہ سے ہلے بغیر بھی روزانہ ہزاروں کما رہا ہے۔"

"واقعی اب تمہارے ذہن میں سنجیدگی پیدا ہو گئی ہے تم کام کی باتیں کرنے لگے ہو۔" روشنی ہنسنے لگی۔

"یہ ہارلن ہام رہتا کہاں ہے؟"

"کیوں؟" روشنی اسے گھورنے لگی۔

"بس یونہی، میں اس سے مل کر قمار خانے کے داؤ پیچ سیکھوں گا۔"

"اوہ۔۔ میں سمجھی تم کسی چکر میں ہو۔ اور شہد کی مکھیاں اگر طوطے شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اس کے پاس قمار خانہ چلانے کا لائسنس ہے۔"

"اوہ۔۔ اچھا لیکن بھلا میں اس چکر میں کیوں پڑنے لگا۔ تم جانتی ہو کہ میں کس قسم کے کام کرتا ہوں، قمار خانے وغیرہ میری لائن کی چیزیں نہیں ہیں۔"

"تب پھر کوئی دوسرا چکر ہو گا۔" روشنی نے کہا۔

دفعتاً کلب کے اسٹاف کے تین آدمی ریستوران میں داخل ہوئے ان میں منتظم بھی تھا۔

"اوہ۔۔ تم یہاں ہو۔" منتظم نے روشنی سے کہا۔

"جی ہاں۔۔ ذرا کافی پینے آگئی تھی۔"

"اچھا ہوا کہ تم بھی مل گئیں۔ پولیس آگئی ہے۔ اسٹاف کے آدمی بیان دے رہے ہیں تم بھی چلی جاؤ۔ یہ تمہارے کوئی دوست ہیں۔"

"جی ہاں۔۔ اتفاقاً مل گئے۔ یہ بھی بھگدڑ ہی کی وجہ سے وہاں رک گئے تھے۔"

"اوہ جناب۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا اگر آپ بھی بیان دے دیں۔ آپ کے بیان کی زیادہ وقعت ہو گی کیونکہ آپ کا کلب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" عمران نے کہا۔ وہ دونوں کافی ختم کر چکے تھے۔ منتظم نے ایک آدمی ان کے ساتھ کر دیا جو انہیں اپنے ساتھ لے کر کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہال میں پہنچ کر ساتھی نے زینوں کا رُخ کیا اور روشنی نے پوچھا۔ "کیا پولیس اُوپر ہے۔۔؟"

"ہاں۔۔ مینیجر صاحب کے کمرے میں۔"

انہوں نے زینے طے کیے۔۔ اوپری منزل کے کمرے کی کھڑکیاں روشن نظر آ رہی تھیں۔ ہمراہی اندر داخل ہو گیا۔ روشنی اور عمران نے بھی اسکی تقلید کی۔ مگر کمرے میں انہیں ایک بھی باوردی آدمی نظر نہ آیا، ویسے وہاں پانچ آدمی کرسیوں پر نصف دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک غیر ملکی تھا اور چار دیسی۔ غیر ملکی کی گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھوں نے عمران کو فوراً ہی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ساتھ ہی اسے خطرے کا احساس بھی ہوا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ دیسیوں میں سے ایک نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا لو۔"

عمران نے چپ چاپ ہاتھ اُٹھا دیے البتہ روشنی نے کہا۔ "آخر کس جرم میں۔۔؟"

"چلو جلدی کرو۔۔۔ ورنہ۔۔"

"اُٹھا دو۔۔ یہ لوگ غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔" عمران بولا۔

روشنی نے بھی ہاتھ اُٹھا دیے۔ غیر ملکی اُٹھ کر عمران کے قریب آیا اور اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"کچھ نہیں ہے۔" عمران سر ہلا کر دردناک آواز میں بولا۔ "میں ایک غریب مصور ہوں۔ میری جیبوں میں کبھی اتنے پیسے نہیں رہتے کہ کسی دوسرے کا بھلا ہو سکے۔"

غیر ملکی نے اس کی جیب سے ایک ربر کی گڑیا برآمد کی اور اُسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ چاروں دیسی بھی اُٹھ کر اس کے قریب آگئے۔

"تمہارا ڈاکٹر لنک سے کیا تعلق ہے؟" غیر ملکی نے انگریزی میں پوچھا۔

"میں اس کی لڑکی کو مصوری سکھاتا ہوں۔" عمران نے جواب دیا۔ پھر بولا۔ "آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

۔۔۔ لیکن غیر ملکی کوئی جواب دیے بغیر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔۔ اور ان میں سے ایک بولا۔ "بہر حال وہ اطلاع غلط نہیں تھی۔" غیر ملکی نے پھر عمران کی طرف مڑ کر پوچھا۔۔

"ڈاکٹر لنک کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"آج ان کے پیر میں درد اُٹھا تھا۔ دو آدمیوں کے سہارے لنگڑاتے ہوئے گھر آئے تھے۔" عمران نے جواب دیا۔ ربر کی گڑیا ابھی تک غیر ملکی کے ہاتھ میں ہی تھی۔

"اور تم اسے کب سے جانتی ہو؟" غیر ملکی نے روشنی سے پوچھا۔

"سال ہا سال سے۔" روشنی نے جواب دیا۔ "یہ ایک بہت اچھا مصور ہے۔"

"میرا نام۔۔ ڈوتی ہام لٹن ہے۔۔" عمران جلدی سے بولا۔ "ڈاکٹر لنک کے یہاں آنے سے پہلے بیکن اسٹریٹ کے ایلمر ہاؤز میں رہتا تھا۔ وہ مسز مُرسن کا بورڈنگ ہے۔ وہاں۔۔"

دفعتاً غیر ملکی نے اس دیسی کی طرف مڑ کر کہا جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ "یہ کیا گدھا پن ہے۔۔ ریوالور رکھ لو۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ بھلا یہ آدمی یہاں شہد کی مکھیاں کیوں پھینکنے لگا۔ یہ تو میرے ایک دوست کا ملازم ہے۔"

عمران کے چہرے پر پھیلی ہوئی حماقت کچھ اور زیادہ گہری ہو گئی۔۔۔

دیسی نے ریوالور جیب میں رکھ لیا پھر غیر ملکی عمران کی گڑیا واپس کرتا ہوا بولا۔۔ "آؤ بیٹھو۔ تم دونوں کو ان کی غلط فہمی کی بنا پر بڑی تکلیف اُٹھانی پڑی۔۔"

اس نے عمران کا شانہ تھپتھپایا۔

ایک آدمی دوسرے کمرے سے دو مزید کرسیاں لایا اور وہ بیٹھ گئے۔ غیر ملکی عمران سے اس کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا۔۔ عمران نے ایک ایسے ہی آدمی کا رول پھر ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔۔۔ جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہو کچھ دیر بعد چاروں دیسی اُٹھ کر چلے گئے۔۔ شاید غیر ملکی نے انہیں اسی کے لیے اشارہ کیا تھا۔

"میں اپنے دوست ڈاکٹر لنک کے لیے بہت مغموم ہوں۔۔ مگر وہ ایک وہمی آدمی ہے۔ پیر کے درد کا عارضہ نیا نہیں ہے اُسے لاحق ہوئے تقریباً دس سال ہو چکے ہیں لیکن وہ نہ جانے کیوں علاج اور معالجہ دونوں سے دُور بھاگتا ہے۔"

"جی ہاں۔۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "انہوں نے آج بھی ڈاکٹر کو بلوانے سے انکار کر دیا تھا۔۔ اور کسی کو بھی اپنے کمرے میں نہیں ٹھہرنے دیا۔"

"ہاں وہ ضدی بھی اور جھکی ہے لیکن اگر تم چاہو تو اس پر اور اس کے خاندان والوں پر احسان کر سکتے ہو۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔۔" عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کا علاج۔" غیر ملکی نے سنجیدگی سے کہا۔۔۔۔۔۔ "میں بھی ایک بار اسی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جس دوا سے مجھے فائدہ ہوا تھا میں نے کئی بار اس پر آزمانی چاہی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ اسکے استعمال کے بعد ایک ہفتے کے اندر ہی اندر صحت یاب ہو سکتا ہے۔"

"جب وہ اپنے گھر والوں اور دوستوں کی نہیں سنتے تو میری کیا سنیں گے۔"

"اوہ۔۔۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔۔" اس نے عمران کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اس کے علم میں لائے بغیر بھی یہ نیک کام انجام دے سکتے ہو۔۔۔ دوا عرق کی شکل میں ہے اور پانی کے ساتھ بھی استعمال ہو سکتی ہے۔۔ ویسے اگر شراب کے ساتھ استعمال ہو سکے تو کیا کہنا۔ بہت جلد اثر کرے گی۔"

روشنی جو اب تک خاموش رہی تھی بول پڑی۔ "یہ تو واقعی بڑا آسان کام ہے۔ ان صاحب کو خبر ہی نہ ہو سکے گی کہ شراب میں کیا ملایا گیا ہے۔ وہسکی کی سر بمہر بوتل میں سرنج کے ذریعے یہ دوا ملائی جا سکتی ہے۔"

"گڈ۔ تم بہت ذہین ہو۔" غیر ملکی مسکرایا۔ "یہ تدبیر بہتر ثابت ہو گی۔"

"بہت اچھا۔" عمران نے احمقانہ انداز میں سر ہلا دیا۔

کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر غیر ملکی نے ایک شیشی دے کر عمران اور روشنی کو رخصت کر دیا۔ باہر آکر روشنی نے ٹیکسی لی اور وہ دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ روشنی بہت زیادہ مضطرب تھی جیسے ہی ٹیکسی حرکت میں آئی وہ عمران کو جھنجھوڑ کر بولی۔ "یہ سب کیا تھا۔۔؟"

"پتہ نہیں۔" عمران نے دردناک آواز میں کہا۔ "میں جب بھی مونگ کی دال کھا لیتا ہوں کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔۔ تم جانتی ہو نا سلیمان کو۔۔ وہ اکثر میری جان لینے کے درپے ہے۔۔ میں کہتا ہوں شلجم دو شُقتا ہے کدو۔۔"

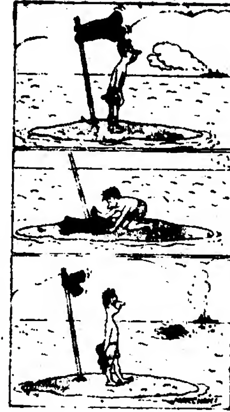
"اگر تم مجھ سے اُڑنے کی کوشش کرو گے تو۔۔"

"ارے۔۔ ارے ٹھہرو۔ کوئی دھمکی نہ دے بیٹھنا آج کل عورتوں کے ستارے میرے ستاروں پر چڑھ بیٹھے ہیں۔۔ یہ ایک بہت بڑا چکر ہے"

روشی ڈیئر... اور یہ تمہارا ٹارلن ہام ایک بہت بڑا مجرم ہے۔"
"کیا وہ ٹارلن ہام ہی تھا...": روشی نے حیرت سے کہا۔ "میں نے اُسے پہلی بار دیکھا ہے۔"
"بس اب فی الحال اس سے زیادہ نہیں بتاؤں گا۔ یہ ایک بہت اہم کیس ہے۔"
"یہ ڈکسٹرلنک کون ہے جس سے متعلق گفتگو ہوئی تھی۔"
"ابھی یہ بھی نہ پوچھو، تم سے میں نے کبھی کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی! حتیٰ کہ تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں سیکرٹ سروس کا چیف آفیسر ہوں۔ یہ بات تمہارے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم۔"
"کیا آج کل تم سچ مچ کسی معتوب کا رول ادا کر رہے ہو؟"
"سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے، روشی ڈیئر۔"
روشی نے پھر کچھ نہیں پوچھا، اس وقت ایک بج رہا تھا۔ اس نے روشی سے کہا: "اب تم ذرا ٹارلن ہام پر نظر رکھنا۔ میں اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"
"میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ آج کلب میں کیسے آ گیا۔ میں چھ ماہ سے یہاں کام کر رہی ہوں لیکن اس سے پہلے کبھی اس کی شکل نہیں دیکھی۔"
"ہاں... وہ کافی پُراسرار ہے۔"
ڈکسٹرلنک کی کوٹھی کے قریب عمران اتر گیا اور روشی جلد ہی ملنے کا وعدہ کر کے آگے چلی گئی۔

*

دوسری صبح ڈکسٹرلنک اور عمران ایک بلی کے بچے کو بغور دیکھ رہے تھے۔ ڈکسٹرلنک کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ کبھی وہ عمران کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بلی کے بچے کی طرف۔
"پچھلی رات اسے دودھ میں تین قطرے دیے تھے۔" عمران نے کہا۔ "اور اب دیکھیے کہ یہ کتنا لاغر ہو گیا ہے، پچھلی رات کتنا تندرست اور ترو تازہ تھا۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آج شام سے آپ اپنی بیماری کی پبلسٹی شروع کرا دیں۔"
"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب تم راگورین کا پتہ لگا چکے ہو..." ڈکسٹرلنک نے کہا۔
"نگار سیا... نگار سیا کا سراغ ملے بغیر راگورین پر ہاتھ ڈالنا فضول ہے۔"
"تم مجھے بتاؤ۔"
"صبر۔ صبر۔" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کیا راگورین ایسا ہی آدمی ہے جس سے نگار سیا کے متعلق کچھ اگلوایا جا سکے؟ آپ تو بہت دنوں تک اس کے ساتھ رہے ہیں۔ اس کی فطرت آپ سے پوشیدہ نہ ہوگی۔"
"تم ٹھیک کہتے ہو۔ دنیا کا بڑے سے بڑا تشدد بھی اس کی زبان نہیں کھلوا سکے گا... مگر تم... تم مجھے راگورین سے بھی زیادہ اُلجھن میں ڈالے



ہوئے ہو۔"
"میری فکر نہ کیجیے۔ میں... میں خود بھی نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ بھی کسی قسم کا دورہ ہی ہو۔ آج کل مجھ پر راگورین اور نگار سیا کا بھوت سوار ہے۔"
ڈکسٹرلنک اُسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "تو یہ کسی قسم کا زہر ہے۔"
"سو فیصدی پاپا، مائی ڈیئر! آہستہ آہستہ اثر کرنے والا زہر اور میرا خیال ہے شاید لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں اس کا ذکر بھی نہ ملے۔ بہتیرے ایسے زہر ہیں جن کے اثرات انسانی جسم میں ڈھونڈ نکالنا انتہائی مشکل کام ہوتا ہے۔"
"ٹھیک ہے! راگورین کے پاس میرے لیے زہر یا گولی کے علاوہ اور کیا ہوگا۔" ڈکسٹرلنک بہت زیادہ متفکر نظر آنے لگا تھا۔ ویسے ہی ران کے زخم نے اسے بڑی حد تک نڈھال کر رکھا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُس نے اس کے متعلق اپنے خاندان والوں کو لاعلم ہی رکھا۔ وہ خود ہی زخم کی ڈریسنگ بھی کر لیتا تھا۔
تین دن تک عمران اُسی بلی کے بچے پر اس سیال کا تجربہ کرتا رہا۔ جو اُسے ڈکسٹرلنک کے لیے ٹارلن ہام سے ملا تھا۔ چوتھے دن بلی کا بچہ سچ مچ مر گیا اور عمران نے اسے ایک لیبارٹری کے سپرد کر دیا جس نے رپورٹ دی کہ بلی کے بچے کی موت دل کا فعل ناقص ہو جانے کی بنا پر ہوئی تھی۔۔ رپورٹ میں زہر کا تذکرہ تک نہیں تھا۔ اس دوران میں عمران بلیک زیرو کو ٹارلن ہام کے پیچھے لگائے رہا۔ روشی سے بھی اسے مختلف اوقات میں مختلف رپورٹیں ملتی رہیں۔ بہرحال دونوں کی رپورٹوں کا ماحصل یہ تھا کہ ٹارلن ہام کی کوئی ایک مخصوص قیام گاہ نہیں ہے۔ شہر میں اس کے تقریباً نصف درجن ٹھکانے تھے۔ ممکن ہے اس سے زیادہ بھی رہے ہوں۔ ابھی تک کی رپورٹوں سے

نصف درجن کا علم ہو چکا تھا۔ روشی بھی بہت تندہی سے کام کر رہی تھی اور اُسے عمران کی ہدایت کے مطابق ٹارلن ہام کی قیام گاہوں میں ایک لڑکی کی تلاش تھی...
... اور اسی دوران میں ڈکسٹرلنک کی علالت کا بھی چرچا ہوتا رہا۔ ان دنوں شہر کی عجیب حالت تھی کسی سرکاری مہمان کا اس طرح غائب ہو جانا معمولی بات نہیں تھی گو محکمہ سراغرسانی کو نگار سیا کی تلاش سے روک دیا گیا تھا مگر پولیس جس عمارت پر بھی شبہ کرتی کسی رُو رعایت کے بغیر اس کی تلاشی لے ڈالتی۔ محکمہ سراغرسانی کے لیے امتناعی احکام عمران ہی نے جاری کرائے تھے۔ اگر جولیا سے ایک حماقت سرزد نہ ہوئی ہوتی تو اسکی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ عمران اپنی لائینوں پر کام کرتا رہتا اور محکمہ سراغرسانی اپنی لائن پر... دونوں میں ٹکراؤ کا تو امکان ہی نہیں تھا ظاہر ہے کہ محکمہ سراغرسانی کو ڈکسٹرلنک والے معاملے کا علم نہیں تھا لہٰذا ایسی صورت میں عمران کا راستہ صاف ہی تھا۔
مگر جولیا فٹز واٹر نے فیاض کو عمران کے متعلق اطلاع دے کر نئی اُلجھنیں پیدا کر دی تھیں۔۔
ڈکسٹرلنک نے کوٹھی کے بیرونی برآمدے میں بھی آنا ترک کر دیا تھا اور وہ حقیقتاً ایک بہت زیادہ بیمار آدمی کا رول ادا کر رہا تھا۔ خود اس کے خاندان والے بھی یہی سمجھتے تھے کہ وہ بہت زیادہ بیمار ہو گیا ہے صبح سے شام تک ڈاکٹروں کا تانتا بندھا رہتا لیکن مرض کسی کی بھی سمجھ میں نہ آتا۔
ڈکسٹرلنک کی بیوی اور اس کی دونوں لڑکیاں بے حد پریشان تھیں۔ عمران انہیں بہلانے کی کوشش کرتا.. لیکن بے سود۔ ایک شام ڈکسٹرلنک نے کہا۔
"آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟"
"بہت جلد ختم ہو جائے گا۔"
دفعتاً ڈکسٹرلنک اُٹھ بیٹھا... عمران نے حیرت سے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رخ اسی کی طرف تھا.. یہ دونوں اس وقت خواب گاہ میں تھے اور دروازہ بند تھا۔
"میں تمہیں اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔" ڈکسٹرلنک دانت پیس کر بولا۔
"فضول باتیں نہ کرو۔" عمران بُرا سا مُنہ بنا کر بولا۔ "ریوالور رکھ لو۔ اگر تم نے اس قسم کی حرکت کی تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"
"تم راگورین کے آدمی ہو۔" ڈکسٹرلنک کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔ "مجھے اس قسم کے شعبدوں میں اُلجھا کر راگورین کے لیے موقع فراہم کرنا چاہتے ہو کہ وہ نگار سیا کو لے کر یہاں سے نکل جائے۔"
"تب پھر راگورین بڑا گدھا تھا کہ اس نے تمہیں گولی سے ہلاک کرانے کی کوشش کی.. اگر میں راگورین کا آدمی ہوں تب مجھے چاہیے تھا کہ سیدھے سیدھے تمہاری اسٹاک کی بوتلوں میں زہر انجکٹ کر دیتا۔ تم خاموشی سے لیٹ جاؤ کرنل.. اور... پاپا.. ضروری نہیں ہے کہ بڑھاپے میں بھی دماغ اُسی طرح کام کرتا ہے جیسے جوانی میں کرتا ہے۔" کرنل ڈکسٹرلنک کا ریوالور والا ہاتھ کانپ گیا لیکن ریوالور کا رُخ عمران ہی کی طرف رہا۔
"تم نہیں مانتے..." عمران مسکرا کر بولا۔ "اچھا تو فائر کرو مجھ پر۔"
"تم سمجھتے ہو شاید میں شور کے خیال سے فائر نہ کروں گا۔" ڈکسٹرلنک نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "یہ ریوالور بے آواز ہے۔"
"یہ تو بڑی اچھی بات ہے ریوالور کی آواز سے مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔ چلو شروع ہو جاؤ!" عمران نے ہنس کر کہا اور ڈکسٹرلنک کا پارہ چڑھ گیا۔
"چٹ..." پہلا فائر ہوا.. اور چینی کا ایک بڑا سا گلدان شہید ہو گیا
"ہاتھ بہک گیا پاپا..." عمران سر ہلا کر بولا۔ "پھر کوشش کرو۔"
اس بار ڈکسٹرلنک نے جھلا کر پے در پے تین فائر جھونک دیے لیکن عمران برابر "سنگ آرٹ" کا مظاہرہ کرتا رہا.. کوئی گولی اس کے لباس کو بھی نہ چھو سکی! ڈکسٹرلنک مُنہ کھولے ہوئے کسی جھینپے کی طرح ہانپ رہا تھا۔
"دو گولیاں اور باقی ہیں پاپا ڈیئر.. اُن کی حسرت بھی نکل جانے دو۔" عمران نے احمقانہ انداز میں کہا لیکن ریوالور ڈکسٹرلنک کی گرفت سے نکل کر فرش پر جا گرا.. اور وہ خود کسی پتھر کے بُت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اب تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی سانسیں بھی رک گئی ہوں۔ عمران نے جھک کر ریوالور اٹھایا اور اُسے اُس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "دنیا کا ہر آدمی ان کھلونوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا، اسے ہمیشہ یاد رکھنا پاپا۔ اب تم بتاؤ.. اگر میں راگورین کا آدمی ہوں تو مجھے تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اگر میں گلا گھونٹ کر تمہیں مار ڈالوں تو تمہارے گھر والے بھی جانتے ہیں کہ تم بے حد بیمار ہو! تمہیں ختم کر کے رونا چیخنا شروع کر دوں.. کیا انہیں یقین نہ آ جائے گا کہ تمہارا ہارٹ فیل ہوا ہے۔"
کرنل ڈکسٹرلنک تھوک نگل کر رہ گیا۔ عمران ریوالور اس کی گود میں ڈال کر بولا۔ "میں جا رہا ہوں... کسی ایسے آدمی کے قریب رہنا میرے لیے ممکن نہیں ہے جو مجھ پر اعتماد نہ کرتا ہو۔"
وہ دروازے کی طرف بڑھا ڈکسٹرلنک کی آنکھوں سے ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ اُسے روکنا چاہتا ہو لیکن ہونٹ نہ ہل سکے! عمران خواب گاہ سے نکل آیا۔ اسے توقع تھی کہ یہ کام آج ہی نمٹ جائے گا کیونکہ بلیک زیرو اور روشی کی رپورٹیں متفقہ طور پر یہی کہہ رہی تھیں کہ وہ دونوں ہی ایک ایسی عمارت کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو گئے تھے جو نہ صرف ٹارلن

ہ ۔ قیام گاہوں میں سے تھی بلکہ وہاں ایک لڑکی کی موجودگی بھی ثابت ہو گئی تھی۔

عمران کوٹھی سے باہر آیا اور پیدل ہی ایک طرف چل پڑا۔ پھر ایک دوا فروش کی دکان سے بلیک زیرو کو کچھ ہدایات دیں اور ٹارلن ہام کے قمار خانے کے نمبر ڈائل کر کے۔۔ روشی کو فون پر بلوایا۔

"ہیلو روشی! میں عمران ہوں۔ کیا ٹارلن ہام وہاں موجود ہے؟"

"نہیں وہ یہاں کبھی نہیں آتا۔" جواب ملا۔

"منیجر ہے۔۔؟"

"ہاں' وہ موجود ہے۔"

"اچھا! میں وہیں آ رہا ہوں۔" عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس نے ٹارلن ہام کے قمار خانے تک کے لیے ایک ٹیکسی لی اور پچھلی نشست پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔

بظاہر ایسے موقعے پر اونگھنا مضحکہ خیز ہی تھا۔ مگر کیا وہ حقیقتاً اونگھ رہا تھا؟ اس کے متعلق وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ ٹیکسی قمار خانے کے سامنے رک گئی۔ عمران نے ہال میں پہنچ کر منیجر کے متعلق دریافت کیا اور سیدھا اسی کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ منیجر بڑے پُر تپاک انداز میں اس کا استقبال کرتا ہوا بولا۔ "فرمائیے جناب! کیا خدمت کی جائے؟"

"مسٹر ٹارلن ہام سے ملنا ہے۔"

"وہ تو تشریف نہیں رکھتے۔"

"وہ جہاں کہیں بھی ہوں انہیں فون پر اطلاع دیجیے کہ لنڈنی ٹام ہلز فورم ملنا چاہتے ہیں۔"

"اچھا ٹھہریئے! میں دیکھتا ہوں!" منیجر نے کہا اور فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس نے کسی سے گفتگو کر کے اطلاع دی کہ لنڈنی ٹام ہلز ٹام کا ایک آدمی' باس سے ملنا چاہتا ہے۔ پھر وہ کچھ دیر تک ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ پھر بولا۔ "ہیلو۔۔ جی ہاں! ملنا چاہتا ہے۔" وہ کچھ دیر تک ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا! پھر "ہیلو۔۔ جی ہاں! لنڈنی ٹام ہلز"

"ڈکسٹر لنک کا معتمد۔۔" عمران نے مزید وضاحت کی اور منیجر نے ماؤتھ پیس میں یہی دہرایا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے ریسیور رکھ کر عمران سے کہا۔

"مسٹر ٹارلن ہام اس وقت صفدر لین کی کوٹھی نمبر ایک سو ایک میں ہیں آپ وہیں جا کر ان سے مل سکتے ہیں۔"

"اچھا۔ شکریہ۔" عمران نے کچھ اس انداز میں کہہ کر منیجر سے مصافحہ کیا جیسے بہت جلدی میں ہو۔ باہر آ کر اس نے پھر ٹیکسی کی اور صفدر لین کی طرف روانہ ہو گیا۔ صفدر لین کی ایک سو ایک کوٹھی ہی کے متعلق اسے معلوم ہوا تھا کہ وہاں ایک لڑکی بھی ہے لیکن بلیک زیرو اور روشی یہ نہیں بتا سکے تھے کہ اس کی حیثیت کیا ہے اُن کا بیان تھا کہ لباس تو وہ ملازماؤں جیسا پہنتی ہے لیکن رکھ رکھاؤ سے کوئی غریب لڑکی نہیں معلوم ہوتی۔

اس کے باوجود بھی عمران نے سوچا کہ دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ اگر لڑکی وہ نہ ہوئی جس کی اُسے تلاش تھی تو پھر وہ کوئی دوسرا طریق کار اختیار کرے گا۔ تقریباً بیس منٹ بعد ٹیکسی صفدر لین میں داخل ہوئی اور پھر ایک سو ایک کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ عمران اتر کر پھاٹک سے گزرا اور ایک روش طے کرتا ہوا بیرونی برآمدے میں پہنچ گیا۔ یہاں کال بیل کا بٹن ایک نمایاں جگہ پر نصب تھا اس لیے عمران کو اندر والوں سے رابطہ قائم کرنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

کچھ دیر بعد وہ عمارت کے شاندار کمرے میں بیٹھا ٹارلن ہام کا انتظار کر رہا تھا لیکن اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس وقت عمارت میں ایک نہیں کئی لڑکیاں موجود تھیں۔ مگر وہ ان میں سے ایک کا بھی تفصیلی جائزہ نہیں لے سکا کیونکہ وہ لڑکیاں تو چھلاوہ تھیں۔ اِدھر آئیں اُدھر گئیں! تھوڑی دیر بعد ٹارلن ہام کمرے میں داخل ہوا۔۔ عمران نے اٹھنا چاہا لیکن ٹارلن ہام نے دوسرے ہی لمحے میں جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔ کیا تم مجھے یہ بتانے آئے ہو کہ ڈکسٹر لنک کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔۔ شاید۔ میں تمہیں یہی خوش خبری دینے آیا ہوں۔"

"بہت چالاک معلوم ہوتے ہو۔" وہ عمران کو نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن کیا تم یہاں سے واپس جا سکو گے؟"

"نہیں۔۔ میں تو یہاں مستقل قیام کے ارادے سے آیا ہوں۔"

بے وقوف

ایک ناشر نے کسی سے پوچھا۔ "آپ کیا بناتے ہیں۔"
ناشر نے جواب دیا۔ "میں کتاب چھپنے سے پہلے مصنف بناتا ہوں اور کتاب چھپنے کے بعد بے وقوف۔"

"تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کی جائے گی۔" ٹارلن ہام نے کہا اور ٹھیک اسی وقت دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے اور ٹارلن ہام نے ان سے کہا۔ "اس کا گلا گھونٹ دو۔"

عمران بڑے سکون سے بیٹھا رہا۔ اس کی طرف بڑھنے والے دونوں آدمی رک گئے۔ شاید اسی بے اطمینانی ہی نے انہیں ہچکچاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

"چلو۔۔ رک کیوں گئے۔" ٹارلن ہام دہاڑا۔

وہ لوگ پھر عمران کی طرف بڑھے لیکن عمران اسی طرح بیٹھا رہا۔ البتہ اب اس میں اتنی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی کہ اس کے ہاتھ میں ریڑ کی ایک گڑیا نظر آ رہی تھی۔ جیسے ہی ان لوگوں کی نظر گڑیا پر پڑی وہ پھر رک گئے۔ عمران نے بالکل کسی ننھے سے بچے کی طرح گڑیا ان کی طرف بڑھا دی۔

"اوہ۔۔۔ یہ پاگل ہے۔۔" ٹارلن ہام غرایا۔ "اس کو مار ڈالو۔"

وہ دونوں عمران پر ٹوٹ پڑے لیکن دوسرے ہی لمحے میں ربڑ کی گڑیا ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ پھٹ گئی۔ عمران ان سے دور کھڑا اس طرح منہ بنا رہا تھا جیسے کچھ شریر بچوں نے اس کا کوئی کھلونا توڑ ڈالا ہو۔

ٹارلن ہام ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو فرش پر پڑے ہوئے بری طرح اپنی آنکھیں مل رہے تھے اور جن کی زبانیں گالیاں اگل رہی تھیں۔

پھر وہ یک بیک مڑا اور عمران پر ایک فائر جھونک دیا۔۔۔ ایسے موقعے پر عمران غافل نہیں ہو سکتا تھا اس نے ایک طرف چھلانگ لگائی۔۔ گولی سامنے والے دروازے سے باہر نکل گئی۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں کمرہ کئی آوازوں سے گونجنے لگا۔ تقریباً دس آدمی اندر گھس آئے تھے اور عمران تنہا تھا۔

"ایکشن۔۔" ٹارلن ہام دہاڑا۔۔ پھر دوسری بار چیخا۔ "باہر کے سامنے دروازے بند کر دو۔"

کچھ لوگ عمران کی طرف جھپٹے اور کچھ باہر نکل گئے۔ ٹارلن ہام وہیں کھڑا رہا۔ عمران خاموشی سے انہیں گھور رہا تھا اس وقت تو بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی درندے کو جنگلی کتوں نے گھیر لیا ہو۔

ایک خطرناک قسم کی جنگ شروع ہو گئی۔ عمران نے ایک آدمی پر چھلانگ لگائی جس نے اس پر وار کرنے کے لیے چاقو نکال لیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چاقو عمران کے ہاتھ میں آ گیا۔۔ اور بیک وقت دو چیخیں بلند ہوئیں اور دو آدمی اچھلتے ہوئے دیوار سے جا لگے۔

"چاقو پھینک دو! ورنہ گولی مار دوں گا۔" ٹارلن ہام چیخا۔

"مار دو۔۔" عمران نے جواب دیا۔ "میں پاگل ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ گولی مارنا کسے کہتے ہیں۔"

ٹارلن ہام نے پھر ایک فائر کیا لیکن خود اسی کا ایک آدمی کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ اتنے میں دو سمت کمروں سے بھی توڑ پھوڑ اور بھاگ دوڑ کی آوازیں آنے لگیں۔ عمران نے ایک آدمی کو ٹارلن ہام پر دھکا دیا۔ ٹارلن ہام شاید اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ اس آدمی سمیت دیوار سے جا لگا۔ لہٰذا ایسی صورت میں پھر ریوالور اس کے ہاتھ میں کہاں رہ سکتا تھا۔ مگر وہ عمران کے ہاتھ بھی نہ آ سکا۔

"کچھ لوگ گھس آئے ہیں۔" ایک آدمی کمرے میں داخل ہو کر چیخا۔

"تم سب گدھے ہو۔" ٹارلن ہام کسی زخمی گدھے کی طرح رینکنے لگا۔ "مارو۔۔ ان سبھوں کو ختم کر دو۔۔ ورنہ میں تمہیں فنا کر دوں گا۔"

عمران پر چاروں طرف سے ان کی یورش بڑھ گئی۔ اب اس کے ہاتھ میں چاقو بھی نہیں رہ گیا تھا۔ دفعتاً ایکسٹو کے ماتحت اس کمرے میں در آئے۔ ان میں بلیک زیرو نہیں تھا۔۔ شاید عمران نے اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ خود نہ آئے بلکہ اس کے ماتحتوں کو وہاں بھیج دے۔ صفدر سعید، چوہان، تنویر، صدیقی، خاور، سب کے سب بھڑ کے چھتے کی طرح آ گرے۔ سارجنٹ نعمانی ان دنوں بیمار تھا ورنہ وہ بھی ان میں ہوتا۔

ٹارلن ہام کے ساتھیوں کی تعداد بارہ تھی۔ دفعتاً ٹارلن ہام نے ایک دروازے میں چھلانگ لگائی۔ عمران اُسے کب چھوڑنے والا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے جھپٹا لیکن ٹارلن ہام کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ ایک راہداری سے دوسری راہداری میں عمران کو چکر دے رہا تھا۔

پھر وہ یک بیک ایک کمرے میں گھس پڑا۔۔ اور دوسرے سرے پر پہنچ کر دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ "ٹھہرو۔۔" وہ ہاتھ اٹھا کر ہانپتا ہوا بولا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

"نگار سیا کو خاموشی سے میرے حوالے کر دو۔۔" عمران نے کہا۔

"ناممکن ہے۔۔ ہرگز نہیں۔۔ ہرگز نہیں۔"

"تب پھر میں تمہیں گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔۔" عمران اس کی طرف جھپٹا لیکن کمرے کے وسط میں پہنچ کر ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس کا پیر زمین میں دھنسنے لگا ہو۔ اس نے سنبھل کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی ہی تاریکی تھی۔۔۔۔ مگر اچانک بڑی تیزی سے وہ خود ہی مجسم نور بن گیا اور پورے جسم میں ایک ایسی چکا چوندھ ہوئی کہ اس کی زندگی ہی پلکیں جھپکانے لگی۔

پتہ نہیں وہ کتنی بلندی سے گرا تھا۔۔ تھوڑی دیر تو اسے ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے اس کا جسم ہزاروں ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا ہو پھر وہ اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا اور اسی جدوجہد کے دوران میں اُسے یقین ہو گیا کہ اس کے کسی عضو کی ہڈیوں نے داغِ مفارقت نہیں دیا۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔۔ اچانک کسی گوشے سے ایسی آواز آئی جیسے کسی نے دیا سلائی جلانے کی کوشش کی ہو۔ پھر اندھیرے میں ایک ننھا سا شعلہ نظر آیا عمران ایک طرف سمٹ گیا۔۔۔ دوسرے ہی لمحے اس نے ایک چھوٹا سا لیمپ روشن ہوتے دیکھا۔۔۔ عمران اچھل کر کھڑا ہو گیا۔۔ اس نے لیمپ کی دھندلی روشنی میں نظر آنے والے چہرے کو صاف پہچان لیا تھا۔ وہ نگار سیا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو

سکتی تھی۔ مگر اس کے چہرے سے اتنی نقاہت ظاہر ہو رہی تھی جیسے وہ برسوں کی بیمار ہو۔ عمران اٹھ کر لنگڑاتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔ اس کا پیر برابر سے زمین پر نہیں پڑ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نشہ اتر گیا ہو۔ نگار سیا بہت زیادہ خوف زدہ نظر آنے لگی۔

"تم کون ہو؟" اس نے انگریزی میں پوچھا۔ اس کی آواز بھرائی سی تھی۔

"میں ایک مسافر ساں ہوں۔"

"اوہ..." یک بیک نگار سیا کا چہرہ کھل گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے خوشی کے اظہار کے لیے اُسے الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

"کیوں محترمہ!" عمران نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اگر محبت اندھی ہونے سے پہلے ہی عینک استعمال کرنا شروع کر دے تو کیا حرج ہے۔"

"تم جو کوئی بھی ہو۔ خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکالو۔ میں زندگی بھر ایک غلام کی طرح تمہاری ممنون رہوں گی۔"

"نہیں!" عمران نے حیرت سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے آج کل کیوپڈ نے خالص گھی کا بیوپار شروع کر دیا ہے۔"

"میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔" وہ یک بیک بپھر گئی۔ "مجھے دھوکا دیا گیا تھا میں نہیں سمجھتی تھی کہ راگوین کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے گا۔ اب میں اُس سے اتنی نفرت کرتی ہوں جتنی شاید کسی خارش زدہ کتے سے بھی نہ کر سکوں۔"

"آہا..." عمران نے حیرت کا اظہار کیا۔ "یہ آپ کیا فرما رہی ہیں محترمہ۔"

"تم اگر اس معاملے کے متعلق کچھ بھی جانتے ہو تو تمہیں اس کا علم ہوگا کہ راگوین کو جلا وطن کر دیا گیا تھا لہٰذا اب اس کی محبت انتقامی جذبے میں تبدیل ہو گئی ہے۔ وہ اب صرف شاہی خاندان کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔"

"مگر آپ یہاں تک کیسے پہنچیں محترمہ؟"

"اس نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں صرف ایک بار اس سے مل لوں۔ وہ مجھ سے صرف چند منٹ گفتگو کرے گا۔ آخری گفتگو... اس کے بعد وہ شاہی وقار پر خود کو قربان کر دے گا۔ میں گورنمنٹ ہاؤز میں تھی" اس نے لکھا تھا کہ اگر میں بارہ بجے رات کو پائیں باغ میں آ سکوں تو اس کی آخری خواہش پوری ہو جائے گی۔ میں اس کا طرز تحریر پہچانتی تھی لہٰذا اس سے ملنے کے لیے بیتاب ہو گئی۔ میں نے اپنی ملازمہ کے کپڑے چرائے اور انہیں پہن کر پہریداروں کو دھوکے میں ڈالتی ہوئی راگوین کے تجویز کردہ مقام پر جا پہنچی... پھر مجھے ہوش نہیں کہ میں یہاں تک کیسے آئی' یہ بھی یاد نہیں کہ وہاں راگوین سے ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں۔ شاید وہ مجھے کسی طرح بے ہوش کر کے وہاں سے نکال لایا تھا۔ بہرحال اب وہ کہتا ہے کہ اسے مجھ سے ذرّہ برابر بھی محبت نہیں رہی۔ وہ تو دراصل اپنی جلا وطنی کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ اور وہ انتقام یہی ہو سکتا ہے کہ شاہی خاندان ساری دنیا میں بدنام ہو جائے..."

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ دفعتاً ایک زوردار کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور ساتھ ہی قہقہے کی آواز بھی آئی یہ ٹارلن ہام ہی کا قہقہہ ہو سکتا تھا... عمران نے اس کی آواز پہچان لی... ویسے وہ دوسرے لمحے میں سامنے آ گیا اس کے قہقہے اب بھی اس تہ خانے میں گونج رہے تھے اور اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے چھوٹتے ہی عمران پر فائر کر دیا اور عمران نے خود کو بچا کر گرتے گرتے نگار سیا کی چیخ سنی۔

"اور زور سے چیخو شہزادی صاحبہ... ڈکسٹر لنک کا یہ آدمی تو رخصت ہو گیا۔ میں اسی کی لاش پر تمہاری شادی ایک کتے کے پلّے سے کر دوں گا... اور پھر وہ ساری دنیا میں شاہی داماد کہلائے گا۔"

عمران نے نگار سیا کو پھوٹ پھوٹ کر روتے سنا۔ وہ ٹارلن ہام سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی!

"اگر تم کسی لوہار کی بیٹی ہوتیں تو میں اپنے وطن میں ہی رہ کر تمہیں شہزادی بنا دیتا لیکن ایک شہزادی کے لیے اس صدی میں یہ بھی مشکل ہے کہ اسے کوئی کتے کا پلا ہی قبول کر لے۔"

دفعتاً عمران نے اس پر چھلانگ لگائی اور اُسے اپنی پوری قوت سے دبوچ لیا۔ نگار سیا پھر چیخی لیکن اس چیخ میں خوف کے بجائے حیرت اور خوشی تھی۔ ٹارلن ہام کافی طاقت ور تھا۔ وہ عمران کی گرفت سے نکل جانے میں کامیاب تو ہو گیا لیکن ساتھ ہی ناک پر اسے ایک گھونسہ بھی ریسیو کرنا پڑا اور یہ گھونسہ کچھ اس قسم کا تھا کہ وہ بلبلا اٹھا۔

تقریباً پندرہ منٹ تک یہ جدوجہد جاری رہی پھر یک بیک عمران

اس پر چھا گیا۔

"لو... لو... یہ رسّی لو..." نگار سیا کپکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "کبھی... اسی رسّی سے میرا جسم جکڑا گیا تھا... مگر نہیں! اسے مار ڈالو... خدا کے لیے اسے مار ڈالو... دلیر آدمی میں تمہیں زندگی بھر یاد رکھوں گی۔ خدا کے لیے اسے مار ڈالو۔"

مگر رسّی استعمال کرنے کی نوبت نہیں آئی... ٹارلن ہام بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کی ناک اور منہ سے خون جاری تھا۔

❁

"ہاں تو بلیک زیرو..." عمران فون پر بلیک زیرو سے کہہ رہا تھا... "اس طرح میں اس پر قابو پا سکا۔ تہ خانے کے اوپر میرے دلیر ماتحتوں نے ایک خوفناک جنگ کے بعد اس کے ان ساتھیوں کو جکڑ لیا جو زندہ بچے تھے اور انہیں دانش منزل میں لے گئے وہاں سے پانچ لڑکیاں بھی برآمد ہوئیں جو اس کی داشتہ تھیں۔"

"کیا ٹارلن ہام زندہ ہے؟ مگر آپ نے یک بیک اس کا پتہ کیسے لگا لیا تھا۔؟"

"اگر ڈکسٹر لنک رہنمائی نہ کرتا تو لاکھ برس بھی مجھے اس کا سراغ نہ ملتا اس کی لڑکی نے مجھے اس کی تصویر دکھائی اور مجھے یاد آ گیا... کہ اس نے خود کو جرمن ہی ظاہر کیا تھا لیکن یہ حقیقتاً بلجیم کے شاہی محافظوں کے دستے کا ایک آفیسر تھا اور اس کا اصل نام بریجبر راگوین تھا۔ بہرحال اس نے ٹارلن ہام کے نام سے یہاں کے شہری حقوق حاصل کر لیے تھے اور پھر اس دوران میں ایک پیشہ ور مکا باز کی حیثیت سے اس کی کافی شہرت ہوئی اس کے بعد ہی سے وہ حیرت انگیز طور پر مال دار اور بارسوخ ہوتا گیا... ہاں' وہ زندہ ہے اور انتہائی رازداری کے ساتھ بلجیم کی حکومت کے حوالے کر دیا جائے گا..."

"لیکن شہزادی کی گم شدگی اُسے بدنامی سے کیسے بچا سکے گی جناب...؟"

"آہا!... بلیک زیرو!... وہ کسی نتھو بدھو یا خیراتی کی لڑکی تو ہے نہیں کہ اس کے عیوب کی پردہ پوشی نہ ہو سکے' بس کل صبح کے اخبارات میں شہزادی نگار سیا کے حیرت انگیز ایڈونچر کے حالات پڑھ لینا..."

"میں نہیں سمجھا جناب!"

"ارے اس کا ایک نہایت شاندار بیان شائع ہوگا... وہ لکھے گی کہ وہ آزاد ہو کر ہمارے ملک کی سیر کرنا چاہتی تھی لہٰذا ایک رات چپ چاپ گورنمنٹ ہاؤس سے نکل گئی اور سیر کر آئی! اگر یہ کسی غریب والدین کی لڑکی کے اغوا کا کیس ہوتا تو ہمارے اخبارات اس کا شجرۂ نسب تک شائع کر ڈالتے اور غریب والدین کو شرم کے مارے خودکشی ہی کرنی پڑتی لیکن اگر میں شہزادی کی گم شدگی کی سچی داستان حلق پھاڑ پھاڑ کر بھی شہر والوں کو سناتا پھروں تو کسی کو یقین نہ آئے گا کیونکہ شاہی خاندان والوں کی خودکشی زمین و آسمان کے ٹکڑے اڑا سکتی ہے' قیامت بھی لا سکتی ہے، خیر ختم کرو۔ میرا موڈ اس وقت بہت خراب ہے۔"

"ڈکسٹر لنک کا کیا بنا؟" بلیک زیرو نے پوچھا۔

"میں نے آج تک کسی ڈکسٹر لنک کا نام بھی نہیں سنا۔ کیا سمجھے۔"

"سمجھ گیا جناب۔" بلیک زیرو ہنسنے لگا اور عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

❁

دوسری صبح روشنی عمران کو بُری طرح گھیرے ہوئے تھی اور عمران سر سے پیر تک پورے سر سے کا گاؤدی اور احمق نظر آ رہا تھا۔

"بتاؤ کیا قصہ تھا ورنہ میں بہت بُری طرح پیش آؤں گی، میری ملازمت بھی خاک میں مل گئی۔ ٹارلن ہام بہت اچھے پیسے دیتا تھا۔ مگر اب کلب میں خاک اُڑ رہی ہے' پولیس نے اسے مقفل کر دیا ہے۔"

"قصہ یہ تھا روشنی ڈیئر..." عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "یہ قصہ تھا کہ ٹارلن ہام کی بھتیجی میری خالہ لگتی تھی لیکن ٹارلن ہام اس رشتے کو پسند نہیں کرتا تھا لہٰذا اس نے اپنی بھتیجی یعنی میری لگنے والی خالہ کو غائب کر دیا۔ مجھے اسی کی تلاش تھی لیکن آخر کار تلاش کا "مت" غائب ہو گیا اور سفید پلین والی عمارت میں اس کی لاش ملی... یہ ہے داستان۔"

"کیا وہ اس کی داشتہ تھی..." روشنی نے پوچھا۔

"نہیں تو... ناشتہ کر رہی تھی... مر گئی تھی۔"

"ناشتہ نہیں' داشتہ..." روشنی جھلا گئی۔

"داشتہ..." عمران معصومانہ انداز میں بولا۔ "داشتہ کسے کہتے ہیں؟"

"رکھی ہوئی عورت۔"

"ہاں وہ ایک میز پر رکھی ہوئی تھی!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"خدا تمہیں غارت کرے۔" روشنی دانت پیس کر بولی۔ "اگر میں تمہیں باورچی خانے کی چمنی پر رکھ دوں تو کیا تم بھی داشتہ کہلاؤ گی۔"

روشنی نے جھلاہٹ میں پیپر ویٹ کھینچ مارا۔ عمران نیچے جھک گیا اور پیپر ویٹ اس پر سے گزرتا ہوا کیپٹن فیاض کی پیشانی پر لگا جو ٹھیک اسی وقت کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"ہائیں سوپر فیاض..." عمران چیخا۔ "کیا تم بھی داشتہ ہو گئے کہ اس طرح فرش پر رکھے ہوئے ہو۔"

"اوہ... معاف فرمائیے گا جناب۔" روشنی بُری طرح بوکھلا گئی۔

"کوئی بات نہیں۔" فیاض اپنی پیشانی رگڑتا ہوا ہنس رہا تھا۔

"ا... ے!... ارے... تم ہنس رہے ہو۔ تب پھر تم داشتہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ لڑکی داشتہ ہو جانے کے بعد مجھے "ماجانجا" نہیں کہہ سکی تھی۔"

فیاض ہنستا ہی رہا... غالباً وہ اپنی شکست تسلیم کر کے آئندہ کے لیے راہ کھولنے آیا تھا۔



ایک دلچسپ اور مکمل ناول

لازوال اور سدا بہار کہانی کار کا ایک اور شاہکار

ابنِ صفی

کیپٹن نے کار روکی اور نیچے اُتر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف اُونچی اُونچی چٹانوں کے سلسلے دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ چند لمحے تذبذب میں کھڑا رہا پھر کار سے ربڑ کا ایک غبارہ نکالا جس میں گیس بھری ہوئی تھی۔ غبارے کا رنگ سُرخ تھا۔ کار اُس نے سڑک سے اُتار کر دو چٹانوں کے درمیان کھڑی کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جگہ پہلے ہی سے بنا کر تیار رکھی گئی ہو کیونکہ یہاں زمین ہموار تھی اور اس کے آگے کی ڈھلان تین چار بڑے بڑے پتھروں سے بند کر دی گئی تھی۔ وہ غبارہ لیے سڑک پر آیا اور پھر بڑی پھرتی سے سڑک پار کی۔ دُوسرے لمحے وہ دُوسری جانب ڈھلان میں اُتر رہا تھا۔ اُس کے جسم پر خاکی قمیص اور خاکی برجیس تھے اور پیروں میں گھٹنوں تک پہنچنے والے رائیڈنگ بوٹ۔ سر پر براؤن چمڑے کا خود منڈھا ہوا تھا جس میں چمڑے کی تہوں کے درمیان فولاد کی ٹوپی تھی۔ وہ اس طرح چٹانوں کی اوٹ لیتا ہوا ڈھلان میں اُتر رہا تھا۔ جیسے دیکھ لیے جانے کا خطرہ ہو۔ سُورج مغرب میں جھکنے لگا تھا اور دُھوپ کی رنگت نارنجی ہو چلی تھی۔ اگست کی ہوا میں بھی اتنی خنکی ضرور تھی کہ حمید محنت نہ کر رہا ہوتا تو اس کے دانت بجنے لگتے۔ کچھ دُور چلنے کے بعد وہ بائیں جانب مُڑ گیا۔ یہ ایک تنگ سا درّہ تھا۔ دونوں چٹانوں کا درمیانی فاصلہ دو فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا لیکن آگے چل کر وہ بتدریج کشادہ ہو گیا تھا۔ اختتام پر دونوں چٹانوں کا فاصلہ بیس فٹ سے بھی زیادہ نہ تھا اور یہ ایک ایسی چٹان پر پہنچا تھا جس کی اُونچائی راستے کی سطح سے تقریباً پانچ فٹ ضرور رہی ہوگی۔ حمید بہت احتیاط سے دُوسری طرف جھانکنے لگا۔ یہاں بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے دیکھ لیے جانے کا خدشہ لاحق ہو۔ دُوسری طرف نشیب ہی نشیب تھا اور اس کے بعد کی چڑھائی پر وہی اُسی سڑک کا ایک حصّہ نظر آ رہا تھا جس پر سے وہ گزر کر یہاں تک پہنچا تھا۔ اس جگہ سے اُس کا فاصلہ تین فرلانگ سے زیادہ نہ رہا ہوگا لیکن اگر حمید دوبارہ کار پر بیٹھ کر سڑک کے اس حصّے پر پہنچنے کی کوشش کرتا تو اسے کم از کم چار میل کا چکر ضرور لگانا پڑتا۔ اس نے غبارہ داہنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے بائیں ہاتھ سے دُوربین نکالی جو اس کی قمیص کی جیب میں موجود تھی۔ سڑک اُس کی نظروں میں اور زیادہ واضح ہو گئی۔ وہ دُوربین کا فوکس موزوں کرتا رہا۔ وہ دراصل اُس سُرنگ کی طرف دیکھ رہا تھا جس میں داخل ہو کر سڑک نظروں سے غائب ہو گئی تھی۔ اکثر وہ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ دفعتاً اُس نے گیس بھرا ہوا غبارہ چھوڑ دیا اور وہ تیر کی طرح اُوپر خلا میں چڑھتا گیا۔ دُور سُرنگ سے خچروں کی ایک قطار برآمد ہو رہی تھی۔ حمید غبارہ چھوڑ کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ آیا۔ اب وہ پھر اُسی راستے پر چل رہا تھا جس سے پہنچا تھا۔

❋

خچروں پر سامان لدا ہوا تھا اور اُن کی تعداد چالیس سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ ہر خچر پر ایک آدمی بھی موجود تھا۔ اگلے خچر والے کی نظر فضا میں بلند ہوتے ہوئے غبارے پر پڑی اور اُس کے ہاتھوں سے خچر کی باگ چھوٹ گئی۔ پھر وہ سنبھلا اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر انہیں مجنونانہ انداز میں ہلانے لگا پھر یک بیک پورے قافلے میں ابتری اور بدنظمی پھیل گئی۔ وہ لوگ جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی بھاگنے لگے خچروں کی قطار درہم برہم ہو گئی۔ سُرنگ میں گھس کر وہ دُوسری طرف جا نکلے۔ خچر بھاگتے رہے۔ اچانک ایک جیپ سامنے آتی دکھائی دی۔ اس پر ایک چھوٹا سا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ خچر والوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ ٹھہر جاؤ۔ بدقت تمام خچروں کو روکا جا سکا۔ جیپ کار اُن کے قریب آ کر رُک گئی۔ ایک بلڈاگ قسم کا آدمی ڈرائیو کر رہا تھا اور تنہا تھا۔ اپنی ہیئت کے اعتبار سے وہ کوئی بڑا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے چہرے پر سخت گیری کے آثار تھے بھاری بھرکم جبڑا ان آثار کو کچھ اور زیادہ تقویت سی دیتا معلوم ہوتا تھا۔

"کیوں! یہ کیا ہے؟" وہ غصیلی آواز میں چیخا۔ "مادھو تم کہاں مر گئے؟"

دفعتاً ایک آدمی نے اپنا خچر آگے بڑھایا اور جیپ کار کے قریب پہنچ کر بولا۔ "لال غبارہ۔"

"لال غبارہ؟" جیپ والے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"لال غبارہ جناب۔" مادھو نے پھر کہا۔ "آج تک ایسا نہیں ہوا۔"

"تمہیں وہم ہوا ہوگا۔" جیپ والا بولا۔

مادھو نے مُڑ کر آسمان کی طرف دیکھا جیپ والے کی نظر بھی اُٹھ گئی۔ سُرخ غبارہ آہستہ آہستہ تارہ ہوا جا رہا تھا۔

"یہ کیا مصیبت ہے!" جیپ والا بڑبڑایا اور ٹھیک اسی وقت چاروں طرف سے فائر ہوئے لیکن شاید یہ ہوائی فائر تھے اور قافلے والوں کو صرف اتنا بتانے کے لیے کیے گئے تھے کہ وہ چاروں طرف سے گھیر لیے گئے ہیں۔

جیپ والا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ چاروں طرف بکھری ہوئی چٹانوں کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن اُس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نہیں تھے۔ اُس نے ہاتھ اُٹھا کر اشارے سے قافلے والوں کو نظم و ضبط قائم کرنے کو کہا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دفعتہً چاروں طرف اُسے متعدد سُرخ ٹوپیاں نظر آئیں اور پھر مسلح پولیس کانسٹیبل باقاعدہ طور پر اُن کے سامنے آ گئے۔ اُن کی رائفلوں کا رُخ قافلے کی جانب تھا۔ سبھوں نے اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا دیے۔ پولیس پارٹی کی قیادت کیپٹن حمید کر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں پُورا قافلہ گھیر لیا گیا۔ پولیس کانسٹیبل خچروں کے قریب پہنچ گئے۔

"تم لوگ خچروں سے سامان اُتار کر سڑک پر ڈال دو۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ "ورنہ کوئی لاشیں گننا بھی پسند نہ کرے گا۔"

"آخر کیوں؟" جیپ والا نیچے اُترتا ہُوا بولا۔

"بکواس مت کرو۔ تم کون ہو؟"

"اوہ۔ سنیے تو سہی جناب۔۔۔ آخر آپ خفا کیوں ہوتے ہیں؟ ذرا الگ چلیے میں آپ کو سب کچھ سمجھا دوں گا۔" جیپ والے نے مسکرا کر کہا۔

"میں راضی نہیں ہوں۔ لہٰذا جو کچھ کہنا ہے یہیں کہو۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا تو آپ جو کچھ بھی کرنے جا رہے ہیں اس کے لیے آپ کو پچھتانا پڑے گا۔"

"ہاں۔ آں! میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اس کی پُشت پر کوئی بارسوخ آدمی ہو گا۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔" جیپ والا غصیلی آواز میں بولا۔

"ارے!" حمید نے خچر والوں کو مخاطب کیا۔ "کیا تم نے سُنا نہیں؟ سارا سامان سڑک پر اُتار دو۔"

خچروں سے بڑے بڑے تھیلے گرائے جانے لگے اور جیپ والا کھڑا دانت پیستا رہا۔

کرنل فریدی نے فائل ایک طرف ڈال دی اور جیب سے ڈائری نکال کر اس پر کچھ لکھنے لگا۔ آفس کا وقت ختم ہو چکا تھا اور دُوسرے لوگ جا چکے تھے لیکن فریدی کا کمرہ ابھی کھلا ہُوا تھا اور باہر چپراسی اسٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتہً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے قلم رکھ کر ریسیور اُٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"کرنل صاحب۔" دُوسری طرف سے آواز آئی۔۔۔ "ہاں میں ہی ہُوں۔" "میں امر سنگھ ہُوں جناب۔"

"ہاں۔۔۔ کہو۔۔۔ کیا بات ہے؟"

"کپتان صاحب کا تار ہے۔ اُنھوں نے اُن اسمگلروں کو پکڑ لیا ہے لیکن وہ خطرے میں ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا جناب! تحریر اتنی ہے کہ میں نے اُن اسمگلروں کو پکڑ لیا ہے لیکن میں خطرے میں ہُوں۔"

"تار کہاں سے آیا ہے؟"

"نیکم گڑھ سے۔"

"اوہ۔ اچھا۔ دیکھو امر سنگھ تم میرے لیے رات والے جہاز میں ایک سیٹ بُک کرا دو، کوشش یہی کرو کہ ایک سیٹ فوری طور پر بُک ہو جائے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھری ہُوئی تھیں اور آنکھوں سے گہرا تفکر مترشح تھا۔ اُس نے ڈائری بند کر کے جیب میں ڈالی اور اُٹھ گیا۔

چپراسی نے بہت لپک کر دروازہ کھولا۔ شاید اُسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اتنی جلدی اُٹھ جائے گا۔

گھر پہنچ کر بھی وہ سوچ میں ڈوبا رہا۔ تقریباً چھ بجے جب وہ ایئرپورٹ جانے کی تیاری کر رہا تھا فون کی گھنٹی بجی اور ریسیور اُٹھاتے ہی وہ دُوسری طرف سے بولنے والے کی شخصیت سے واقف ہو گیا۔ وہ محکمہ سُراغ رسانی کا ڈی آئی جی تھا۔ فریدی کو بھی اس ناوقت دخل اندازی پر حیرت تھی لیکن اُس نے اپنی حیرت ظاہر نہیں ہونے دی۔

"کیپٹن حمید کو نیکم گڑھ سے واپس بُلا لو۔" ڈی آئی جی نے کہا۔ "یہ کیس دُوسروں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"مگر یہ تبدیلی کیوں ہوئی جناب؟"

"تم جانتے ہو کہ اس قسم کی تبدیلیاں عموماً اسی وقت ہوتی ہیں جب اُن کے لیے اُوپر سے احکامات آئیں۔"

"میں جانتا ہُوں۔"

"بس تم اسے واپس بلا لو۔"

"بہتر ہے! میں اس جہاز سے نیکم گڑھ جا رہا ہوں جو نو بجے رات کو یہاں سے جاتا ہے۔"

"کیوں؟ تم کیوں جا رہے ہو؟"

"حمید خطرے میں ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اُس کا تار آیا ہے۔ اُس نے ان اسمگلروں کو پکڑ لیا ہے لیکن خود خطرے میں ہے۔"

"اوہ۔ دیکھو میرا خیال ہے کہ تبدیلی محض اسی لیے ہُوئی ہے کہ تم لوگ اس معاملے میں مداخلت نہ کرو۔"

"تو کیا میں حمید کو مر جانے دُوں؟" فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تم نہیں سمجھے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم حمید کو ساتھ لے کر خاموشی سے واپس آ جاؤ گے۔"

"بہتر ٹھیک۔ مجھے خاموش رہنے دیا گیا۔"

"دیکھو بھئی! میں تمہارے ہی بھلے کو کہہ رہا ہوں۔"

"مجھے حیرت ہے۔ پہلے کبھی آپ نے اس قسم کی گفتگو نہیں کی۔"

ڈی آئی جی نے دُوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور میز کے قریب ہی رُک کر کچھ سوچنے لگا۔ کچھ دیر بعد اُس نے پھر ریسیور اُٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو۔" دُوسری طرف سے آواز آئی۔

"کیا نام ہے؟"

"ورجن۔ تم کون ہو؟"

فریدی نے کوئی جواب دیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ پھر نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اُس نے کہا۔

"نمبر تین۔۔۔ نمبر تین۔"

"یس سر۔" دُوسری طرف سے آواز آئی۔

"سانگلی ہاؤز میں ورجن نامی آدمی پر نظر رکھو۔ وہ عمارت میں موجود ہے۔"

"ویری ویل سر۔" دُوسری طرف سے آواز آئی اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اُس نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ یک بیک گھنٹی بج اُٹھی۔

"ہیلو۔" فریدی نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔

"کرنل فریدی۔" دُوسری طرف سے آواز آئی۔

"فریدی اسپیکنگ۔" فریدی نے کہا۔

لیکن دُوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

فریدی نے ریسیور بڑی تیزی سے رکھا اور دُوسرے کمرے میں چلا آیا۔ یہ کمرہ دراصل اس کا اسلحہ خانہ تھا۔ اُس نے ایک ریوالور منتخب کیا اور کارتوسوں کا ایک پیکٹ جیب میں ٹھونستا ہُوا باہر نکل آیا پھر اُس نے وہ سامان بھی وہیں چھوڑ دیا جو ساتھ لے جانے کے لیے اکٹھا کیا تھا لیکن وہ اپنی چیک بُک نکالنا نہیں بھولا۔ برآمدے میں آ کر ڈرائیور کو آواز دی تھوڑی ہی دیر بعد اُس کی کار پھاٹک سے باہر نکلی۔

"ایئرپورٹ۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔ روانگی سے پہلے اُس نے ملازموں کو ہدایت کر دی کہ اس کی واپسی تک سارے خطرناک قسم کے کُتے ہر وقت کھلے رکھے جائیں۔ کار تیزی سے ایئرپورٹ کی طرف بڑھتی رہی لیکن فریدی اس سے بھی لاعلم نہیں تھا کہ تعاقب برابر جاری ہے۔ پچھلی کار کی ہیڈ لائٹس صاف نظر آ رہی تھیں۔ فریدی نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ وہ اب بھی پچھلی کار پر نظر جمائے ہُوئے تھا۔ دفعتہً خود اُس کی کار ایک زبردست دھچکے کے ساتھ رُک گئی اور پھر اُسے احساس ہُوا کہ واقعہ کیا تھا؟ اُس کی گاڑی سے ایک دُوسری کار صرف ایک فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور بُری طرح گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کا ڈرائیور کچھ گرم ہُوا ہی تھا کہ اُس کار سے دو تین آدمی نیچے کُود پڑے۔

"کھینچ لو سالے کو۔" ایک نے کہا۔

"گاڑی بیک کرو۔" فریدی نے اپنے ڈرائیور سے کہا لیکن اب بیک کرنے کی بھی جگہ نہیں رہ گئی تھی کیونکہ تعاقب کرنے والی کار پیچھے آ کر رُک گئی تھی اور اُس کا فاصلہ بھی فریدی کی کار سے شاید ایک ہی فٹ تھا۔

فریدی سوچنے لگا۔ کاش وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا ہوتا لیکن وہ ڈرائیور بھی فریدی ہی کا تھا۔ اُس نے اتنی ہی جگہ میں گاڑی موڑ کر بڑی بے دردی سے اُن لوگوں پر چڑھا دی جو اگلی کار سے اُترے تھے۔ فریدی کی کار کا اگلا حصہ اگلی کار سے ٹکرایا۔ گاڑی مُڑی ضرور لیکن سڑک سے نیچے نہ اُتر سکی۔ ویسے وہ لوگ بوکھلا کر کافی دُور ہٹ گئے تھے جنہوں نے اگلی کار سے اُتر کر ڈرائیور پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ فریدی کے لیے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ اُس نے کار سے چھلانگ لگا دی۔ پچھلی کار سے بیک وقت کئی فائر ہُوئے مگر بالکل ایسا ہی معلوم ہُوا جیسے فریدی اندھیرے کے اتھاہ سمندر میں تیرتا ہُوا سڑک کے بائیں جانب والے نشیب میں اُتر گیا ہو۔ سڑک سُنسان پڑی تھی اور غالباً اس سناٹے کی

وجہ سے اسے یہاں گھیرا گیا تھا۔ دونوں کاروں سے اُترنے والے نشیب میں دوڑتے چلے گئے۔ فریدی کے ڈرائیور کو جب اطمینان ہو گیا کہ اب دونوں کاروں میں ایک بھی آدمی باقی نہیں رہا تو وہ نیچے اُترا۔ اگلی کار کو دھکیل کر پیچھے کیا اور اتنی جگہ بنائی کہ وہ بہ آسانی اپنی گاڑی موڑ کر آگے نکال سکے۔ وہ فریدی کا ڈرائیور تھا اس لیے اُسے کم از کم اتنا سلیقہ تو تھا ہی کہ دونوں کاروں کا ایک ایک ٹائر بیکار کر کے اُنہیں مزید تعاقب کرنے کے قابل نہ رہنے دیتا۔ اُسے یقین تھا کہ اسی سڑک پر کہیں نہ کہیں فریدی سے لازمی طور پر ملاقات ہو گی لہٰذا وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ اکثر معرکوں میں فریدی کا ساتھی رہ چکا تھا۔

اُسی رات کی بات ہے۔ کیپٹن حمید ٹیکم گڑھ کے ایک نائٹ کلب میں رنگ رلیاں منا رہا تھا۔ اُس کی رنگ رلیاں وہاں بھی جاری رہتی تھیں جہاں قدم قدم پر موت کا سامنا ہوتا تھا لیکن یہ بتانا دشوار تھا کہ وہ ایسے مواقع پر خود کو فریب دینے لگتا تھا یا حقیقتاً وہ اتنا ہی نڈر اور بے پروا تھا۔ ان اسمگلروں کو گرفتار کرنے کے بعد سے اب تک اُس پر دو حملے ہو چکے تھے لیکن حاضر دماغی آڑے آئی تھی ورنہ اس وقت اُس کی رُوح عالمِ ارواح میں بھیک مانگتی پھر رہی ہوتی۔ اُسے ٹیکم گڑھ میں اُس وقت تک ٹھہرنا تھا جب تک کہ فریدی اُسے واپسی کی ہدایت نہ کرتا۔ اُن اسمگلروں کو پکڑنے کے لیے اُسے خاصی ذہنی جمناسٹک کرنی پڑی تھی۔ اُس نے کئی دنوں تک چھپ چھپ کر ان راستوں کی نگرانی کی تھی اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسمگلر بآسانی پکڑے جا سکتے ہیں لیکن شاید سرحد کے محافظ دیدہ دانستہ ان کی طرف سے غفلت برتتے تھے۔ ان گرفتاریوں کے سلسلے میں غباروں والا معاملہ کافی دلچسپ ثابت ہُوا تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ فریدی اس کارنامے پر داد دیے بغیر نہ رہ سکے گا۔ در اصل اُن غباروں ہی کی وجہ سے حمید کو اس راستے کا علم ہو سکا تھا جس سے اسمگلر مال لے جاتے تھے۔ ورنہ ان پہاڑوں میں قافلے تو آتے جاتے رہتے۔ پُوری پُوری پلٹنوں کا ڈھونڈ نکالنا آسان کام نہیں تھا تو کیا وہ اسمگلر احمق تھے؟ خود ہی اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالنا چاہتے تھے؟ یہ بات حمید کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ قصّہ یہ تھا کہ ایک دن وہ اُنہی اسمگلروں کی تلاش میں ٹیکم گڑھ کے پہاڑوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا کہ اچانک اُسے فضا میں سبز رنگ کا ایک غبارہ اُڑتا ہُوا نظر آیا۔ پہلے تو اُس نے اُسے نظر انداز کر دیا لیکن پھر سوچا کہ اس ویرانے میں غبارہ کس نے اُڑایا؟ اس حصّے میں تو شاید ٹورسٹ بھی نہیں آتے تھے۔ کچھ دیر کے لیے وہ اُلجھن میں پڑ گیا۔ پھر اُس نے فیصلہ کیا کہ اس غبارے کے متعلق چھان بین کرنی چاہیے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس نے خچروں کی ٹاپوں کی آوازیں سُنیں جو آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ وہ ایک چٹان کے پیچھے چھُپ گیا۔

خچروں کا قافلہ اُس کے سامنے آ چکا تھا اور وہ ایک ایسے آدمی کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں دُوربین تھی اور وہ اُس کے ذریعے غالباً اسی سبز غبارے کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اپنے برابر چلنے والے سے غالباً اس غبارے کے متعلق کچھ کہا بھی تھا۔ بس اسی جگہ سے حمید کامیابی کی راہ پر لگا تھا۔ وہ کئی دن تک اس راہ کا جائزہ لیتا رہا جس سے قافلہ گزرا کرتا تھا۔ اُس نے جو چیز خصوصیت سے مارک کی وہ یہی تھی کہ سب سے پہلے فضا میں سبز غبارہ بلند ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد ہی ایک قافلہ کسی طرف سے نمودار ہوتا ہے جس دن سبز غبارہ نہ دکھائی دیتا اس دن وہ راہ صبح سے شام تک ویران ہی پڑی رہتی۔ حمید نے اس پر کافی غور کرنے کے بعد تہیّہ کیا کہ وہ سُرخ غبارہ اُڑا کر اُنہیں آزمائے گا۔ لہٰذا اُس نے یہی کیا۔ اسمگلر سُرخ غبارے کو خطرے کا نشان سمجھ کر بھاگ نکلے اور اُنہیں وہ سُرخ غبارہ دیکھ کر حیرت بھی ہُوئی کیونکہ شاید اُن کے لیے یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس سے پہلے کبھی اُنہیں سُرخ غبارہ نہیں دکھائی دیا تھا۔

بہرحال اُن کی گرفتاری کے بعد حمید نے لاکھوں روپے کا ایسا مال برآمد کیا جو غیر قانونی طور پر ملک سے باہر لے جایا جا رہا تھا لیکن یہ اور بات ہے کہ اُسی رات اُس پر قاتلانہ حملہ ہُوا۔ اس کے بعد ہی اسمگلروں پر سختی کی جانے لگی کہ وہ اُس شخص کا نام ظاہر کر دیں جو اس اسمگلنگ کی پُشت پر تھا لیکن اُنہوں نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ خود حمید بھی اُن کی زبانیں نہ کھُلوا سکا۔ پھر اس طریقے کو فضول سمجھ کر اُس نے دُوسری راہ اختیار کی۔ رمیش اور چند دوسرے سادہ لباس والوں کو اپنی حفاظت پر مامور کر کے کھُلے عام نکلنے بیٹھنے لگا لیکن جب سے اُس نے یہ رویّہ اختیار کیا تھا تیسرے حملے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

اس وقت بھی وہ ٹیکم گڑھ کے ایک بارونق نائٹ کلب میں بیٹھا رقص کرتے ہُوئے جوڑوں کو گھُور رہا تھا اور اس راؤنڈ کے خاتمے پر اُس کا ارادہ تھا کہ کسی خوبصورت سی لڑکی سے ہم رقص بننے کی درخواست کرے گا لیکن وہ کچھ تھوڑا سا بور بھی ہو رہا تھا کیونکہ قاسم نے یہاں بھی اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اتفاق سے اُس وقت قاسم بھی فریدی کی کوٹھی میں موجود تھا جب حمید ٹیکم گڑھ کے لیے روانہ ہونے والا تھا لہٰذا جس دن حمید ٹیکم گڑھ پہنچا۔ اس کے تیسرے ہی دن قاسم بھی یہاں موجود تھا۔ یہ تو اُسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ حمید کا قیام کس ہوٹل میں ہو گا۔

اس وقت بھی وہ اسی کلب میں موجود تھا لیکن ڈائننگ ہال میں۔ اس کا خیال تھا کہ پہاڑوں پر بھُوک اور زیادہ کھُل جاتی ہے لہٰذا اُس کی بھُوک کھُل گئی تھی اور بھُوک کھُلنے کا مطلب کم از کم اس کے لیے تو یہی ہو سکتا تھا کہ وہ ایک میز دبائے اکّنوں بیٹھا رہے۔ ریکریئیشن ہال میں کئی تگڑی تگڑی سی لڑکیاں موجود تھیں لیکن بھُوک کھُل جانے پر کسی تگڑے سے بکرے کی ران کے علاوہ دُنیا کی کسی دُوسری چیز سے دلچسپی نہیں رہ جاتی تھی۔

مگر حمید تو بور ہی ہو رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کب محسوس کر بیٹھے کہ اس کا پیٹ بھر چکا ہے اور پھر لڑکھڑاتا ہُوا رقص گاہ میں پہنچ جائے۔ بہت زیادہ کھا جانے کے بعد عموماً اس کی حالت شرابیوں کی سی ہو جایا کرتی تھی اور شاید وہ کھوپڑی کی بجائے معدے سے سوچنے لگتا تھا۔ حمید نہیں چاہتا تھا کہ قاسم کے معدے کا بار اس کے ذہن پر پڑے لہٰذا اس کی بوریت برحق تھی مگر وہ کرتا بھی کیا؟ یہ ٹیکم گڑھ کا سب سے زیادہ بارونق نائٹ کلب تھا اور یہاں عموماً اُونچے ہی قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ ظاہر ہے اُن کے ساتھ اتنی ہی اُونچی عورتیں بھی آتی ہوں گی۔

انگریزی کہاوت ہے کہ شیطان کا خیال آتے ہی شیطان سر پر مسلط ہو جاتا ہے۔ قاسم کے سلسلے میں بھی یہی ہُوا۔ اس کے متعلق سوچا ہی تھا کہ وہ اپنے پہاڑ سے وجود سمیت وہاں موجود تھا۔

"ہائیں۔۔۔ تم اکیلے بیٹھے ہو پیارے۔" اُس نے حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"کیا یہ بیہودگی ہے! تمیز سے بیٹھو۔" حمید اس کا ہاتھ جھٹکتا ہُوا بولا۔

قاسم جھینپ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں اُسے خیال پیدا ہُوا کہ کہیں حمید کی جھڑکی کسی نے سُن نہ لی ہو۔ ورنہ عموماً اُسے اس کی پروا نہیں ہوتی تھی کہ کون اُس سے کس لہجے میں گفتگو کر رہا ہے۔ پھر حمید نے اُس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

"پیارے آخر ناراض کیوں ہو؟" قاسم خلافِ توقع گھگھیایا۔

"او بابا۔۔۔ کیوں موت آئی ہے؟" حمید چڑھ کر بولا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کچھ لوگ مجھے قتل کر دینے کے چکّر میں ہیں۔ اگر کوئی گولی تمہاری طرف بھُول پڑی تو تمہاری کنواری خانم ہمیشہ کے لیے خوش حال ہو جائیں گی۔"

"میں اُسے کبھی خوشحال نہیں ہونے دُوں گا۔" قاسم غرّایا۔

"لہٰذا چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"یعنی مَیں تم کو یہاں خطرے میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ نہیں حمید بھائی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ مَیں اِن سالوں کا خُون پی جاؤں گا۔ کوئی نظر بھی تو آوے۔"

"نہیں تمہاری موت مجھے بہت گراں گزرے گی۔"

"گزرنے دو سالی کو۔ میں موت ووت کی پروا نہیں کرتا۔"

"اچھا تو مرو۔" حمید نے جھلّا کر میز پر دو ہتّڑ چلایا اور قاسم "ہی ہی ہی" کرتا ہُوا بیٹھ گیا۔

دفعتہً مائیکروفون کی موسیقی ایسی معلوم ہونے لگی جیسے بہت سے کُتّے کے پلّے چیخ رہے ہوں۔ رقص ختم گیا اور لوگ اِس طرح کھڑے ہو گئے جیسے کوئی بہت بڑی مصیبت آنے لگی ہو۔ یہ شور بدستور جاری رہا۔ حالانکہ سازندوں نے بھی اپنے ہاتھ روک لیے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ شور کم ہوتا گیا اور کسی نے انگریزی میں کہا "مَیں ڈاکٹر ہرمین آج پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہُوں۔ مجھے افسوس ہے کہ مَیں آپ کی تفریحات میں مُخل ہوتا ہُوں اور میری وجہ سے سارے مُلک کی براڈ کاسٹنگ میں رخنہ پڑتا ہے۔ مگر پھر بتائیے مَیں آپ تک اپنے خیالات کیسے پہنچاؤں؟ میں امن کا پجاری ہُوں۔ میں چاہتا ہُوں کہ سائنس کی ترقی انسانیت کی فلاح کے لیے کام آئے۔ میں چاہتا ہُوں کہ دُنیا کے بہترین دماغ تخریب کی راہوں سے ہٹ جائیں۔ ایک بار سُنیے کہ میں کون ہُوں؟ آپ کا خادم ڈاکٹر ہرمین جرمنی کے اُن گنے چنے سائنس دانوں میں سے ہُوں جن پر نازی فوج کی ہار جیت کا دارومدار تھا لیکن آپ یقین کیجیے کہ پچھلی جنگِ عظیم کی تباہ کاریوں نے مجھے ہر [illegible] تھا آج بھی اُسے یاد کرتا ہُوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر جب جرمنی کی شکست کے بعد فاتحین نے جرمنی کی دولت اور زمین کے ساتھ ہی ساتھ آدمی بھی بانٹنے شروع کیے تو میں کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل آیا۔ اب میں مشرق کی پُرسکون اور امن پرور فضا میں سانس لے رہا ہُوں۔ اگر میں یہاں باقاعدہ طور پر کھُلم کھُلا کام کرنا چاہتا تو حکومت مجھے کبھی اس کی اجازت نہ دیتی۔ اجازت دینا تو الگ رہا۔ آپ کی حکومت مجھے قیدی بنا کر ان دو بڑی قوتوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیتی جنہوں نے جرمنی کو بانٹ لیا ہے۔ بہرحال مَیں نے تہیّہ کیا ہے کہ اب بنی نوعِ انسان کے لیے کام کروں گا۔ میری ایک پیش کش کل ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جانے کی یعنی ٹیکم گڑھ میں آپ اُس سے خوف نہ کھائیں۔ وہ

آپ کا خادم ہوگا لیکن خدارا اُسے پکڑنے کی کوشش نہ کیجیے گا ورنہ نتیجے کے آپ خود ذمے دار ہوں گے۔ بس آپ اُس کی خدمات سے فائدہ اُٹھائیے۔"

پھر سناٹا چھا گیا۔ سازندوں نے ساز چھیڑ دیے۔ مائیک کام کرنے لگا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اُدھر تین ماہ سے اکثر ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے۔ سارے ملک میں کسی ڈاکٹر ہربین کی آواز گونجنے لگتی۔ مقامی براڈ کاسٹنگ اسٹیشن بے کار ہو کر رہ جاتے۔ ہر ریڈیو پر ڈاکٹر ہربین کی آواز سُنائی دیتی۔ خیر ریڈیو کا معاملہ تو کسی حد تک معمولی ہی تھا لیکن اس چیز نے خاص طور پر ٹیکنیشنز اور ملکی سائنسدانوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا کہ اس کی آواز مائیکروفون پر بھی سُنائی دیتی تھی۔ مثلاً آپ مائیکروفون پر کسی لیڈر کی تقریر یا کوئی اچھا سا ریکارڈ سُن رہے ہیں کہ یکایک تقریر یا گیت کتوں اور بلیوں کی آوازیں تبدیل ہو جائیں گے اور پھر تھوڑی دیر بعد آپ ڈاکٹر ہربین کی آواز سُنیں گے۔

ڈاکٹر ہربین۔ یہ نام تقریباً ہر ایک کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا اور پولیس اس پُراسرار آدمی کی تلاش میں تھی۔ محکمہ سراغرسانی کے بہترین دماغ، دن رات اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ڈاکٹر ہربین کا ٹھکانہ معلوم ہو جائے۔ خود کرنل فریدی بھی کافی عرصے تک اس کے لیے سرگرداں رہ چکا تھا مگر اب اُس نے اس کے سلسلے میں دوڑ دھوپ ترک کر دی تھی اور کسی ایسے موقع کا منتظر تھا جب ڈاکٹر ہربین سے کوئی لغزش ہو جائے۔ اس وقت یہاں اس نائٹ کلب میں بیٹھے بیٹھے حمید نے سوچا کہ اس وقت حقیقتاً ہربین سے ایک لغزش ہوگئی ہے۔ آخر اُس نے اپنی کسی پیش کش کے سلسلے میں خصوصیت سے ٹیکم گڑھ ہی کا نام کیوں لیا تھا۔ ٹیکم گڑھ اور پہاڑیاں۔ حمید نے سوچا۔ اس قسم کے کاموں کے لیے بہت موزوں ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ یہیں کہیں ہو، مگر اس کی وہ پیش کش کیا ہوگی؟

"یہ سالا ہربین۔۔۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ "کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے قبول حمید بھائی۔"

"پتا نہیں!" حمید نے بے پروائی کے اظہار کے لیے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"اماں۔۔۔ وہ تمہیں یاد ہے۔۔۔ وہ جو بندروں کو انسان بنا دیتا تھا۔ وہ بھی تو سائنٹیفک تھا۔"

"سائنٹسٹ۔" حمید نے غرا کر تصحیح کی۔

"اماں۔ تم کیوں پکڑتے ہو میری زبان جو میرا دل چاہے گا کہوں گا۔ ہاں نہیں تو۔" رقص پھر شروع ہوگیا تھا۔ حمید کو اس بار بھی موقع نہ مل سکا کہ وہ کسی سے رقص کی درخواست کرتا۔

"آج تو مکھیاں مار رہے ہو۔" قاسم نے کچھ دیر بعد ہنس کر کہا۔

"تمہاری نحوست ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تمہاری شکل دیکھی اور لڑکیوں کے لیے چُغد ہو کر رہ گیا۔"

"تم خود۔۔۔ چُگد۔۔۔ چُغد۔"

"ابے میں اپنے ہی کو تو کہہ رہا تھا۔"

"نہیں تم نے مجھے کہا تھا۔"

"اچھا تمہیں ہی کہا تھا جو کچھ کرنا ہو کر لو۔" حمید نے کہا اور وہاں سے اُٹھ گیا۔ پھر وہ سیدھا رقاصوں کی بھیڑ میں آیا اور اکیلے ہی ناچنے لگا مگر یوں رہی تھا جیسے کوئی لڑکی اُس کے بازوؤں میں ہو۔ بہت سے قہقہے فضا میں لہرائے لیکن حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

قاسم پیٹ پکڑے ہوئے قہقہے پر قہقہہ لگا رہا تھا پھر جتنے جوڑے بھی رقص کرتے ہوئے حمید کے پاس سے گزرتے اس کی بے چارگی پر افسوس ضرور ظاہر کرتے لیکن جیسے اُس سے دُور ہوتے اس طرح ہنس پڑتے جیسے ڈھکے چھپے الفاظ میں اُسے کوئی گندی سی گالی دے گئے ہوں۔ دفعتہً ایک لڑکی نے حمید کا راستہ روک لیا۔ یہ تنہا تھی اور شاید گیلری سے اُٹھ کر آئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کے لیے مغموم ہوں۔" اُس نے کہا۔

حمید رُک گیا اور آہستہ سے بولا۔ "میرا مذاق مت اُڑائیے، یہ میرا آخری رقص ہے۔ اس کے بعد میں خودکشی کر لوں گا۔"

"نہیں۔" وہ زبردستی حمید کو دوبارہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں کھینچ لے گئی۔

یہ ایک متوسط قد اور متناسب الاعضاء لڑکی تھی۔ رنگت چمپئی تھی اور اُس کی آنکھیں بڑی اور پُرکشش تھیں۔

"آپ تو بہت اچھا ناچتی ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"پتا نہیں۔" وہ مسکرائی۔ "آپ کے اس طرح اکیلے ناچنے میں کتنی جھلاہٹ تھی۔"

"تو کیا مجھے جھلانا نہیں چاہیے تھا۔"

"قطعی جھلانا چاہیے تھا۔" لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔ "شاید کئی لڑکیوں نے آپ کی درخواست رد کر دی تھی۔"

"میں کبھی کسی سے درخواست نہیں کرتا۔"

"بہت مغرور ہیں۔۔۔ کیوں؟" وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی اور حمید کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کی آنکھیں حقیقتاً بہت ہی سحر انگیز تھیں اور ان میں صحیح معنوں میں زندگی کی چمک پائی جاتی تھی۔ حمید نے ایسی آنکھیں بہت کم دیکھی تھیں۔

قاسم جو ابھی تک حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ یک بیک اپنی کھوپڑی سے باہر ہو گیا۔ اُس نے سوچا اگر وہ خود بھی اسی طرح تنہا ناچنا شروع کر دے تو کوئی تنگڑی سی لڑکی یقیناً اس پر رحم کھائے گی۔ وہ جھومتا ہوا اُٹھا اور اُسے ناچنا تو آتا نہیں تھا۔ بس وہ کسی شرابی کی طرح رقص گاہ کے فرش پر لڑکھڑانے لگا۔ دفعتہً ایک سُریلی سی چیخ نے اُس کے کانوں کے پردے پھاڑ دیے۔ ایک لڑکی کے پاؤں پر اُس کا پاؤں پڑ گیا تھا۔

لڑکی کا پارٹنر اُس سے بھڑ گیا اور لوگ بھی دوڑے لیکن قاسم جو بہت اچھے موڈ میں تھا، دونوں ہاتھ اُٹھا کر چیخا۔ "براہِ کرم آپ لوگ دُور ہی رہیے۔ ان سے مجھے اچھی طرح نپٹنے دیجیے۔ میں نے ان کی معشوقہ کو تکلیف پہنچائی ہے۔"

لوگوں نے متحیرانہ انداز میں اس دیوزاد کے الفاظ سُنے مگر وہ آدمی برابر اُس پر گھونسے برسائے جا رہا تھا۔ آرکسٹرا خاموش ہو گیا اور وہاں خاصی بھیڑ ہو گئی۔ قاسم آدمیوں کے اس سمندر میں سب سے اونچا نظر آ رہا تھا۔

ڈرائیور کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ شاید دو فرلانگ چلنے کے بعد ہی فریدی بیچ سڑک پر کھڑا نظر آیا۔ کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی اس پر پڑی اور ڈرائیور کو ایسا معلوم ہوا جیسے دُوسری دُنیا کا کوئی آدمی ہو۔ اُس نے کار اُس کے قریب روک دی۔ فریدی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "ٹھیک ہے چلو۔"

وہ فریدی ہی کا ڈرائیور تھا۔ اس لیے اس رویّے پر ذرہ برابر بھی حیرت نہ ہوئی۔ وہ اس طرح خاموشی سے آ بیٹھا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ نہ چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے اور نہ لباس میں بے ترتیبی تھی۔ فلٹ ہیٹ بھی پہلے ہی کی طرح سر پر موجود تھی۔

ڈرائیور میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ اُس سے کچھ پوچھ سکتا۔ کار فراٹے بھرتی رہی۔ فریدی سوچ رہا تھا شاید اُنہیں علم ہو گیا ہے کہ اب وہ خود بھی ٹیکم گڑھ جا رہا ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ ائیرپورٹ پر بھی ٹکراؤ ہو جائے۔ وہ اُن کے لیے اپنے ہاتھوں کے ساتھ ہی ساتھ قانون بھی استعمال کر سکتا تھا مگر وقت کہاں تھا؟ وہ تو اس وقت ٹیکم گڑھ جانا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے معاملے کو طول نہیں دیا تھا۔ ائیرپورٹ کے پھاٹک پر کار رُکی۔ یہ جگہ کافی روشن تھی اور یہاں کسی قسم کے حملے کا امکان نہیں تھا۔ فریدی کار سے اُترا۔ ایک سادہ لباس والے نے آگے بڑھ کر اُسے سلام کیا۔

"کیوں؟" فریدی رُک گیا۔

"ڈُرجن۔۔۔ یہاں ویٹنگ رُوم میں موجود ہے جناب۔"

"بہت خوب۔" فریدی کی آنکھیں چمکنے لگیں اور اُس نے کہا۔ "میں باہر جا رہا ہوں لیکن تم اس پر ہمیشہ نظر رکھنا۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"میری عدم موجودگی میں اس کے متعلق ساری اطلاعات امر سنگھ کو دینا۔"

"بہتر جناب۔"

فریدی نے ڈرائیور کو اشارہ کیا کہ وہ کار واپس لے جائے اور خود اندر چلا گیا۔ یہاں امر سنگھ سیٹ کے ریزرویشن کی رسید لیے اس کا منتظر تھا۔ امر سنگھ ابھی حال ہی میں اُس کی ماتحتی میں آیا تھا۔ یہ ایک نوجوان، ذہین اور منچلا آدمی تھا۔

"امر یہاں ویٹنگ رُوم میں ڈرجن موجود ہے۔ میں نے نصیر تین کو اس کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اُس کی رپورٹ تم دیکھو گے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"اچھا اب تم جاؤ۔"

"لیکن یہاں ڈرجن کی موجودگی۔ جناب! میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی وہ ایک بار آپ سے بدتمیزی سے پیش آ چکا ہے۔"

"اوہ۔" فریدی مسکرایا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ کسی دن اُسے شارع عام پر بے عزت کروں۔"

"نہیں۔ ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے۔ ہمارا فن ٹھنڈا دماغ مانگتا ہے۔"

امر کچھ نہ بولا۔ فریدی ویٹنگ رُوم کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں اس وقت صرف تین آدمی تھے۔ فریدی نے اُن پر

اُچٹتی سی نظر ڈالی لیکن یہاں ڈرجن نہیں تھا۔ پھر وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں بھی ڈرجن نظر نہ آیا۔ آخر پھر ریستوران میں اُس سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ یہ ایک قوی ہیکل اور بدصورت آدمی تھا۔ چہرے پر سخت گیر طبیعت کا اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا۔ اُس کے ہاتھ بڑے اور بھدے تھے۔ ہاتھوں کی بناوٹ سے پتا چلتا تھا کہ وہ وزنی چیزیں اُٹھانے کے عادی ہیں۔ اگر اُس کے جسم پر نفیس قسم کا بیش قیمت سُوٹ نہ ہوتا تو عام طور پر یہی سوچا جاسکتا تھا کہ وہ کوئی لوہار ہوگا۔ فریدی کو دیکھ کر وہ معنی خیز انداز میں مُسکرایا۔ ویسے اُس کی آنکھیں نفرت ہی کا اظہار کررہی تھیں۔ فریدی کی مُسکراہٹ بھی کسی مغرور آدمی کو غصّہ دلانے کے لیے کم نہیں تھی۔

"اگر کہیے تو اس اتفاقیہ ملاقات کو کسی جشن کا رنگ دے دیا جائے۔" اُس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"نہیں جشن تو اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ میں نہ چاہوں لیکن کسی دن ہوگا ضرور۔"

"کیا آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں۔ آں۔ فی الحال نیکم گڑھ تک۔"

"کرنل صاحب! میں ایک بار پھر آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اس معاملے میں آپ نہ پڑیں۔"

"کس معاملے میں؟" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "میں نہیں سمجھا۔ تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟"

"مجھے بے حد افسوس ہوگا اگر آپ کو نقصان پہنچا۔"

"اوہو۔ میں سمجھا تو اس وقت تم یہاں افسوس کرنے ہی کے لیے آئے تھے مگر ڈرجن مجھے افسوس ہے کہ تمہیں افسوس کرنے کا موقع نہ مِل سکا۔ وہ زیادہ سے زیادہ آٹھ یا دس آدمی رہے ہوں گے، کسی دن ایک پوری بٹالین لے کر آنا ممکن ہے تمہیں افسوس کرنے کا موقع مل ہی جائے۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"واپسی پر سمجھاؤں گا۔ آج ہی سمجھا دیتا مگر وقت کم ہے۔"

"آپ کی مرضی۔" ڈرجن نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

فریدی واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ وہ پھر بولا۔ "سُنیے تو سہی۔ کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟"

"قطعی اور آخری۔" فریدی مڑ کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اُس آدمی کی شخصیت سے بھی واقف ہیں۔"

"قطعی واقف ہوں اور اسی لیے یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"تب تو آپ شاید دیدہ و دانستہ کنوئیں میں چھلانگ رہے ہیں۔" ڈرجن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "آپ کا پورا محکمہ بے بس ہو جائے گا۔"

"میں بھی جانتا ہوں اور اسی لیے مجھے اس قسم کا فیصلہ کرنا پڑا ہے۔"

"جب آپ کا محکمہ ہی بے بس ہو جائے گا تو آپ کیا کریں گے؟"

"جب میں قانون کو بے بس دیکھتا ہوں تو پھر مجبوراً مجھے ہی قوانین وضع کرنے پڑتے ہیں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ قوانین کی برتری کس طرح منوائی جاتی ہے؟" فریدی نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

✦

جب قاسم پر مُکّے برسانے والا تھک گیا اور اس کے ہاتھ سُست پڑنے لگے تو قاسم نے ہنس کر کہا۔ "اچھا پیارے اب ایک ہاتھ میرا بھی سنبھالو۔"

اُس نے اُس کے سَر پر ایک دوہتڑ رسید کیا اور وہ کسی مُردہ چھپکلی کی طرح پٹ سے فرش پر گر گیا۔ لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ اُس کی ہمرقص بُری طرح چیخ رہی تھی۔ قاسم کو پتا نہیں کن کن زبانوں میں گالیاں سُننی پڑ رہی تھیں۔ قاسم بھی اب بوکھلا گیا کیونکہ وہ اُس کا کوٹ پکڑ کر جھٹکے دے رہی تھی۔

"اُمب۔۔۔ اُمب۔۔۔ بس۔۔س سُنیے تو سہی۔۔۔ اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ میں۔۔۔ دیکھیے۔" قاسم نے جُھک کر بے ہوش آدمی کو گود میں اُٹھا لیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے کسی ننھے سے بچّے کو گود میں اُٹھا لیا ہو۔

حمید اور اُس کی ہمرقص بھی اُسی بھیڑ میں موجود تھے لیکن حمید یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اب بھی کچھ نہ بولا۔

"قق۔۔۔ کہاں۔۔۔ لے چلوں؟" قاسم نے بے ہوش آدمی کی ہمرقص سے پوچھا۔

"پولیس اسٹیشن۔" وہ دہاڑی۔ "یہاں اتنے لوگ موجود ہیں لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اِس بدمعاش سے سمجھ سکے۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔"

"ایسی کی تیسی میں جائے سالا۔" قاسم نے جھنجلا کر اُسے پھر فرش پر ڈال دیا اور بولا۔ "میں نے تو ایک ہی ہاتھ مارا تھا۔"

لوگ پھر ہنس پڑے۔ حالات ہی کچھ ایسے مضحکہ خیز تھے کہ کسی کو بھی بے ہوش آدمی سے ہمدردی نہیں تھی۔ اُس کی ہمرقص پھر چیخنے لگی اور حمید آگے بڑھ کر بولا۔ "آپ نے اِن صاحب کو پینے سے کیوں نہیں روکا تھا؟"

"یہ نشے میں نہیں تھا۔"

"تھا کیوں نہیں اور اُس وقت آپ کہاں تھیں جب یہ میرے قطب مینار پر گھونسے برسا رہا تھا۔"

"اے۔۔۔ زبان سنبھال کے۔۔۔ تم خود قطب مینار۔" قاسم سنک گیا۔

"دیکھا آپ نے۔۔۔ کتنا سادہ لوح اور سیدھا آدمی ہے۔" حمید نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سادہ لوح کسے کہتے ہیں؟" قاسم نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"ختم کرو۔" حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "تم آخر شرابیوں کے مُنہ لگتے ہی کیوں ہو! آؤ۔۔۔ اِدھر آؤ۔"

"پولیس۔۔۔ پولیس۔" بے ہوش آدمی کی ہمرقص چیخی۔

"کیا تم اسے جانتے ہو؟" حمید کی ہمرقص نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"ہاں! یہ میرے سوتیلے دوست کا لڑکا ہے۔" حمید نے کہا اور قاسم کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتا لیتا چلا گیا۔ بیہوش آدمی کی ہمرقص چنگھاڑتی ہی رہ گئی۔

حمید اُسے اپنی میز پر لایا اور وہ بیٹھ گئے۔ حمید کی ہمرقص قاسم کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

"کیا قصّہ تھا؟" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں نے سوچا جیسے اللہ نے تم پر کرم کیا ہے۔ شاید مجھ پر بھی کر دے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں بھی اکیلے ہی ناچنے جا رہا تھا۔"

حمید کی ہمرقص ہنس پڑی۔ قاسم کہتا رہا۔ "اس کی معشوقہ کے پیر پر میرا پیر پڑ گیا تھا بس سالا بِدک گیا تھا۔ میں نے بھی کہا اچھا بیٹا مار۔ اب تو پھر کیا۔ میں ایک ہاتھ بھی نہ مارتا۔۔۔ واہ بھئی۔"

دوسری طرف کچھ ویٹر بے ہوش آدمی کو اُٹھا رہے تھے اور اُس کی ہمرقص شاید پولیس کو فون کرنے چلی گئی تھی۔

"نہیں! ایک کیا تم دس مارتے مگر۔۔۔ اُس نے پولیس کو سچ مچ فون کر دیا تو۔" حمید جھنجلا گیا۔

"تو قیا ہوگا؟" قاسم سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں پولیس کے باپ کا چھوٹا بھائی ہوں۔ کیوں حمید بھائی۔۔۔ ہی ہی ہی۔"

وہ حمید کی ہمرقص کو کنکھیوں سے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"اچھا اب بہتر یہی ہے کہ یہاں سے چپ چاپ کھسک جاؤ۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں۔۔۔ اس مصیبت میں۔"

"کیوں؟ مجھے اس مصیبت کا کیا سروکار؟"

"ارے واہ۔ جب سے وہ مجھے مُکّے مار رہا تھا تو اُس کے چھرا کس نے مارا تھا؟"

"بکواس مت کرو۔"

"اچھی بات ہے۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ "تو اب تم مجھے پھنساؤ گے۔۔۔ خیر۔۔۔ چھرا تو تم نے ہی مارا تھا۔"

"چھرا!" حمید کی ہمرقص نے حیرت سے دُہرایا۔

"جی ہاں۔" قاسم شرارت پہ آمادہ ہو گیا۔ "بڑے بھائی کا ہاتھ بڑا سچّا ہے۔ بھیڑ بھاڑ میں بھی چھرا مار دیں تو کوئی پتا نہیں پا سکتا کہ کس نے ہاتھ صاف کیا ہے۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو؟"

"معاف کیجیے۔" حمید کی ہمرقص اُٹھتی ہوئی بولی۔ "میں خواہ مخواہ آپ کی گفتگو میں مخل ہو رہی ہوں۔"

"ارے آپ بیٹھیے۔ یہ یونہی۔۔۔ ب۔۔۔ بکو۔۔۔ اس۔۔۔ چلی گئی۔۔۔ کیوں اے فم ڈھینگ تو نے کیا کیا؟"

حمید قاسم پر اُلٹ پڑا۔ لڑکی جا چکی تھی۔

قاسم پیٹ دبائے بے تحاشا ہنس رہا تھا۔

"میں تمہیں رُلا دوں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"ابھی۔۔۔ ابھی۔۔۔ ہی ہی۔۔۔ تو خود ہی ہی ہی۔۔۔ رو رہے ہو پیارے۔۔۔ ہاہا۔"

"خاموش رہو، ورنہ بُری طرح پیش آؤں گا۔"

قاسم ہنستے ہنستے بیدم ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد کمزور آواز میں بولا۔ "میں تمہارا اِسی طرح کیا ٹاکرتا رہوں گا ورنہ میرے لیے بھی ایک ڈھونڈ لیا کرو۔ قیا سمجھے؟"

"تمہارا زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔"

"ہو جائے۔ واہ کتنا لُطف آیا ہے اس وقت۔"

"لُطف کے بچّے۔ میں دیکھ لوں گا تمہیں۔"

"دیکھ لینا۔" قاسم ہنس پڑا۔ حمید کا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ

کروہ اُسے اور زیادہ غصّہ دِلا رہا تھا۔ حمید خاموش ہی رہا۔ اُس کی نظریں اَب بھی اسی لڑکی کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ اُسے بہت پسند آئی تھی۔ دفعتہً سات یا آٹھ آدمی نظر آئے جو غصّے میں بھرے ہُوئے اُس میز کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"بیٹے قاسم سنبھلو" حمید نے قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"کیا" قاسم چونک پڑا اور اُس کی نظر بھی اُن لوگوں کی طرف اُٹھ گئی۔ وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

ان لوگوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا "یہی تھے"

اور پھر یک بیک وہ سب ان دونوں پر آپڑے۔

اِدھر حمید کے ماتحت جو سادہ لباس میں اُس کی حفاظت کرتے تھے وہ بھی دوڑ پڑے۔ وہ بھی تعداد میں آٹھ ہی تھے۔ اُن کی وجہ سے حمید کو حملہ آوروں کے نرغے سے نکل جانے میں بڑی مدد ملی اور اُس نے ایک سادہ لباس والے کو اپنی طرف کھینچ کر آہستہ سے کہا۔

"کسی طرح اُس بے ہوش آدمی کو یہاں سے ہٹا لے جاؤ۔ یہ لوگ اُسی کے بہانے ہم پر آئے ہیں"

سادہ لباس والا دوڑتا ہُوا ڈائننگ ہال کی طرف چلا گیا۔

اس کے بعد حمید دُور کھڑا صرف تماشا دیکھتا رہا۔ قاسم نے تین کو لِٹا دیا تھا اور اب وہ لوگ اُس سے دُور ہی دُور رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس جنگ و جدل کی وجہ سے ریکریئشن ہال میں ابتری پھیل گئی۔ کچھ لوگ حمید کے گرد کھڑے ہُوئے تھے اُن میں منیجر بھی تھا۔

"کیوں جناب! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" اُس نے غصیلی آواز میں کہا اور کسی کو چیخ کر مخاطب کیا "پولیس کو فون کرو"

"مَیں کیا جانوں کیا ہو رہا ہے؟ میں تو ازراہِ ہمدردی اُس موٹے کو اپنی میز پر لے گیا تھا۔ اگر میرا بھی اس سے کوئی تعلق ہوتا تو آپ مجھے بھی وہیں دیکھتے"

اُس نے یہ جملہ بلند آواز میں کہا تھا تاکہ قرب و جوار کے لوگ سُن لیں اور پھر اُسے بور نہ کریں۔ کسی پبلک مقام پر اس قسم کے ہنگامے وبالِ جان ہی ہو جاتے ہیں۔ ویسے حمید کا خیال تھا کہ یہ ہنگامہ اس آدمی کی وجہ سے نہیں ہُوا جو قاسم کا ہاتھ پڑتے ہی بے ہوش ہو گیا تھا بلکہ پچھلے دنوں کے حملہ آوروں نے اس وقت موقع سے فائدہ اُٹھایا تھا اور اس فکر میں تھے کہ اس کا کام تمام کر کے نکل جائیں۔ قاسم بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہاتھ گھما رہا تھا لیکن اَب اتفاق ہی سے وہ کسی کو نشانہ بنانے میں

ایک مسافر نے چند پیسے بچانے کے لیے اپنی بچّی کو بغیر ٹکٹ کے بس میں سوار کرایا۔

"منّھی گڑیا! تمھاری عمر کیا ہے؟" ڈرائیور نے بچّی سے پوچھا۔

"ساڑھے چار سال"

"اور تم پانچ سال کی کب ہو جاؤ گی؟"

"اِس بس سے نیچے اُترتے ہی" بچّی نے جواب دیا۔

کامیاب ہوتا تھا کیونکہ وہ لوگ اس کے سلسلے میں کافی محتاط ہو گئے تھے۔ البتہ حمید کے آدمیوں کو اکثر ایک آدھ رَدّے کا لُطف آجاتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح قاسم بھی اِن بھیڑ سے الگ ہو جائے تاکہ وہ لوگ حملہ آوروں کو قابو کر سکیں لیکن قاسم اُنہیں بھی دُشمن ہی سمجھ کر اپنے کرتب دِکھا رہا تھا۔ اُسے علم نہیں تھا کہ حمید کے آدمی یہاں بھی موجود ہیں۔ کچھ دیر تک اِسی قسم کی چھوٹ چلتی رہی پھر کچھ مسلّح کانسٹیبل اندر گھس آئے اور انہوں نے لڑنے والوں کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

حمید کے ساتھیوں نے ہاتھ روک لیے اور حمید آگے بڑھ آیا۔

"ہتھکڑیاں" حمید نے سب انسپکٹر کو مخاطب کیا۔

"سات ہتھکڑیاں"

"آپ کون ہیں؟" سب انسپکٹر غُرّایا۔

حمید نے اپنا شناخت نامہ نکال کر اُسے دِکھایا لیکن دفعتہً اُسی وقت پُورا ہال تاریک ہو گیا۔ مختلف قسم کی آوازیں اندھیرے میں گُونجنے لگیں۔ اِن میں چیخیں بھی تھیں۔ گالیاں بھی تھیں اور فائر کر دینے کی دھمکیاں بھی۔ پھر ٹارچ کی روشنیاں اندھیرے میں آڑی ترچھی لکیریں بنانے لگیں۔ پولیس والوں کا گھیرا ٹوٹ چکا تھا حمید نے سوچا کہ اب حملہ آوروں میں سے کسی کا ہاتھ آنا مُشکل ہی ہے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہال پھر روشن ہو گیا اور پولیس والوں نے اب قاسم اور حمید کے ساتھیوں کو گھیر لیا جو اَب بھی وہیں موجود تھے۔ حمید نے سب انسپکٹر کو بتایا کہ وہ اس کے آدمی ہیں۔ قاسم کے گرد بھی اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی۔ سب انسپکٹر نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا چاہا۔

"بیکار ہے" حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "آپ سے بنیادی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ آپ کو فون پر بلوے ہی کی اطلاع ملی ہوگی لیکن آپ نے احتیاط نہیں برتی"

"مَیں نہیں سمجھا۔ آپ کیسی احتیاط چاہتے ہیں؟"

"آئندہ جب کبھی کسی ہوٹل یا نائٹ کلب میں بلوے کی اطلاع ملے تو موقعۂ واردات پر پہنچنے سے پہلے کم از کم ایک آدمی مین سوئچ بورڈ کے پاس ضرور چھوڑ دیجیے گا"

سب انسپکٹر کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد میدان خالی ہو گیا۔ پولیس والے ضابطے کی کارروائی کر کے چلے گئے لیکن حمید کا ناطقہ بند ہو گیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اُسے واقعے کی تفصیل معلوم ہو جائے۔ لوگوں کو اس پر بھی حیرت تھی کہ پولیس اُنہیں ہاتھ لگائے بغیر ہی واپس چلی گئی۔

منیجر سے ایک بار پھر سامنا ہُوا۔

"آپ کون ہیں؟" اُس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"مَیں کوئی بھی ہُوں اس سے آپ کو سروکار نہ ہونا چاہیے، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ نائٹ کلب لفنگوں کا اکھاڑا ہے سمجھے جناب"

"شروعات تو آپ کے ساتھی ہی نے کی تھی"

"ہاں اور اسی لیے کی تھی کہ یہاں کے لفنگے پکڑے جا سکیں لیکن عین وقت پر مین سوئچ آف کرا دینے کی ذمّے داری سراسر آپ پر عائد ہونی چاہیے"

"آپ خواہ مخواہ مجھے الزام نہیں دے سکتے"

"بس اب تشریف لے جائیے" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

منیجر بڑبڑاتا ہُوا رُخصت ہو گیا۔

پھر حمید نے اپنے اس آدمی کو اشارے سے بُلایا جسے اُس نے ڈائننگ ہال میں بھیجا تھا "کیوں؟ کیا ہُوا؟" حمید نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے جناب! وہ اس وقت بھی بے ہوش تھا۔ جب مَیں وہاں پہنچا تھا۔ لڑکی موجود تھی۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ کچھ آدمی تمہاری حمایت میں اُن لوگوں سے لڑ گئے ہیں اور اُن کے بھی کچھ مزید آدمیوں کے آجانے کی وجہ سے اچھا خاصا بلوہ شروع ہو گیا ہے۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ تم اسے لے کر یہاں سے کھسک جاؤ ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔ وہ نروس ہو گئی اور خود مَیں نے ہی اُس کے لیے ٹیکسی کا انتظام کیا۔ بہرحال پولیس کے آنے سے پہلے ہی میں اُنہیں کھسکا دینے میں کامیاب ہو گیا"

"اچھا" حمید نے ایک طویل سانس لی "میں نے جو کچھ سوچا تھا وہ نہ ہو سکا۔ اِن میں سے ایک بھی پکڑا نہ جا سکا"

"میرے خیال سے تو اب آپ اِس طرح باہر نہ نکلا کریں"

"کسی عورت کا میک اپ کر کے گھر بیٹھوں۔ کیوں؟"

حمید غُرّایا۔

"ن… نہیں… جناب… مطلب…"

"ختم کرو" حمید ہاتھ ہلا کر بولا "میں اُن کا کم از کم ایک آدمی چاہتا ہُوں۔ صرف ایک ہی ہاتھ آجائے"

سادہ لباس والا کچھ نہ بولا۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا "اپنی جگہ پر واپس جاؤ"

پھر وہ قاسم کی طرف متوجہ ہُوا جو اُس کی میز کے قریب بیٹھا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"تمہاری وجہ سے مجھے ہمیشہ دھکّے کھانے پڑتے ہیں" حمید بھی جھُنجھلاتا ہُوا بولا۔

"قیوں کھاتے ہو دھکّے۔ مَیں نے کب کہا تھا! اکیلے ہی نپٹ لیتا سالوں سے" قاسم ہانپتا ہُوا بولا "کھانا کھا لینے کے بعد مجھ سے لڑائی بھڑائی نہیں ہو سکتی"

"تم آئے کیوں تھے یہاں؟"

"تمہاری دُم سے بندھ کر آیا تھا۔ اجی واہ… آئے قیوں تھے… اَبے اللہ کی زمین ہے جہاں چاہیں گے جائیں گے" "تم قون ہے ہمیں ٹوقنے… ٹوکنے والا… سالا"

"پھر" حمید آنکھیں نکال کر بولا "پھر بکے کیوں شامت آئی ہے۔ مَیں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ جاؤں گا اور تم کسی کی گولی کا نشانہ بن جاؤ گے۔ جانتے ہو یہ لوگ کون تھے؟"

"اسی سالے کے چچا بھتیجے اور کون! جو ایک تھپّڑ بھی نہ سہہ سکا تھا"

"بکواس۔ یہ وہ لوگ تھے جو اس سے پہلے بھی مجھ پر دو بار قاتلانہ حملہ کر چکے ہیں"

"نہیں" قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔

"ہاں۔ بُوڑھے بیٹے۔ ان کی اُنگلیاں ریوالور کے ٹریگر پر اسی طرح چلتی ہیں جیسے بچّے گُڑیاں کھیلتے ہیں" قاسم نے احمقانہ انداز میں دُہرایا اور ٹھیک اسی وقت حمید کو ہرقیص پھر دِکھائی دی۔ وہ اُنہی کی طرف آرہی تھی۔

"تمیز سے بیٹھنا" حمید نے آہستہ کہا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

لڑکی آکر بڑی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ دُھواں دُھواں سا تھا اور آنکھوں میں بے چینی جھلکتی تھی۔

"وہ لوگ اس آدمی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے" اُس نے بھرّائی ہُوئی آواز میں کہا۔

"آپ کیا جانیں؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میں دونوں ہی سے واقف ہوں۔" اُس کی آواز اَب بھی کانپ رہی تھی۔ "وہ جو۔۔۔ وہاں گرا تھا۔۔۔ جس کے آپ نے چاقو مارا تھا۔"

"ٹھہریے۔ آپ اس کی باتوں میں آگئیں۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ تو یونہی بکواس کر رہا تھا۔ اگر میں نے چاقو مارا ہوتا تو پولیس مجھے یہاں کیوں چھوڑتی؟"

"آپ کوئی پولیس آفیسر ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "میں نے یہی اندازہ لگایا ہے۔ آپ نے سب انسپکٹر کو کوئی کاغذ دکھایا تھا۔"

"ٹھہریے۔ آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ ان لوگوں کو پہچانتی ہیں۔"

"جی ہاں۔ وہ آدمی جو بے ہوش ہوا تھا ایک شریف آدمی ہے۔ ایک مقامی کالج میں لیکچرر ہے۔ ایسے واہیات اور لفنگے اُس کے ملنے والوں میں سے نہیں ہو سکتے۔"

"آپ اِن لفنگوں سے اچھی طرح واقف ہیں؟"

"آپ پہلے یہ بتائیے کہ آپ پولیس آفیسر ہیں یا نہیں؟"

"نہیں۔ ویسے میں ایک شریف آدمی ہوں۔ اس سب انسپکٹر سے جان پہچان ہے۔ میں نے اُسے کاغذ نہیں بلکہ سگریٹ پیش کیا تھا۔"

"تب پھر۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں گھر کیسے واپس جاؤں گی۔ یہاں مجھے کوئی بھی نہیں جانتا۔ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ وہ زندہ نہیں چھوڑیں گے میرے خدا۔"

"آخر اس پریشانی کی وجہ؟"

"وہ اس واقعہ سے بہت پہلے یہاں موجود تھے۔ اُنہوں نے مجھے آپ کے ساتھ دیکھا ہوگا۔"

"تو اس سے کیا ہوگا؟ بہتیروں کو اُنہوں نے میرے ساتھ دیکھا ہوگا۔"

"میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں؟"

"نہیں سمجھائیے۔ میں آپ سے اِستدعا کرتا ہوں۔"

"وہ اپنے دُشمن کے ساتھیوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔"

"مگر محترمہ! آپ نے اِن کے متعلق اتنی معلومات کیسے فراہم کر ڈالیں؟"

"اُف۔ اوہ۔ دیکھیے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ اچھا یہی سمجھ لیجیے کہ میں اُنہیں بہت قریب سے جانتی ہوں۔"

"آخر آپ اُن بُرے آدمیوں کو قریب سے کیسے جانتی ہیں؟ میں نے تو آپ کے متعلق یہی اندازہ لگایا تھا کہ آپ ایک اچھی لڑکی ہیں۔"

لڑکی مُسکرائی اور اس مُسکراہٹ نے اُس کے چہرے پر پائے جانے والے پریشانی کے آثار اس طرح ختم کر دیے جیسے گرد آلود آئینے پر مخمل کا ٹکڑا پھیر دیا جائے۔

"میں یقیناً ایک اچھی لڑکی ہوں۔ ہاں کیپٹن کیونکہ ابھی میرا ضمیر مُردہ نہیں ہوا۔"

لفظ کیپٹن پر حمید چونک پڑا اور لڑکی پھر مُسکرائی اور پھر بولی۔ "میں ان بُرے آدمیوں کے پنجے سے رہائی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اُنہوں نے مجھے آج یہاں اسی لیے بھیجا تھا کہ میں تمہیں پھانس کر وہاں لے جاؤں، جہاں وہ لوگ چاہتے ہیں لیکن اتفاق؟ وہ قصہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اُنہوں نے اپنی اسکیم بدل دی۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ اِس آدمی کے حمایتی بن کر تمہیں یہیں سب کے سامنے ختم کر کے نکل جائیں گے۔ اس کا موقع اس وقت ملتا جب ہال کے سارے لوگ لڑنے والوں کو الگ کرانے کے لیے ہلّہ بول دیتے لیکن کسی نے بھی مُداخلت نہیں کی۔ تمہارے آدمیوں نے اِن کا کھیل ختم کر دیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ تمہارے ساتھ اور لوگ بھی ہوتے ہیں۔"

"شکریہ۔" حمید نے مُسکرا کر کہا۔

"اب پھر ان کی وہی پہلی اسکیم بروئے کار لائی جائے گی۔ یعنی میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔"

"تم نے بڑا کرم کیا، ورنہ میں مُفت میں مارا جاتا۔"

"ہاں۔۔۔ بھائی۔۔۔" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"مکدر ہے۔۔۔ اپنا اپنا۔"

"کیا آپ کرنل فریدی ہیں؟" لڑکی نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" حمید نے بہت بُرا سا مُنہ بنایا۔ "یہ تو۔۔۔ یہ تو بس یُونہی ہے۔"

"تم خود بس یونہی ہو۔" قاسم میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"خاموش رہو۔" حمید نے اُسے گھور کر کہا اور قاسم نہ جانے کیوں خاموش ہی ہو گیا۔ لیکن انداز کسی رُوٹھی ہوئی بیوی کا سا تھا۔

"اچھا تو پھر چلیں۔" حمید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ٹھہریے۔ ابھی تو دس ہی بجے ہیں۔ ہم ساڑھے گیارہ بجے وہاں پہنچیں گے۔"

"کیوں؟"

"یہی وقت دیا گیا ہے اور ہاں۔۔۔ ٹھہریے۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی، پھر آہستہ سے بولی۔ "اُنہوں نے دو آدمیوں کو یہیں چھوڑ دیا ہے، لیکن وہ یہاں سے کافی دُور ہیں۔ اچھا دیکھیے یہ جو آپ کے کالر میں گُلاب کا پھول لگا ہوا ہے اِسے میرے جُوڑے میں لگا دیجیے تاکہ اُنہیں اِطمینان ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ میں آپ کو قابو کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔"

"اللہ۔" قاسم نے ٹھنڈی سانس کے ساتھ کہہ کر بے چینی سے پہلو بدلا اور لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی۔

حمید بھی ہنسنے لگا پھر قاسم کی "ہی ہی ہی" بھی چل پڑی۔

"دِلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔" لڑکی نے کہا۔

"بہت زیادہ۔" حمید بولا۔ "لیکن تم نے اس کی بکواس پر یقین کیسے کر لیا تھا۔ جب مجھ سے واقف تھیں۔"

"بس یُونہی تفریحاً۔ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کو اپنی طرف اور زیادہ متوجہ کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت تک میرا یہی خیال تھا کہ ان کی اس اسکیم کو عملی جامہ پہنا ڈالوں مگر پھر۔۔۔ مجھے وہ ایک سال کی بے بس بچی یاد آگئی جو بارش میں سڑک پر پڑی چلا رہی تھی اور اس کی ماں کی پیشانی سے خون اُبل اُبل کر بارش کے پانی میں بہہ رہا تھا۔"

لڑکی خاموش ہو گئی۔ اُس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بیداری میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔

"میں نہیں سمجھا۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"اوہ۔۔۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ خون اُس مٹی میں آج بھی محفوظ ہے اور اس وقت تک محفوظ رہے گا جب تک اس میں اِن ناپاک آدمیوں کا خون نہ جا ملے جنہوں نے اسے زیرِ زمین پہنچایا تھا۔ آپ نہیں جانتے کہ اس طرح مرنے والی کون تھی؟ وہ میری ماں تھی اور بارش میں تنہا پڑی بلکنے والی بچی میں تھی۔"

"اوہ۔ مگر یہ ٹریجڈی ہوئی کیسے تھی؟"

"یہ ایک طویل داستان ہے پھر کبھی بتاؤں گی۔ آپ فی الحال اپنے آدمیوں کو تیار کیجیے کہ وہ آپ کا تعاقب کریں۔ آج کی رات آپ دونوں کے لیے بہت خطرناک ہے۔"

"ہائیں۔ میں نے کیا کیا ہے؟" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

لڑکی اس طرح چونک پڑی جیسے اُسے قاسم کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔ اس نے حمید سے پوچھا۔ "کیا یہ قابلِ اعتماد آدمی ہیں؟"

"ہاں۔۔۔! تم مطمئن رہو۔ یہ گفتگو میز سے آگے نہیں بڑھے گی۔"

"ارے۔ اللہ قسم میں بھلا کیوں کسی سے کہنے لگا؟ اب تو مجھے اِن سالوں پر زیادہ غصہ آ رہا ہے۔"

"خیر۔" لڑکی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "دونوں سے مُراد یہ تھی کہ آپ اور کرنل فریدی۔"

"کیوں کرنل فریدی کیوں؟"

"اوہ۔ کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ وہ نو بجے والے طیارے سے نیکم گڑھ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔"

"نہیں۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ابھی کچھ ہی دیر پہلے ان میں اس کا تذکرہ ہو رہا تھا، کچھ آدمی ہوائی اڈے پر بھی موجود ہوں گے جو کرنل کا خاتمہ کر دیں گے۔"

"میرے خدا۔ مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہ آ رہے ہیں۔"

"آ رہے ہیں۔ آپ ان کی فکر بھی کیجیے۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔ ٹھہریے۔"

حمید نے اپنے ایک آدمی کو آنکھوں کے اِشارے سے متوجہ کیا اور خود اُٹھ کر پیشاب خانوں کی طرف چلا گیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

لڑکی قاسم سے اُس کے متعلق پوچھنے لگی اور قاسم نے بتایا کہ وہ واقعی بہت دلچسپ آدمی ہے۔ مُنہ سے لوہے کے گولے نکال سکتا ہے۔ موٹی موٹی سلاخیں موڑ سکتا ہے۔ اپنے سینے پر وزنی پتھر تڑوا سکتا ہے۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ وہ حمید کے ساتھ جانے سے احتراز کرے۔ "یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "ایسے خطرناک حالات میں میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ خود مر جاؤں گا مگر اسے نہیں مرنے دوں گا۔ اِس سے زیادہ پیارا دوست مِلنا مُشکل ہے۔"

"اس میں انہی کی بھلائی ہے۔ ممکن ہے آپ کی وجہ سے کام بگڑ جائے۔"

"میں لڑائی بھڑائی میں کسی سے کم ہوں۔"

"لڑائی بھڑائی کے بغیر کام نکالنا ہے۔"

اِتنے میں حمید بھی واپس آگیا۔ قاسم نے اُس سے کہا کہ وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ اس پر لڑکی بولی۔ "انہیں سمجھائیے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ ہم کامیاب نہ ہو سکیں۔"

"قاسم! میں تمہاری محبت کے لیے شکر گزار ہوں لیکن

اس معاملے میں ضد نہ کرو۔"

بمشکل تمام وہ قاسم کو اس پر آمادہ کر سکے کہ وہ ان کے ساتھ نہ جائے۔ حمید سارے انتظامات مکمل کر چکا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو سمجھا دیا تھا کہ جب اس کا تعاقب شروع کر دیا جائے، تب وہ اپنی جگہوں سے جنبش کریں۔ لڑکی کے بیان کے مطابق دو آدمی اب بھی وہاں موجود تھے۔ وہ یقینی طور پر تعاقب کرتے۔ ساڑھے گیارہ بجے وہ اُٹھ گئے۔

••

دو بجے رات کو طیارہ ٹیکم گڑھ کے ہوائی اڈے پر اُترا۔ فریدی نے سوچا کہ باہر جانے سے پہلے اُسے کم از کم ایک کپ کافی ضرور پینی چاہیئے جہاز پر اُسے اچھی کافی نہ ملی تھی۔ اس نے ویٹنگ روم کا رُخ کیا لیکن تھوڑی ہی دُور چلنے کے بعد اُسے رُک جانا پڑا کیونکہ جو آدمی لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ کوئی اجنبی نہیں تھا۔ یہ اُنہی لوگوں میں سے تھا جو کیپٹن حمید کے ساتھ ٹیکم گڑھ آئے تھے۔ اس نے قریب آکر سلام کیا۔

"کیوں! کیا بات ہے؟" فریدی نے حیرت سے کہا کیونکہ اس نے حمید کو اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی۔

"یہاں آپ کے لیے خطرہ ہے جناب کیپٹن نے کہلوایا ہے۔"

"اُسے میری آمد کی اطلاع کیسے ہوئی؟"

"پتا نہیں جناب۔" اُنہوں نے مجھ سے یہ نہیں بتایا۔

"وہ اس وقت ہے کہاں؟"

"میں اُنہیں سنگیت نائٹ کلب میں چھوڑ آیا تھا مگر اب شاید وہ وہاں نہ ملیں۔ مجھ سے اُنہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ ساڑھے گیارہ بجے کہیں چلے جائیں گے۔"

"کہاں چلے جائیں گے؟"

"یہ بھی نہیں بتایا جناب۔"

"اس پر پھر کوئی حملہ تو نہیں ہوا؟"

"جی ہاں۔ آج ہی ہوا تھا۔ وہیں نائٹ کلب میں لیکن حملہ آوروں کے کسی ساتھی نے ٹھیک اس وقت مین سوئچ آف کر دیا جب پولیس اُنہیں گرفتار کرنے جا رہی تھی۔"

وہ ویٹنگ روم میں پہنچ گئے تھے۔

"بیٹھو۔" فریدی نے سامنے والی کُرسی کی طرف اشارہ کرکے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "پھر اس کے بعد کیا ہوا؟"

"پھر وہی لڑکی کپتان صاحب کی میز پر آگئی جس کے

> ایک تھکے ہارے سیلزمین نے ہوٹل میں کمرہ لیا اور بے سُدھ لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد اُسے کھڑ بڑ کی آواز سنائی دی تو وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا، کمرے میں ایک پچاس سالہ بوڑھی عورت موجود تھی۔ "اوہ۔ معاف کرنا۔ شاید میں اس کمرے میں غلطی سے آگئی ہوں۔"
>
> "جی ہاں....." چڑچڑے سیلزمین نے جواب دیا۔ "نہ صرف غلطی سے آئی ہیں بلکہ آپ کو آنے میں پورے تیس سال کی دیر بھی ہو گئی ہے، مادام۔"

ساتھ وہ ناچتے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اُنہوں نے مجھے بتایا کہ آپ ٹیکم گڑھ تشریف لا رہے ہیں اور خدا نخواستہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"کیسے؟"

"بہر حال اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔"

"قیام نشاط ہی میں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! سولہویں کمرے میں اور ہم لوگ مختلف مقامات پر ٹھہرے ہیں۔"

فریدی نے ایک ویٹر کو بُلا کر کافی کے لیے کہا اور اس کی تیاری کے متعلق چند ہدایات دیں۔ پھر ویٹر کے چلے جانے پر سادہ لباس والے سے بولا۔ "کیا وہ اس لڑکی کے ساتھ کہیں گیا ہوگا؟"

"جی ہاں قرینے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ اُنہوں نے اپنے کوٹ کے کالر سے گلاب نکال کر اس کے جوڑے میں لگایا تھا اور ہاں ایک لمبا موٹا اور بے ڈول آدمی بھی اُن کے ساتھ لگا رہتا ہے۔"

"اوہ۔ وہ بھی ہے۔" فریدی کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

"جی ہاں۔ میرا اندازہ ہے کہ کپتان صاحب اس کی موجودگی پسند نہیں کرتے لیکن وہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

"ہوں۔" فریدی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "آخر اُسے کیسے علم ہوا کہ میں آ رہا ہوں۔"

"پتا نہیں جناب مجھے بھی حیرت ہے۔"

اب اُس نے شروع سے وہ داستان دُہرانی شروع کی کہ سنگیت نائٹ کلب کے ہنگامے کی شروعات کیسے ہوئی تھی؟ فریدی کو حمید پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ آخر ایسے حالات میں نائٹ کلبوں کی تفریحات کیوں جاری ہیں؟ اور وہاں اسے قاسم کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟

"کیا وہ لڑکی بھی پہلے کبھی حمید کے ساتھ دیکھی گئی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں جناب ہم نے تو نہیں دیکھا۔"

اتنے میں کافی آگئی اور ویٹر نے دونوں کے درمیان ایک چھوٹی سی میز کھسکا کر اس پر ٹرے رکھ دی لیکن اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے اور آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ فریدی اُسے بغور دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" فریدی نرم لہجے میں بولا۔

"صاحب! آج کی دُنیا میں رہنے سے بہتر ہے کہ آدمی سنکھیا کھا کر مر جائے یا گلے میں پھندا لگا لے۔" ویٹر نے بڑا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"کیوں! کیا ہوا بھائی؟"

"صاحب! اس لفظ سوری سے اتنی جان جلتی ہے کہ بس گردن کاٹ کر کہیں گے کہ سوری' چلیے کوئی بات ہی نہیں آگے بڑھ گئے۔ اب اس وقت لاٹ صاحب کے بچے میرے پیر پر چڑھ گئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ناک میں بھی انگلی گُھسیڑ دی۔ جب تک میں سنبھلوں سوری کہہ کر چلتے بنے۔ بچ گیا ورنہ ان برتنوں کا خون اپنی گردن پر ہوتا۔"

"اوہ۔" فریدی نے تشویش کُن انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"اور کچھ چاہیئے جناب؟"

"نہیں۔" فریدی نے کہا اور کافی کی ٹرے کی طرف دیکھنے لگا۔ ویٹر دوسری طرف چلا گیا۔

سادہ لباس والے نے ٹرے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہرو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا پھر مسکرا کر بولا۔ "خدا مجھے ابھی زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ دُودھ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اگر اس کا ایک قطرہ بھی حلق سے اُتر گیا۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی اس ویٹر سے جان بوجھ کر ٹکرایا ہو۔ دُودھ کے برتن پر ڈھکن نہیں ہے۔ ٹکراتے وقت کوئی چیز اس میں بہ آسانی ڈالی جا سکتی ہے۔"

"اوہ۔" سادہ لباس والے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"مناسب یہی ہے کہ ہم یہاں کچھ کھائیں نہ پئیں۔ اوہو... وہ ایک بلی اِدھر کھڑکی میں بیٹھی ہے۔ دُودھ کا برتن اُٹھا کر نیچے رکھ دو۔" سادہ لباس والے نے ایسا ہی کیا۔ اُس کمرے میں اِن دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ بلی کھڑکی سے کُود کر تیر کی طرح دُودھ کے برتن کی طرف آئی۔ وہ اُسے دُودھ پیتے دیکھتے رہے۔ پھر یک بیک بلی نے چیخنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔ بلی کی چیخیں سُن کر کچھ لوگ اندر آ گئے تھے۔ ان میں وہ ویٹر بھی تھا جس نے کافی میز پر لگائی تھی۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

*

حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے جب اس نے کار کے باہر چھ آدمیوں کو ریوالور لیے ہوئے دیکھا۔ ریوالوروں کی نالیں کار ہی کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔

حمید نے لڑکی کا شانہ چھو کر آہستہ سے کہا۔ "یہ کیا ہوا؟"

"تمہارے آدمی کہاں رہ گئے؟" لڑکی بڑبڑائی۔

"پتا نہیں۔"

"تب پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ایک نہیں چھ ریوالور ہیں۔"

دفعتاً ایک آدمی نے کار کا دروازہ کھولا اور حمید کو گریبان سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ قدرت کی طرف سے حمید کو ایک شاندار موقع ملا تھا۔ لہٰذا وہ اس سے فائدہ کیوں نہ اُٹھاتا۔ اُس نے نیچے اُترتے اُترتے کالر پکڑنے والے کے پیروں میں اپنا داہنا پیر ڈال دیا۔ وہ لڑکھڑا کر حمید پر آ گرا اور حمید نے اُسے دبوچ کر ریوالور والوں کے سامنے کر دیا اور مسکرا کر بولا۔ "بعض حسرتیں دِل میں رہ جاتی ہیں۔ اس طرح گولی مارو کہ اس کے سینے کے پار ہو کر میرے کلیجے کے پار ہو جائے۔ ورنہ میں تم سبھوں کا بیڑا کھڑے کھڑے پار کر دُوں گا۔ کیا سمجھے؟"

"چھوڑ دو۔ اسے چھوڑ دو، ورنہ ہم سچ مچ تمہیں یہیں ختم کر دیں گے۔" اُن میں سے کسی نے غرّا کر کہا۔

"یہاں ختم کر دو یا گھر لے جا کر یہ اب نہیں چھوٹ سکتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ تم اپنے اپنے ریوالور پھینک کر ہاتھ اوپر اُٹھاؤ۔"

یہاں چاروں طرف دُور تک اُونچی نیچی چٹانوں کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ کار ایک ویرانے میں روکی گئی تھی۔ حمید کوشش

کر رہا تھا کہ وہ اُسے اپنے نرغے میں نہ لینے پائیں۔ اس سے پہلے ہی وہ اُس آدمی کو پرے دھکیل کر کسی چٹان کی آڑ لینا چاہتا تھا۔

"دیکھتے کیا ہو؟" کسی نے گرج کر کہا۔ "ان دونوں کو زبردستی الگ کر دو۔"

حمید تو چاہتا ہی تھا کہ دو ایک اور قریب آ جائیں۔ جیسے ہی دو آدمی اس کی طرف بڑھے۔ اس نے اپنے شکار کو ان پر دھکیل دیا۔ اس طرح وہ سب کے سب ایک دُوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے اور حمید نے بے تحاشا نشیب میں چھلانگ لگا دی۔ یہ سوچے اور دیکھے بغیر کہ وہاں سے زمین کی سطح کتنی نیچی ہے۔ شاید وہ ان میں سے کسی کی گولی سے مرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے پیر زمین سے ٹکرائے اور وہ گرتے گرتے بچا، اس کے چھلانگ لگاتے ہی تین فائر ہوئے تھے۔ لیکن اب تو وہ ایک چٹان کی آڑ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے اطمینان سے ریوالور نکالا اور نئے حملے کا انتظار کرنے لگا۔ شاید ان میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ سڑک سے نشیب میں اُتر سکتے اور غالباً اُنہیں یقین نہیں تھا کہ حمید دُور نکل گیا ہو گا۔ کچھ دیر بعد تاروں کی چھاؤں میں حمید کو سڑک پر ایک سایہ نظر آیا لیکن وہ سایہ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ یکایک کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور چشم زدن میں نہ جانے کتنی دُور چلی گئی۔ یہ کار در اصل ٹیکسی تھی اور اس کا ڈرائیور اچانک اس واقعہ پر بوکھلا گیا تھا لیکن حالات بدلتے دیکھ کر اُس نے نکل بھاگنے میں سستی نہیں دکھائی۔

حمید سوچ رہا تھا کیا اس لڑکی نے دھوکا دیا مگر خود اس کے آدمی کہاں مر گئے تھے؟ اور وہ کار کیا ہوئی جس پر وہی دونوں آدمی موجود تھے جن کے متعلق لڑکی نے نائٹ کلب میں بتایا تھا، اُنہوں نے کلب سے روانہ ہوتے ہی تعاقب شروع کر دیا تھا۔ حمید اُنہیں راستے بھر دیکھتا آیا تھا۔ مگر اب ان کی کار کہاں تھی؟ اُسے یقین تھا کہ اس کار کے پیچھے اس کے آدمیوں کی گاڑی ہو گی۔ دس منٹ گزر گئے، نہ کوئی اوپر سے نیچے آیا اور نہ فائر ہوا۔ یہ صورت اُلجھن میں ڈالنے والی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی سڑک پر موجود ہوں اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ چوروں کی طرح کسی اور جگہ سے نشیب میں اُترنے کی کوشش کر رہے ہوں تاکہ اُسے گھیرے میں لے سکیں۔ دُوسری صورت یقیناً صبر آزما ہوتی۔ حمید فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ اس کے پاس ٹارچ بھی نہیں تھی کہ وہ سڑک چھوڑ کر کھائیاں اور نالے پھلانگنا شروع کر دیتا۔ ایک بار تو مقدر نے ساتھ دیا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ دُوسری حماقت بھی زمین ہی پر رکھتی۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا۔ لیکن اس نے جُھک کر ایک چھوٹا سا پتھر اُٹھایا اور ان لوگوں کی موجودگی یا عدم موجودگی کا اندازہ کرنے کے لیے اُسے سڑک پر اُچھال دیا۔ پتھر گرنے کی آواز اُس نے صاف سُنی لیکن پھر نہ تو اُس کو قدموں کی آوازیں ہی سُنائی دیں اور نہ دُوسری طرف سے اُس پر کوئی جوابی کارروائی ہوئی۔ پھر بھی وہ مطمئن نہیں ہوا۔ آخر کچھ دیر بعد اُس نے فیصلہ کیا کہ اُسے ٹٹول کر نیچے ہی اُترنا چاہیئے۔ ممکن ہے رات بسر کرنے کے لیے کوئی معقول سی جگہ مل جائے۔ اب اس وقت شہر کی جانب رُخ کرنا ناممکنات ہی میں سے تھا، اوّل تو پتا نہیں وہ شہر سے کتنی دُور نکل آیا تھا۔ دُوسرے نشیب میں اُتر جانے کے بعد سمتوں کا تعین کرنا جُوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا اور سمتوں کا تعین کیے بغیر شہر کیسے پہنچتا؟ وہ بہت احتیاط سے نیچے اُترنے لگا۔ تھوڑی ہی دُور چلا ہو گا کہ کسی کی سرگوشی پر چونک پڑا۔

"کون ہے؟"

سرگوشی کے ساتھ ہی خوشبو کی لپٹوں نے اس کا دماغ معطر کر دیا۔ خوشبو اس کے لیے نئی نہیں۔ کچھ ہی دیر پہلے اسی قسم کی خوشبو اس کے ذہن میں گونجتی رہی تھی۔

"میں ہوں۔" حمید نے بھی سرگوشی کی۔

"ٹھہرو۔" دُوسری طرف سے کہا گیا۔ "اب کیا ہو گا؟"

قبل اس کے حمید کچھ کہتا ایک سایہ اُس کے قریب پہنچ گیا۔ خوشبو کی لپٹیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔ یہ اُس لڑکی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا جو حمید کو یہاں تک لائی تھی۔

"کون کیپٹن؟"

"نہیں! اب اس وقت میرا عہدہ کافی بڑھ گیا ہے اور تم مجھے کیپٹن کے بجائے میجر کہہ سکتی ہو۔ حالانکہ لفظ میجر سے کسی بہت لمبی داڑھی کا تصور ذہن میں اُبھرتا ہے۔ مگر خیر، تم جیسی وفادار دوست کے لیے میں یہ بھی برداشت کر سکتا ہوں۔"

"اوہ۔ شاید تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو۔" لڑکی نے کہا۔ "یقین کرو یہ ساری مصیبت محض اس لیے آئی کہ تمہارے آدمی وقت پر نہیں پہنچ سکے۔" وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"تم پہلے اپنی سانسیں درست کر لو پھر گفتگو کرنا۔ اتنی دیر میں میں یہ بھی دیکھ لوں گا کہ سڑک پر کتنے آدمی موجود ہیں۔ کیونکہ میں غفلت میں مارا جانا بالکل پسند نہیں کرتا۔"

"وہاں اب کوئی بھی نہیں ہے۔ یقین کرو وہ دُم دبا کر

بھاگ گئے۔ تم سے بُری طرح خار بھی کھاتے ہیں اور خائف بھی ہیں کیونکہ یہ ان کا چوتھا ناکام حملہ تھا۔"

"مگر تم کیوں رُک گئی ہو؟ کیا وہ تم سے جواب نہیں طلب کریں گے؟"

"نہیں وہ سمجھتے ہوں گے کہ ٹیکسی ڈرائیور مجھے بھی اپنے ساتھ لے گیا لیکن میں ٹیکسی سے اس طرح اُتری تھی کہ ڈرائیور کو بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔"

"میں نے پوچھا تھا تم رُک کیوں گئیں؟"

"اس ہنگامے میں پھر اور کیا کرتی؟"

"تم ان کے ساتھ بھی جا سکتی تھیں۔"

"میں اس ویرانے میں ان پر اعتماد نہیں کر سکتی تھی۔"

"مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تم دن رات ان کے ساتھ رہتی ہو۔"

"یہ قطعی غلط ہے۔ ان میں صرف ایک آدمی ایسا ہے جس کے ساتھ میں رہتی ہوں۔ اُسی نے میری پرورش کی تھی اور بیٹی کی طرح عزیز رکھتا ہے۔"

"خوب اور تم سے اسی طرح کے کام بھی لیتا ہے۔"

"کوئی پناہ لینے کی جگہ تلاش کرو پیارے کیپٹن طنز پھر کرنا۔" لڑکی نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "ورنہ یہاں آدمی ہی آدمی نظر آئیں گے۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ اُنہوں نے تمہارا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ وہ اس وقت تمہیں اس ویرانے سے باہر نہیں جانے دیں گے۔"

"جب تک مجھ میں آخری سانس باقی رہے گی... وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔"

"وقت برباد نہ کرو۔ چلو۔" لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹنے لگی۔ حمید چلتا رہا۔ اسے لڑکی کی رفتار پر بھی حیرت ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان آڑے ترچھے راستوں پر چلنے کی عادی ہو۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک چلتے رہے پھر ایک جگہ لڑکی رُک گئی۔

"آؤ میں تمہیں ایک پناہ گاہ بتاؤں۔"

"چلو۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

پھر وہ ایک غار میں اُترتے چلے گئے جسے چاروں طرف سے اُبھرتی ہوئی چٹانوں نے گھیر رکھا تھا۔ لڑکی نے اپنے وینٹی بیگ سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال لی تھی۔ غار کیا یہ ایک تنگ سا راستہ تھا جس میں وہ دونوں برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔ آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ ایک کشادہ سی جگہ پہنچ گئے۔ یہاں غار نے کافی پھیلاؤ اختیار کر لیا تھا۔ حمید نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ غار پہلے ہی سے آباد رہا ہو۔ روزمرہ کے استعمال کی بہتیری چیزیں یہاں نظر آئیں۔ ایک طرف پیال کا ایک بستر بھی پڑا ہوا تھا۔

"کیا اب اس غار میں بند کر کے مارنا ہے؟"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اس نے ٹارچ بجھا کر دیا سلائی کھینچی اور ایک موٹی شمع روشن کر دی پھر ہنس کر بولی۔ "ہاں اب تم اپنے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھا لو۔ تھوڑی دیر بعد میں ریوالور بھی نکال لوں گی۔"

حمید پیال کے بستر پر بیٹھ گیا۔

"یہ میری لائبریری ہے۔" لڑکی چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"خوب۔ مگر مجھے یہاں کتابیں تو کہیں بھی نظر نہیں آئیں۔"

"کیا میں... کیا میں خود ہی ایک کتاب نہیں ہوں؟ دُنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی علم نہیں ہے کہ آدمی خود کو سمجھنے کی کوشش کرے۔"

"آہا... ایسی بات ہے۔"

"قطعی۔ میں یہاں تنہائی میں خود کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"اس کے برعکس مجھے ہنگاموں کے علاوہ اور کہیں عقل نہیں آتی۔"

"میں تم میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں محسوس کرتی تم قانون کے نام پر خون بہاتے ہو اور وہ قانون کا خون بہاتے ہیں۔"

"کیا تم مجھے یہاں فلسفہ پڑھانے لائی ہو؟"

"اگر پڑھ سکو تو میں اپنے لیے باعثِ فخر سمجھوں گی۔"

"انہیں تمہاری اس لائبریری کا علم ہے؟"

"نہیں، کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں نے یہاں اور ابھی ایسے کئی ٹھکانے بنا رکھے ہیں جن کا علم میرے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔"

"ان لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو تمہارے لیے ٹھنڈی آہیں بھرتا ہو؟"

"کئی ہیں، لیکن وہ بابا سے بہت ڈرتے ہیں۔"

"یہ بابا کون بزرگوار ہیں؟"

"وہی جنہوں نے میری پرورش کی تھی۔ وہ بھی ان لوگوں سے بہت متنفر ہیں لیکن تم یہ نہ سمجھنا کہ اُنہیں اس پیشے سے بھی نفرت ہے، وہ بہت پُرانے اسمگلر ہیں۔ انگریزوں کے

وقتوں کے، مگر اب اُنہیں نئے اسمگلروں سے بڑی نفرت ہو گئی ہے کیونکہ یہ اس فن سے ناواقف ہیں۔"

"ہائیں ۔۔۔ کیا اسمگلنگ بھی فن ہے؟"

"کیوں نہیں۔ فن کسے کہتے ہیں؟ کسی کام کا سلیقہ ہی فن کہلاتا ہے، اب یہ کام سلیقے سے نہیں کیا جاتا، اس لیے فن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تمہارے بابا کی دانست میں اسمگلنگ کا فن کسے کہتے ہیں؟"

"دوہری زندگی۔" لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بندرگاہ کے لوگ بابا کو ایک غریب کشتی ران سمجھتے تھے لیکن شہر میں ان کی تین تین کوٹھیاں تھیں اور وہ ایک معزز آدمی سمجھے جاتے تھے اور جب وہ کشتی رانی کرتے تھے تو ان کے جسم پر چیتھڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اکثر وہ چھ چھ ماہ اپنی چیتھڑوں اور ڈال ڈلیا میں نکال لے جاتے تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ بعض اوقات انہیں ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے وہ سچ مچ کوئی غریب ملاح ہیں۔ ان کی دانست میں یہ تھا اسمگلنگ کا فن کہ آدمی کی دونوں شخصیتوں میں سے کسی ایک کا بھی راز نہ کھل سکے۔"

"اچھا تو کیا اب بھی ان کی دارالحکومت میں تین کوٹھیاں ہیں؟"

"نہیں زمانے کے انقلاب نے ان کے کس بل ہی نکال دیے۔ اب وہ قطعی گمنام ہیں، کوٹھیاں بھی بہت عرصہ ہوا فروخت ہو گئی تھیں اور اب ان کی صرف ایک ہی شخصیت باقی رہ گئی ہے۔ اب وہ صرف ایک غریب ملاح ہیں۔"

"لیکن تم مجھے سب کچھ کیوں بتا رہی ہو؟" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا تمہیں اپنے بابا کی گرفتاری پر افسوس نہ ہوگا؟"

"میں دراصل یہ چاہتی ہوں کہ وہ شریف آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگیں۔ اُس کمینے آدمی کی ملازمت ترک کر دیں جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"کیا مطلب؟"

"اب وہ ایک آدمی کے ملازم ہیں جس نے خود ہی انہیں تلاش کرا کے ملازم رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے وہ قطعی آزاد تھے یعنی یہ کاروبار کرتے تھے اور نفع آپس میں برابر بانٹ لیتے تھے لیکن انگریزوں کے جاتے ہی ان کا کاروبار تباہ ہو گیا اور پھر مالی اعتبار سے اتنے کمزور ہو گئے کہ انہیں ایک بہت بڑے اسمگلر کی ملازمت کرنی پڑی لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟"

"ادھر تو تمہارے بابا کے تئیں وہ فنی اعتبار سے کیسا ہے؟"

"انہوں نے اس کے متعلق کبھی کوئی خیال ظاہر نہیں کیا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ بہت زیادہ سائنٹیفک ہے۔ اُسے ذرہ برابر بھی محنت نہیں کرنی پڑتی کیونکہ کاروبار کا سارا منافع اُسے پہنچتا ہے اور وہ اس کا کچھ حصہ ان لوگوں کے سامنے اس طرح پھینک دیتا ہے جیسے کتے کو ٹکڑا ڈالا جاتا ہے۔"

وہ خاموش ہو کر کلائی کی گھڑی دیکھنے لگی پھر بولی۔ "دو بجے کرنل فریدی کا جہاز ائیرپورٹ پر پہنچے گا۔ دیکھو ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟"

"میں ان کا ایک حقیر ترین شاگرد ہوں بس اسی سے اندازہ کر لو۔"

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے لیے زہر کی تجویز تھی۔"

"نہیں۔" حمید بے ساختہ اُچھل پڑا۔

"اسکیم یہ تھی کہ ائیرپورٹ سے مسافروں کو لے جانے والی گاڑیوں میں پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ نقص پیدا کر دیے جائیں۔ ظاہر ہے کہ مسافروں کو ان کی درستگی کا انتظار کرنا ہی پڑتا ہے، ایسے مواقع پر مسافروں کو کافی سرو پیش کی جاتی ہے اور کافی کرنل کا پسندیدہ مشروب ہے۔۔۔ ہاں تو کافی میں زہر۔۔۔ کیا سمجھے؟"

"تم نے وہیں کیوں نہیں بتایا تھا؟" حمید مضطربانہ انداز میں اُٹھتا ہوا بولا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟ مائی ڈیئر کیپتان صاحب۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "تم یہ مت سمجھنا کہ مجھے تم لوگوں سے ہمدردی ہے، میں تو دراصل اس گروہ کو تباہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن ہماری مدد کے بغیر تم بھی کامیاب نہ ہو سکو گی۔"

بچوں نے ایک پروٹسٹنٹ پادری کو ٹہلتے دیکھا۔ "یہ فادر کون ہے؟" ایک بچے نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ فادر نہیں۔" دوسرے بچے نے اسے سمجھایا۔ "یہ چار بچوں کا باپ ہے۔"

حمید نے کہا۔

"اسی لیے تو میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ اگر انہیں میری اس حرکت کا علم ہو جائے تو شاید میں دوسرے لمحے سانس بھی نہ لے سکوں۔"

"بہرحال تمہاری کامیابی کا انحصار صرف کرنل فریدی کی زندگی پر منحصر ہے۔"

"تمہاری زندگی پر کیوں نہیں ہے۔۔۔ ہڈ ییر کیپٹن بگ ماؤس۔" لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

"میں کھوپڑی کا استعمال بہت کم کرتا ہوں۔"

"تو کیا وہ کرنل کی کھوپڑی تھی جس نے سرخ غبارہ اڑایا تھا؟"

"نہیں وہ تو سو فیصد میری ہی کھوپڑی تھی۔ ویسے کبھی کبھی چل بھی جاتی ہے۔ دیکھو مجھے باتوں میں مت اُلجھاؤ۔ مجھے فوراً واپس جانا چاہیے۔"

"اوہ میرا مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ تمہاری آخری رات ہی نہ ہو۔"

"ہر رات میری آخری رات ہی ہوتی ہے لیکن دوسرے ہی دن پھر کسی نئی لڑکی سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ میں تو اب تنگ آ گیا ہوں۔ کسی ایسی جگہ جانا چاہتا ہوں جہاں لڑکیاں نہ ہوں۔"

"سب سے قریب کی جگہ قبر ہے کیپتان صاحب۔ دنیا کی سڑی سے سڑی لڑکی بھی تمہاری قبر میں داخل ہونا پسند نہ کرے گی۔"

"حالانکہ قبر کا راستہ بھی مجھے کوئی لڑکی ہی دکھائے گی۔ اے لڑکی خدا کے لیے کوئی تدبیر کرو کہ میں جہاز کے لینڈ کرنے سے پہلے ہی ائیرپورٹ پہنچ جاؤں۔ اچھا تم اتنا ہی بتا دو کہ شہر یہاں سے کتنی دور ہوگا؟"

"صرف دس میل۔"

"میرے خدا پیدل چل کر تو صبح تک بھی نہ پہنچ سکوں گا۔"

"ٹھہریے! مجھے سوچنے دو۔" لڑکی کچھ سوچنے لگی۔ پھر بولی۔ "میں اس ویرانے میں تمہارے لیے کار بھی مہیا کر سکتی ہوں اور موٹر سائیکل بھی لیکن میں تمہیں موت کے منہ میں نہیں جھونکنا چاہتی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب انہوں نے منظم طور پر تمہاری تلاش شروع کر دی ہوگی۔"

"کرنل کی زندگی میری زندگی سے زیادہ قیمتی ہے۔ تم اس کی پرواہ مت کرو۔"

لڑکی کچھ دیر کے لیے غار سے چلی گئی، حمید اس کا انتظار کرتا رہا پھر اُس نے واپس آ کر بتایا کہ ابھی تک چاروں طرف سناٹا ہی محسوس ہو رہا ہے۔ دوسری بار وہ حمید کو بھی غار سے نکال لے گئی پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد ایک غار میں داخل ہوئے اور یہاں پہنچ کر حمید کی آنکھیں کھل گئیں، شاید یہ اسمگلروں کا اسلحہ خانہ تھا۔ یہاں اُسے گیارہ عدد موٹر سائیکلیں بھی نظر آئیں۔

"میں تمہارا شکر گزار رہوں اور تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ تمہارا نام کیا ہے؟" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں۔۔۔ میرا نام۔۔۔ نیلم ہے بس اب چپ چاپ کھسک جاؤ، چلو میں تمہیں وہ راستہ بھی دکھا دوں جس سے تم بہ آسانی سڑک پر پہنچ سکو گے لیکن خدارا سڑک پر پہنچے بغیر موٹر سائیکل اسٹارٹ نہ کرنا ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ ان کا کوئی آدمی آس پاس موجود نہ ہو۔ خیر تم نے وعدہ کیا ہے کہ تم نیلم کو یاد رکھو گے۔"

بلی کی چیخ نے بہتیروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا مگر اب تو وہ بلی کی لاش تھی۔ لوگ فریدی سے اس کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور فریدی جلد از جلد نشاط ہوٹل پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ ویٹر اب بھی وہیں موجود تھا جس نے کافی میز پر لگائی تھی اس کے چہرے پر پسینے کے قطرات نظر آنے لگے تھے لیکن فریدی نے اس کی طرف دوبارہ نہیں دیکھا۔ اُس نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ بلی کیسے مری تھی! پھر وہ اُٹھ ہی رہا تھا کہ حمید بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر بلی پر پڑی جس کے قریب دودھ کا برتن ابھی تک فرش ہی پر موجود تھا۔

"ویری فائن۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

فریدی نے آنکھ کے اشارے سے اُسے خاموش رہنے کی تاکید کی اور اس طرح لپک کر اس سے ملا جیسے اُسے اُس کا ہی انتظار رہا ہو۔ حقیقت یہی تھی کہ ابھی سارے مسافر ائیرپورٹ ہی پر موجود تھے کیونکہ اس وقت سروس میں صرف دو گاڑیاں تھیں اور دونوں ہی میں کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی اور یہ وہی وقت تھا جب مینجمنٹ کی طرف سے مسافروں کا غصہ کم کرنے کے لیے کافی تقسیم کی جا رہی تھی۔

"چلیے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے علم ہے کہ گاڑیاں

خراب ہوگئی ہیں، میں آپ کو موٹر سائیکل پر نشاط لے چلوں گا اور بیگ انہیں دے دیجیے۔"

حمید نے سادہ لباس والے کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی اُسے اپنا سفری بیگ دے کر اُٹھ گیا لیکن وہ ویٹر کو کافی کی قیمت ادا کرنا نہیں بھولا تھا۔

حمید موٹر سائیکل چلا رہا تھا اور فریدی پچھلی سیٹ پر تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ زہر والی اسکیم کا حال مجھے دیر سے معلوم ہوا۔" حمید بولا۔ "میرے خدا اگر وہ سؤر کے بچے کامیاب ہو گئے ہوتے تو۔۔۔"

"ایک نالائق آدمی سے تمہارا پیچھا چھوٹ جاتا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"بے کار بور نہ کیجیے۔ میرا دل ہی جانتا ہے کہ اس سازش کا علم ہوتے ہی مجھ پر کیا گذری تھی! بس زہر کا نام سن کر دم نکل گیا تھا مگر کرنل فریدی کسی آدمی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک قوت ہے۔"

"قوت مؤنث ہے حمید صاحب۔ اس کو آپ خود ہی سے نسبت دے دیجیے۔ مگر آخر آج کل آپ کن آسمانوں پہ ہیں، بے حد متحیر ہوں۔"

"ارے۔۔۔ میں بے چارہ۔"

"نہیں، میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں۔ تم روز بروز حیرت انگیز ہوتے جا رہے ہو۔ تمہیں میری آمد کی بھی خبر تھی اور پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجھے زہر دیا جانے والا ہے۔ کچھ تو بتاؤ۔"

"مؤنث۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا لیکن موٹر سائیکل کے شور نے فریدی تک وہ ٹھنڈی سانس نہ پہنچنے دی۔

"اوہ تو کیا تم اس گروہ کی کسی عورت پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو؟"

"نہیں۔ بلکہ ایک عورت مجھ پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ آپ چلیے اطمینان سے بتاؤں گا۔ میں نے واقعی بڑے لمبے لمبے تیر مارے ہیں۔ یہ موٹر بائیک بھی انہی اسمگلروں کی ہے۔"

نشاط پہنچ کر حمید نے اپنے آدمیوں کو وہیں موجود پایا جنہیں اپنا تعاقب کرنے کو کہا تھا۔ وہ ان پر گرجنے برسنے لگا۔

"صاحب سنیے بھی تو سہی۔" ایک نے کہا۔

"شٹ اپ۔" وہ آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

"ہم نے بڑی کامیابی سے آپ کا تعاقب کیا تھا لیکن ہمارے درمیان جو تیسری کار حائل تھی۔ اُس نے ہمیں بالکل بے کار کر دیا۔ ایک جگہ سڑک بہت تنگ تھی اور دوسری طرف ایک بہت گہری کھائی کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ بس وہیں ہم مات کھا گئے۔ وہ کمبخت نرال اس طرح کار روک کر غائب ہو گئے کہ راستہ ہی مسدود ہو گیا۔ واقعی جناب وہ عجیب سچویشن تھی۔ کافی دیر تک عقل لڑانے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ کار کو کھڈ میں گرائے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔"

"پہلے ہی کیوں نہیں پہنچے تھے اس نتیجے پر۔" حمید غرایا۔

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

کچھ دیر بعد جب وہ لوگ چلے گئے اور حمید کو جماہیاں آنے لگیں تو فریدی نے کہا "میں صرف اس لیے آیا ہوں کہ مجھے تم پر حملوں کی اطلاع ملی تھی ورنہ یہ کیس تو اب ہمارے ہاتھ سے لیا جا چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"کسی اور کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ تم نے غلطی سے ان اسمگلروں کو پکڑ لیا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کیا مطلب کا بھوت سوار ہو گیا ہے تم پر۔ اچھا سو جاؤ۔ صبح بتاؤں گا۔"

"نہیں میں جاگ رہا ہوں، بات ہی سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ان اسمگلروں کی پشت پر کوئی بہت بڑا آدمی ہے جس نے ہمارے محکمے کو بھی شیشے کے صندوق میں بند کر دیا ہے۔ صاف صاف یہ نہیں کہا گیا کہ اس کیس کا فائل بند کر دیا جائے گا۔ بلکہ ہماری جگہ دوسرے کام کریں گے۔ لہٰذا اب اس میں مغز نہ مارو۔"

"تو کیا آپ ذاتی طور پر بھی باز آ جائیں گے؟"

"یہ حالات پر منحصر ہے۔"

"تو گویا کل ہماری واپسی ہو گی۔"

"نہیں۔ میں ابھی یہاں قیام کروں گا۔ ہرمن کا کیس میرے ہی پاس ہے اور اس کے آج رات کے اعلان سے کچھ مترشح ہوتا ہے کہ وہ ٹیکم گڑھ ہی میں کہیں ہے۔ میں نے یہ اعلان طیارے میں سُنا تھا۔ کل وہ کوئی چیز پیش کرے گا مگر خیر ہاں، وہ تو میں ضرور سنوں گا جو تم پر گزری ہے۔"

حمید نے اپنی داستان شروع کر دی اور جب سب کچھ کہہ چکا تو فریدی نے کہا "بہت ممکن ہے کہ انگلی چوکی کے حفاظتی دستے کے کچھ لوگ بھی ان سے مل گئے ہوں اور سبز غبارے ان ہی کی طرف سے چھوڑے جاتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ پورے راستے کو ملانا آسان کام نہیں ہے اور پورا راستہ ہر وقت ڈیوٹی ہی پر رہتا ہے۔ کسی ڈیوٹی کے سپاہیوں کو ملایا ہو گا۔ لہٰذا میدان اسی وقت صاف ہوتا ہو گا جب ان کی ڈیوٹی ہو گی۔ مگر تم نے بھی سرخ غبارے کے امکانات پر غور کر کے کمال ہی کر دیا۔"

✤

رات بڑی خوشگوار تھی، ٹیکم گڑھ کی شہری آبادی میں خوشگوار راتیں بڑی رونقیں لاتی ہیں، وہ بھی حسبِ معمول ویسی ہی ایک رات تھی، ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے، اسی لیے سبھی سڑکیں بھری بھری نظر آ رہی تھیں، ان میں مشن روڈ ایسی ہے جس پر گیارہ بجے رات تک تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں رہتی۔ اس روڈ پر ٹھیک سوا آٹھ بجے بھگدڑ مچ گئی۔ ایک پر ایک گرنے لگا۔ نہ جانے کتنے بچے کچلے گئے، کتنی عورتوں کے چوٹیں آئیں، شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اچانک ایک آواز اس شور سے ابھری اور اس کے آگے اُس شور کی حیثیت مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے زیادہ نہ رہ گئی۔ کوئی اس طرح بولا تھا جیسے مائیک میں بولا ہو۔

"ٹھہریے۔ ٹھہر جائیے۔ میں آپ کا دوست ہوں، دشمن نہیں، آپ کی خدمت کروں گا۔ ٹھہر جائیے۔ خدا کے لیے اس طرح نہ دوڑیے ورنہ حادثات ہوں گے۔"

لیکن لوگ بھاگتے ہی رہے۔ تھوڑی دیر بعد مشن روڈ سنسان ہو گئی۔ صرف مکانات کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ اب چونکہ چوراہے کے ٹریفک کا کہیں پتا تھا اور نہ ڈیوٹی کانسٹیبلوں کا جدھر جس کے سینگ سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔

پٹرول پمپ کے قریب لوہے کا ایک انسان نما ڈھانچہ کھڑا ہوا تھا، اسی ڈھانچے سے پھر آواز آئی۔ "بڑے افسوس کی بات ہے، آپ آخر مجھ سے ڈرتے کیوں ہیں! میں آپ کا خادم فولادی۔ میرا خالق ڈاکٹر ہرمن ہے، میں آپ کی خدمت کروں گا۔ اوہ۔۔۔ یہ چوراہا بھی ویران پڑا ہے کتنے افسوس کی بات ہے؟"

لوہے کا ڈھانچہ بالکل آدمیوں کے انداز میں چلتا ہوا چوراہے کی طرف بڑھنے لگا، اُس کے سر سے بہت ہی تیز قسم کی روشنی نکل کر چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ اس روشنی کے سامنے سڑک کے ستونوں کی روشنیاں بالکل ایسی ہی لگ رہی تھیں جیسے کسی تیز دھوپ میں چراغ رکھ دیا ہو۔ وہ چوراہے پر پہنچ کر رُک گیا۔ چوراہے سے سگنل نہ ملنے کی وجہ سے چاروں طرف ٹریفک رُک گئی تھی۔ ڈھانچے نے سگنل کے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا ایک طرف کا سبز بلب روشن ہو گیا اور کاریں گزرنے لگیں، شاید ڈرائیو کرنے والوں کی سمجھ ہی میں نہیں آ سکا تھا کہ کیا معاملہ ہے؟ لیکن پھر یک بیک سرخ بلب کی سمت والی گاڑیوں سے لوگوں نے کود کود کر بھاگنا شروع کر دیا۔

"ارے۔۔۔ ارے۔" ڈھانچے سے آواز آئی۔ "بڑے افسوس کی بات ہے۔ آدمی اور لوہے کے ڈھانچے سے اس قدر خائف۔۔۔ ٹھہریے۔۔۔ خدا کے لیے ٹھہریے۔ ذرا دیکھیے بھی تو کہ فولادی کس طرح ٹریفک کو کنٹرول کرتا ہے! ہرمن آپ کا دشمن نہیں ہے۔ وہ آپ کے فائدے کے لیے بہت کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

لیکن لوگ بھاگتے ہی رہے۔

اس نے پھر کہا "میں سمجھا تھا کہ آپ لوگ مجھ سے تعاون کریں گے لیکن بڑے افسوس کی بات ہے۔ اچھا میں جا رہا ہوں۔"

وہ پھر سڑک پر اُتر آیا اور اپنے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھائے پھر خود بھی بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہوتا چلا گیا اور چند ہی سیکنڈ میں اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی تارا نظر آنے لگی۔

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید ریڈیو پر خبریں سن رہے تھے۔ دفعتاً خبریں سنانے والی کی آواز کتوں اور بلیوں کی آوازوں میں تبدیل ہو گئی۔

فریدی نے سگار جلانے کا ارادہ ترک کر کے سگار لائیٹر میز پر رکھ دیا، وہ دونوں نشاط کے ڈائیننگ ہال میں تھے۔ رات کا کھانا دونوں ہی نے ساتھ کھایا تھا اور اس کے بعد سے اب تک یہیں بیٹھے رہے تھے۔

ریڈیو سے آواز آئی "مجھے افسوس ہے۔ میں پھر مخل ہو رہا ہوں۔ میں ڈاکٹر ہرمن آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ فولادی سے تعاون کیجیے۔ وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، وہ آپ کا خادم ہے۔ آپ صرف اُسے ایک ماہ کا موقع دیجیے۔ وہ ٹیکم گڑھ کو ایک مثالی شہر بنا دے گا۔ وہ آپ کو مجبور کر دے گا کہ آپ قانون کا احترام کریں اور اب میں آپ کے براڈ کاسٹنگ سسٹم پر اثر انداز نہیں ہونا چاہتا۔ آپ آئندہ اپنے ریڈیو یا مائیکرو فون پر میری آواز نہیں سنیں گے جو حضرات مجھ میں دلچسپی لے رہے ہوں صرف وہی میری آواز سُن سکیں گے۔

گندھک کا تیزاب اور لال کسیس کا محلول تیار کیجیے۔ ایک اسٹیتھواسکوپ یعنی وہ آلہ لیجیے جس سے معالج سینہ ٹسٹ کرتے ہیں، اب اس کا نچلا حصّہ جو سینے پر رکھا جاتا ہے تیار شدہ محلول میں ڈال دیجیے اور اوپری حصّہ کانوں میں لگائیے۔ اس طرح آپ روزانہ ساڑھے سات بجے شام سے آٹھ بجے تک میری آواز سُن سکیں گے۔ مَیں جانتا ہُوں کہ ملک کا نوجوان طبقہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ مَیں آپ کے اس اعتماد اور محبت کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ میں اس مُلک کی ترقی کا خواہاں ہُوں' آپ مجھے روز بروز اپنی خدمت میں اور زیادہ مصروف پائیں گے۔ مَیں آپ کا خادم ہرمین۔"

آواز بند ہوگئی اور ایک بار پھر وہی کتوں اور بلیوں والا شور سُنائی دیا۔ اس کے بعد پھر وہی ریڈیو کی موسیقی تھی۔

فریدی نے کُرسی کی پُشت سے ٹیک کر سگار سُلگایا۔ اُس کی آنکھوں میں فکر کے بادل تیرتے نظر آرہے۔

"کہیں۔ یہ سابق نازی یہاں کسی انقلاب کی تیاری تو نہیں کر رہا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"پتا نہیں۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی، چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "بہر حال تو یہ خبر صحیح تھی کہ مشن روڈ کے چوراہے پر کسی لوہے کے پُتلے نے ہنگامہ برپا کیا تھا، نام بھی کتنا معنی خیز ہے فولادی ۔۔۔ یعنی فولاد کے آدمی کا مخفف۔"

"مجھے تو یہ عنب ہی معلوم ہوتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "لوہے کے متحرک پُتلے پہلے بھی دیکھے ہیں لیکن کسی ایسے پُتلے کے متعلق آج تک بھی نہیں سُنا جو بولتا بھی رہا ہو۔ کمال ہے اُس نے ٹریفک کنٹرول کرنے کی بھی کوشش کی تھی، کیا بکواس ہے؟"

فریدی اِس پر کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "تو اسمگلنگ والے کیس سے دستبردار ہو چکے ہیں"

"فی الحال۔"

"مَیں تو فی الحال کے لیے بھی تیار نہیں ہُوں۔ مجھے ان لوگوں سے کچھ چڑ سی ہوگئی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس غار پر چھاپہ ماروں جہاں سے ایک موٹر سائیکل ہاتھ لگی تھی۔"

"مَیں قطعی مشورہ نہ دُوں گا جب کیس ہی ہم سے لیا جا چکا ہے تو ہم کیوں جھک ماریں؟"

"پہلی بار آپ کی زبان سے ایسا جملہ سُن رہا ہوں۔"

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "مَیں اب ہرمین کے علاوہ اور کسی کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہتا۔ یہ کیس دلچسپ بھی

بنیادی اختلاف

"آپ طلاق کیوں چاہتی ہیں مسز جونز؟"
وکیل نے بھری عدالت میں سوال کیا۔
"اس لیے کہ ہمارے درمیان کئی اہم اُمور پر اختلاف ہے۔"
"مثلاً؟"
"مثلاً یہ کہ مَیں تجھے پسند کرتی ہوں اور یہ تم سے نفرت کرتا ہے۔"

ہوگا اور وقت طلب بھی! اسمگلروں کی پُشت پر جو کوئی ہے اسے مَیں ہر وقت پکڑ سکتا ہُوں۔"

"کون ہے؟"

"یہ نہیں بتاؤں گا۔ وہ وقت دُور نہیں ہے جب اس کے متعلق میرا فائل مکمل ہو جائے گا پھر یا تو وہ رہے گا یا میں۔"

"آپ نے کہا تھا کہ وہ کوئی بڑا آدمی ہے۔"

"یقیناً وہ ایک ذی اثر آدمی ہے۔ ذی اثر نہ ہوتا تو کیس ہمارے ہاتھ سے کیوں لیا جاتا؟ مجھ پر یا تم پر اتنے دلیرانہ اور منظم حملے کیوں ہوتے؟ اگر سرکاری طور پر ہماری جڑیں گہرائی میں نہ ہوتیں شاید ہم محکمے ہی سے الگ کر دیے جاتے۔"

"اس حد تک"

"یقیناً۔"

"خُدا کے لیے مجھے بتائیے وہ کون ہے؟"

"کوئی لڑکی نہیں ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے اطمینان ہے کہ وہ کوئی لڑکی نہیں ہے ورنہ آپ اس کا تذکرہ اتنی شدومد سے نہ کرتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

* نیلم اپنے غار سے باہر آئی جسے وہ لائبریری کے نام سے موسوم کرتی تھی۔ باہر چٹانوں پر آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ وہ سیاہ پتلون، سیاہ جیکٹ اور سفید دستانوں میں تھی۔ غار سے نکل کر وہ اس غار کی طرف چلنے لگی جہاں اُس نے پچھلی رات کیپٹن حمید کے لیے موٹر سائیکل نکالی تھی۔ کچھ دُور چلنے کے بعد وہ اچانک ایک بہت ہی تیز قسم کی روشنی میں نہا گئی۔ اس کے چاروں طرف کچھ ایسی روشنی پھیلی ہُوئی تھی جیسے سُورج زمین پر اُتر آیا ہو۔ بیساختہ

اُس نے اُوپر کی طرف دیکھا اور اس کے مُنہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ دُوسرے ہی لمحے میں ایک سیاہ فام عفریت جس کے سر سے پر کرنیں سی پھُوٹ رہی تھیں۔ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ نیلم کو سکتہ ہو گیا۔

"ڈرو نہیں لڑکی مَیں ڈاکٹر ہرمین کا فولادی ہُوں۔ وہی پیش کش جس کا وعدہ اُس نے پچھلی رات کو کیا تھا۔ مگر تم اتنی رات گئے اِس ویرانے میں کیا کر رہی ہو؟"

نیلم کچھ نہ بولی۔ وہ بار بار اُسے نیچے سے اُوپر تک دیکھ رہی تھی۔ لوہے کا ایک انسان نُما ڈھانچہ جس کے سر سے چاروں طرف تیز قسم کی روشنی پھُوٹ رہی تھی۔ سینے پر چار چھوٹی چھوٹی سی کھڑکیاں سی تھیں جن میں چار مختلف رنگوں کے چھوٹے چھوٹے بلب کبھی روشن ہو جاتے تھے اور کبھی بُجھ جاتے تھے۔ اُس نے محسوس کیا کہ ان کے جلنے اور بُجھنے کا وقفہ متعین نہیں ہوتا بلکہ وہ دو قسم کی آوازیں جو یکے بعد دیگرے مسلسل پیدا ہوتی ہیں۔ انہی کے ساتھ ہی وہ جلتے اور بُجھتے ہیں۔

ٹرن ۔۔۔ بچ ۔۔۔ ٹرن ۔۔۔ بچ ۔۔۔ ان آوازوں کے ساتھ ایک مُسلسل آواز بھی تھی۔ ایسی آواز جو کسی پیٹرومیکس لیمپ سے خارج ہوتی رہتی ہے۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا لڑکی۔" فولادی نے کہا۔ دفعتہً نیلم قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور ہنستی رہی۔

"لڑکی مَیں بے حد خوش ہُوں کہ تم مجھ سے خوفزدہ نہیں ہو۔" فولادی پھر بولا۔

"کرنل فریدی، میں نے تمہیں پہچان لیا۔" نیلم نے اُنگلی اُٹھا کر کہا۔ "تم بہت عظیم ہو تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ خدا کی پناہ۔ کل تم کس طرح بچ گئے تھے۔ کیا تم پُراسرار قوتوں کے مالک نہیں ہو؟ تم آسمان سے بھی اُتر سکتے ہو۔ مَیں نے تمہاری حیرت انگیز داستانیں سُنی ہیں۔ مَیں تمہیں دیکھنا چاہتی ہُوں کرنل، براہِ کرم یہ لوہے کا نقاب اپنے چہرے سے الگ کر دو۔"

اُس کی آواز بہت مدھم تھی، وہ کہتی رہی۔ "کیا کیپٹن نے تمہیں نہیں بتایا کہ مَیں ان لوگوں سے کتنی نفرت کرتی ہوں؟ کیا مَیں نے یہ نہیں بتایا تھا؟"

"لڑکی ۔۔۔ لڑکی ۔۔۔" فولادی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "شاید تم کسی غلط فہمی میں مُبتلا ہو۔ آؤ اور قریب آؤ۔ مجھے اچھی طرح دیکھ لو۔ تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ مَیں کوئی آہن پوش آدمی ہوں۔ ڈرو نہیں ۔۔۔ آؤ ۔۔۔ قریب آؤ۔"

"مَیں ڈر کے ہجے بھی نہیں جانتی۔" نیلم نے ہنس کر کہا۔

"اچھا تو آؤ۔ مجھے دیکھو، یہ شرف صرف تمہیں بخشا جا رہا ہے کہ تم مجھے قریب سے دیکھ سکو۔ شاید تمہارے علاوہ اور کوئی اتنا خوش قسمت نہ ثابت ہو سکے۔"

"مجھے کیوں یہ شرف بخشا جا رہا ہے؟"

"کیونکہ تم مجھ سے خائف نہیں ہو۔ ورنہ مَیں تو ابھی ایک ویران شہر دیکھ کر آ رہا ہُوں، کتنی مضحکہ خیز بات ہے لوگ مجھے دیکھ کر اتنے بدحواس ہوئے کہ سر پیر کا ہوش نہ رہا حالانکہ مَیں ایک آدمی کی ہی تخلیق ہُوں۔"

نیلم نے پتلون کی جیبوں سے دونوں ہاتھ نکالے اور اس کی طرف بڑھ گئی۔ "بہت خُوب۔" فولادی نے کہا۔ "تم سچ مچ ایک نڈر لڑکی ہو۔"

وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا اور نیلم ہر زاویے سے اس کا جائزہ لیتی رہی، اندھیری رات سکوت کے اتھاہ سمندر میں تیرتی چلی جا رہی تھی۔

"اوہ۔" وہ کچھ دیر بعد ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "سچ مچ آدمی نہیں ہو۔"

"مَیں فولادی ہُوں۔"

"فولادی کسے کہتے ہیں؟"

"مجھے۔" فولادی نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا پھر بولا۔ "آج سے ہم تم گہرے دوست ہیں کیوں؟"

"اوہو۔ تم دوستی بھی کر سکتے ہو۔"

"مَیں۔ ہاں۔ مَیں دوستی بھی کر سکتا ہُوں، تمہارے متعلق سوچ بھی سکتا ہُوں۔ ارے تم اس طرح مُسکرا کیوں رہی ہو؟"

"فولادی۔ تم نے یقیناً شہر میں ہراس پھیلایا ہوگا! آخر تمہارا مقصد کیا ہے؟ تم کس لیے بنائے گئے ہو؟ ہرمین تم سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟"

"فی الحال وہ ۔۔۔ بتانا چاہتا ہے کہ وہ کتنا عظیم سائنسدان ہے۔"

"پھر؟"

"پھر کچھ بھی نہیں۔ پھر وہ صرف خدمت کرنا چاہتا ہے۔"

"تم کس طرح خدمت کر سکو گے؟"

"مثلاً۔ اگر کوئی بھولی بھالی لڑکی راستہ بھٹک گئی ہے اور اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے تو مَیں اُسے اُس کے گھر پہنچا دُوں گا۔"

"تب تو تم بہت اچھے ہو۔ کیا تم کل صبح میرے ساتھ ناشتا کر سکو گے۔ یہ رہا میرا وزٹنگ کارڈ۔" اُس نے جیب سے

ایک کارڈ نکال کر فولادی کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ!" اُس نے نیلم کے ہاتھ سے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے افسوس ہے کہ میں آدمیوں کی طرح ناشتا نہیں کر سکتا کیونکہ معدہ نہیں رکھتا۔"

"اس کے علاوہ اور سب کچھ آدمیوں کی طرح کر سکتے ہو؟"

"یقیناً۔"

"نہیں! تم میرا وزیٹنگ کارڈ بھی نہ پڑھ سکو گے۔"

"اوہو!" اُس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ "نیلم۔ تیرہ مال روڈ ٹیکم گڑھ۔"

"کمال ہے!" نیلم سر ہلا کر بولی۔ "واقعی ڈاکٹر عظیم ترین سائنسدان ہے، لیکن فولادی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ حکومت بھی تمہارا وجود برداشت کر لے۔"

"مجھ سے غیر قانونی حرکت نہیں ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ حکومت یہاں ڈاکٹر ہرمین کی موجودگی ہی پسند نہیں کرتی۔"

"تب پھر مجھے خدشہ ہے کہ تم توڑ پھوڑ ڈالے جاؤ گے۔"

فولادی اس انداز میں ہنسا جیسے اُسے کسی ننھے سے بچے کی بات پر بے ساختہ ہنسی آگئی ہو۔

"میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکتا ہوں۔" اُس نے کہا۔

"اگر تم پر گولے برسائے جائیں؟"

"مجھ سے تین فٹ کے فاصلے پر ہی وہ پلٹ جائیں گے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"سمجھنا چاہتی ہو؟"

"یقیناً۔ میں ہر نئی چیز کو سمجھنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا تو ایک پتھر اُٹھا کر میری طرف پھینکو لیکن اُسے اتنی اُونچائی پر پھینکنا کہ پھینکنے کے بعد اگر زمین پر بیٹھ جاؤ، تو اس کی واپسی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔"

"کیا میں سچ مچ ایسا ہی کروں؟"

"ہاں بھئی۔ میں اجازت دیتا ہوں۔"

نیلم نے جھک کر ایک بڑا سا پتھر اُٹھایا۔

"ٹھہرو۔ یُوں نہیں۔ مجھ سے کم از کم دس گز دُور ہٹ جاؤ۔ ورنہ پتھر کی واپسی سے پہلے بیٹھ نہ سکو گی۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ بیٹھ کر پھینکو۔ جتنی اُونچائی پر وہ مجھ سے تین فٹ کے فاصلے پر آئے گا اتنی ہی اُونچائی سے اس کی واپسی بھی ہوگی۔"

نیلم پیچھے ہٹی اور یک بیک فولادی آگ کا مجسمہ بن گیا بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی زمین دوز اسٹوو کی لپٹیں اتنی بلند ہو گئی ہوں جتنا فولادی کا قد تھا۔ نیلم نے اپنی پُوری قوت سے وہ پتھر اس پر کھینچ مارا لیکن دُوسرے ہی لمحے میں فولادی کے قول کی تصدیق ہو گئی، پتھر اس سے تین فٹ کے فاصلے سے ہی پلٹ کر دُور جا گرا اور یہ حقیقت تھی کہ اگر وہ بیٹھی ہوئی نہ ہوتی تو وہ پلٹا ہوا پتھر خود اسی کا سر پاش پاش کر دیتا۔ فولادی پھر اپنی اصلی حالت پہ آ گیا۔

"تم نے دیکھا نیلم!" اُس نے ہنس کر کہا۔

"ہاں۔ واقعی۔ تم!"

"سیکڑوں توپوں کے دہانے بھی اگر مجھ پر کھول دیے جائیں تب بھی میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا کام محض خدمت ہے لیکن مجھ میں تخریبی قوتیں بھی موجود ہیں۔"

"فولادی اگر کبھی تم غلط راستوں پر نکل گئے تو کیا ہوگا؟"

"بڑی تباہی پھیلے گی لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کبھی میرے قدم غلط راستوں کی طرف بھی اُٹھیں گے۔ اگر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کی گئی تو میں صرف اپنا دفاع کروں گا۔ جوابی کارروائی مجھ سے نہیں ہو سکے گی۔ مگر تم یہاں اس ویرانے میں اتنی رات گئے نظر آ رہی ہو؟"

"میں... مجھے ویرانے بہت پسند ہیں۔ آج ہی اِدھر نکل آئی تھی۔ اب واپس جا رہی ہوں۔"

"اچھا! میں کسی دن تمہارے گھر آؤں گا۔ شب بخیر!"

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں بلند ہو گیا۔

٭

نیلم جیسے ہی اس عمارت میں داخل ہوئی نہ جانے کیوں اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُسے خود بھی اس پر حیرت ہوئی کیونکہ وہ اسی عمارت میں رہتی تھی۔ یہ عمارت دراصل ان اسمگلروں کی ان کوٹھیوں میں سے ایک تھی جن میں اسمگل کیا ہوا یا کیا جانے والا مال رکھا جاتا تھا، لیکن پاس پڑوس والے یہی سمجھتے تھے کہ نیلم کوئی رئیس زادی ہے اور وہ اتنی بڑی کوٹھی میں تنہا رہتی ہے۔ عام آدمی کیا سمجھ پاتے کہ وہاں نظر آنے والی نوکروں کی فوج کا ہر آدمی اگر کوئی بڑا نہیں تو معمولی ہی قسم کا سانپ ضرور ہے۔ نیلم اِن ملازمین کے درمیان شہزادیوں کی سی شان سے رہتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ ان خانہ زادوں میں سے اکثر اُسے اپنا لینے کے خواب بھی دیکھتے رہے ہوں۔

وہ سب خطرناک آدمی تھے جب مسکین صورت خانہ زاد اسمگلنگ کی کسی مہم پر روانہ ہوتے تو ان میں سے ہر ایک بھوکا بھیڑیا نظر آتا تھا، اکثر وہ ایسے مواقع پر آپس ہی میں لڑ جاتے تو دُوسرے

دِن کہیں نہ کہیں ایک آدھ لاش ضرور ملتی۔ وہ ایسے ہی خطرناک وحشی تھے۔

لیکن نیلم اِن سے ذرّہ برابر بھی خائف نہیں تھی۔ وہ ان پر اسی طرح حکم چلاتی جیسے وہ سچ مچ اس کے غلام ہوں۔ یہ سب کچھ وہ اسی بُوڑھے کی تقویت پر کرتی تھی، جس کا تذکرہ اس نے کیپٹن حمید سے بھی کیا تھا۔ یہ بوڑھا بھی اکثر انہی ملازمین کی بھیڑ میں نظر آتا اور پڑوسی اُسے بھی کوئی نوکر ہی تصور کرتے۔ نیلم نے اُسے کبھی اچھے لباس میں نہیں دیکھا تھا، لیکن وہ دُوسروں پر اپنی برتری ضرور قائم رکھتا تھا۔ اُس کے ساتھی اُس سے متنفر بھی رہتے۔ نیلم نے یہی محسوس کیا تھا لیکن اُس نے ابھی تک کسی کو بھی کھُلم کھُلا نفرت کا اظہار کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ راہداری سے گزر کر بڑے کمرے میں داخل ہوئی لیکن یہاں اندھیرا تھا اور اسی اندھیرے نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے تھے۔ وہ اُس کمرے میں روشنی کیے بغیر آگے بڑھ گئی، دُوسری راہداری بھی تاریک ہی ملی تھی کیا عمارت اس وقت بالکل خالی ہی ہے؟ اگر ایسا تھا تو یہ بات اس کے لیے قطعی غیر متوقع تھی کیونکہ اس سے پہلے کبھی عمارت خالی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اگر عمارت خالی ہی تھی تو صدر دروازہ کھُلا کیوں رہنے دیا گیا تھا؟ وہ آگے بڑھتی رہی۔ آخر ایک کھڑکی میں اُسے روشنی نظر آئی۔ اب وہ پنجوں کے بل چلنے لگی تھی کیونکہ حالات معمول کے مطابق نہیں تھے۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ رُک گئی۔ چونکہ اس کی پشت پر اندھیرا تھا، اس لیے وہ کھڑکی کے قریب رہ کر بھی اس کمرے کا جائزہ لے سکتی تھی، وہ سوچنے لگی کہ کیا یہ کوئی ایسی پرائیویٹ میٹنگ ہے جس میں اس کی شمولیت غیر ضروری تھی۔ اُس نے دیکھا کہ ان لوگوں میں وہ بُوڑھا بھی موجود ہے جسے وہ بابا کہتی تھی۔ اُسے ان لوگوں کے علاوہ جو اس عمارت میں رہتے تھے کچھ نئے چہرے بھی نظر آئے۔ بُوڑھا غصے میں بھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سُرخ تھیں اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ دفعتہً وہ گونجیلی آواز میں بولا۔ "تم لوگ خود ہی نالائق ہو نیلم کو الزام نہ دو۔"

"تم حد سے بڑھ جاتے ہو، بڑے میاں۔" ایک تیکھے نوجوان نے غصیلی آواز میں کہا۔ "کیا تم ہم پر حاکم ہو۔ اپنے الفاظ واپس لو۔ ورنہ میں آج تم سے نپٹ ہی لوں گا۔"

بوڑھا اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا لیکن کچھ نہ بولا۔ اِدھر نیلم کا ہاتھ پتلون کی جیب میں رینگ گیا اور اُس میں پڑے ہوئے اعشاریہ دو پانچ کے پستول پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

اُس نے آج سے پہلے کبھی بُوڑھے کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"میں اپنے الفاظ واپس نہیں لوں گا۔" بُوڑھا اُٹھتا ہوا بولا۔ اور پھر اس نوجوان کی طرف اُنگلی اُٹھا کر بولا۔ "خصوصیت سے تم بڑے نالائق ہو گدھے ہو۔"

نوجوان نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور کمرے کے وسط میں پہنچ گیا۔ بُوڑھا جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔

"میں تمہیں اس بدتمیزی کی سزا ضرور دُوں گا۔" وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

نیلم کی عقل مُعطل ہو گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان میں سے کوئی بُوڑھے سے اس طرح پیش آئے گا کیونکہ وہ ان پر بُوڑھے کی برتری محسوس کرنے کی عادی ہو چکی تھی۔ اُس نے آگے بڑھ کر دروازے پر ٹھوکر ماری اور دونوں پٹ کھُل گئے۔ اب اس کا ریوالور اس کے داہنے ہاتھ میں تھا اور اُس کی نالی اُس گستاخ نوجوان کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔

"ٹھہرو۔ گندے کیڑے!" وہ غرّائی۔ "تم میں اتنی جرأت کہ تم بابا کی شان میں گستاخی کر سکو۔ پیچھے ہٹو ورنہ گولی مار دُوں گی۔"

کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط ہو گئی۔ نوجوان کے قدم رُک گئے تھے اور وہ مُڑ کر نیلم کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"رُک گئے!" وہ دانت پیس کر بولی۔ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ بُوڑھے نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "نیلم اسے جیب میں رکھ لو اور یہاں سے چلی جاؤ۔"

"کیا تم اس بدتمیزی کو برداشت کر لو گے بابا!"

"نہیں۔ لیکن تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ جاؤ۔" بوڑھے کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

نیلم نے ایک جھُرجھُری سی لی اور پستول جیب میں ڈال لیا۔ بُوڑھے نے کبھی اتنے سرد لہجے میں اُس سے گفتگو نہیں کی تھی، وہ چُپ چاپ دروازے کی طرف مُڑی اور باہر آ کر بہ آہستگی دروازہ بند کر دیا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ کھڑکی سے بھی نہ جھانکتی۔ ایک بار وہ پھر پہلے ہی طرح کھڑکی کے شیشوں سے کمرے کے اندر کا جائزہ لے رہی تھی۔ بات بڑھ گئی تھی۔ اُس نے سوچا ممکن ہے بُوڑھے کو اس کی مدد کی ضرورت ہو کیونکہ وہ سبھی اُس سے نفرت کرتے تھے۔

"ہاں آؤ۔ مجھے میری بدتمیزی کی سزا دو۔ اگر تم مجھے سزا دے سکے تو میں تمہاری سربراہی سے دستبردار ہو جاؤں گا۔"

بوڑھے نے کہا۔
"تم ہمارے سربراہ کب ہو؟" نوجوان نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔ "ہمارا سربراہ وہ ہے جس سے ہمیں احکامات ملتے ہیں۔"
"تمہارا سربراہ ڈرجن ہے۔" بوڑھا نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن اُسے گھٹنوں کے بل چلنا میں نے ہی سکھایا تھا اور تم۔۔ کیا تمہیں اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ میری عقل تمہاری بھی رہنمائی کرتی ہے۔"
دفعتاً ایک آدمی نے کھڑے ہو کر نوجوان سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔ تم نے یہ کیا بے ہودگی پھیلائی ہے!"
"تم خاموش رہو۔ میں کسی کی بھی چودھراہٹ نہیں برداشت کر سکتا۔"
دفعتاً بوڑھا آگے بڑھا اور قبل اس کے کہ نوجوان کا ہاتھ اُس پر اُٹھتا کمرہ "چٹاخ" کی آواز سے گونج اُٹھا۔ نوجوان لڑکھڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں پر جا پڑا۔ بوڑھے کا تھپّڑ اس کے بائیں گال پر پڑا تھا۔ وہ خود سے نہ سنبھل سکا۔ دو آدمیوں نے سہارا دے کر اُسے کھڑا کرنا چاہا لیکن اُس کا جسم گندھے ہوئے آٹے کے رول کی طرح دُہرا ہو گیا۔ وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسے اُس کے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔ اس کی بائیں آنکھ گوشت کا لوتھڑا معلوم ہونے لگی تھی۔ خون میں ڈوبا ہوا گوشت کا لوتھڑا۔ آخر اُسے زمین پر ڈال دیا گیا۔
بوڑھا اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارا کیس کرنل فریدی سے لے لیا گیا ہے۔ غالباً وہ کسی اور کو سونپ دیا جائے گا لہٰذا اب فی الحال تم لوگ ان دونوں کا پیچھا چھوڑ دو۔ تم دیکھ چکے ہو کہ وہ کتنے چالاک ہیں۔ اگر یہاں سے بغیر چھیڑے اپنا کام کرتے رہیں تو بہتر ہے ویسے میرا دعویٰ ہے کہ کرنل فریدی نیلم گڑھ سے اس وقت تک واپس نہیں جا سکتا جب تک کہ ہرمین کا سراغ نہ پالے اور سبھی جانتے ہیں کہ ہرمین تک پہنچ جانا آسان کام نہ ہو گا۔ اِس لیے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم بڑی آسانی سے اس پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کا وجود ہمارے لیے خطرناک ہے۔ وہ ضد پر آ جاتا ہے تو سب کچھ کر گزرتا ہے، دُنیا کی کوئی طاقت اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔"
"اوہ۔۔۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے۔" کسی نے کہا۔
"میں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی۔" بوڑھا غرّایا۔
"جہنم میں گئی تمہاری بات۔" ایک آدمی اپنی جگہ سے اُٹھ کر فرش پر پڑے ہوئے آدمی کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ پھر یک بیک پاگلوں کی طرح چیخ اُٹھا۔ "ارے۔۔۔ یہ دم توڑ رہا ہے۔"
"شٹ اَپ۔" بوڑھا آپے سے باہر ہو گیا۔ "اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔"
"یہ سچ مچ مر رہا ہے۔"
"مرنے دو، میں اس لیے تھپّڑ نہیں مارتا کہ مار کھانے والا تھوڑی دیر بعد مجھ سے معافی مانگ لے۔"
نیلم لرز گئی۔ اس کی سانس تیزی سے چلنے لگی تھی، اس نے بوڑھے کو کبھی اس رنگ میں نہیں دیکھا تھا۔
"چلو۔۔۔ بیٹھو اور اگر تم بھی اس کا ساتھ دینا چاہتے ہو تو میں تمہاری یہ خواہش پوری کر سکتا ہوں۔"
"یہ نہیں برداشت کیا جا سکتا۔" سب نے بیک وقت کہا۔
"پھر۔ تم میرا کیا کر لو گے؟"
"یہ مر گیا ہے۔" کئی آدمی بیک وقت چیخے۔
"میں کب کہتا ہوں کہ نہیں مرا۔ میرا تھپّڑ ایسا ہی ہوتا ہے گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ چلو بیٹھو اپنی جگہوں پر اگر اس بغاوت اور دیدہ دلیری کی خبر ڈرجن کو ہو گئی تو وہ ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں اس کے مقابلے میں زیادہ رحم دل ہوں۔"
نیلم نے دیکھا کہ وہ سب خاموشی سے اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے اور نوجوان کی لاش وہیں پڑی رہی۔ مرنے سے پہلے اُسے خون کی بڑی سی قے ہوئی تھی۔
"فولادی۔" فریدی نے کہا اور ٹہلتے ٹہلتے رُک گیا۔ "ایک حیرت انگیز ایجاد ہے لیکن کیا اسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ہرمین کے ارادے نیک ہی ہوں گے؟"
"میں بڑا گدھا ہوں کہ میں نے ہی اُسے اب تک نہیں دیکھا۔" حمید بولا۔
"میں لڑ جاؤں سالے سے کُشتی۔" قاسم نے سوال کیا۔
"ٹانگیں چیر کر پھینک دے گا۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔"
"میں کیا اُس سے کمزور ہوں؟"
"ابے وہ لوہے کا ہے۔ ہاتھی کے ہم زلف۔" حمید نے خواہ مخواہ دانت پیس کر کہا۔
"تم خود ہاتھی کے ہم جفل جلفت۔ فلج۔۔۔ ہو گا۔ کچھ اس کی ایسی کی تیسی۔ دیکھیے کرنل صاحب منع کر لیجیے۔"
"قاسم۔ تم اس کے ساتھ آئے کیوں تھے؟"
"ارے اَلّا قسم۔۔۔ میں بالکل الگ آیا تھا۔ بس یہاں ملاقات۔۔۔ تات ہو گئی۔"
"لیکن کیا یہ ضروری تھا کہ تم بھی نشاط ہی میں ٹھہرتے؟"
"میں ہمیشہ یہیں ٹھہرتا ہوں۔۔۔ قرنل۔۔۔ کرنل صاحب۔"
"میں صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ تم ہم لوگوں سے دُور ہی دُور رہو ورنہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ تمہیں بھی ہم ہی سے متعلق سمجھ کر کوئی نقصان پہنچا دیں۔"
"مجھے کیا نقصان پہنچائیں گے؛ میں صاف صاف کہہ دُوں گا کہ میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"
"بے شرم کہیں کے۔" حمید غرّایا۔ "تم یہ کیسے کہہ سکو گے؟"
"بے شرم کیوں۔۔۔؟۔۔۔ ارے واہ۔" قاسم ہاتھ نچا کر عورتوں کے سے انداز میں بولا۔ "کیا میں تمہاری جورو ہوں۔"
"شاید تم اس وقت تنہائی چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔
"جی ہاں۔" قاسم نے کچھ سمجھے بوجھے بغیر جواب دیا۔
"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"
"یہ۔۔۔ بات۔۔۔ یہ ہے۔"
"کوئی بات نہیں ہے۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔
"بہت اچھا!" قاسم ایک جھٹکے کے ساتھ اُٹھا اور غصیلے انداز میں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔
کچھ دیر بعد خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "پچھلی رات میں نے فولادی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ کوئی آہن پوش آدمی ہے۔"
"پھر وہ کیسے دیکھتا! بولتا اور سُنتا ہے۔"
"پہلے تم اُسے کم از کم ایک بار دیکھ لو پھر میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"
دفعتاً حمید کی نظر دروازے کی طرف اُٹھ گئی، ادھر فریدی کی پُشت تھی لہٰذا وہ قاسم کو نہ دیکھ سکا جو راہداری میں کھڑا حمید کو گھونسا دکھا رہا تھا۔ حمید کو بیساختہ ہنسی آ گئی کیونکہ قاسم گھونسا دکھانے کے ساتھ ہی طرح طرح کے منہ بنا کر آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ حمید کو ہنستے دیکھ کر فریدی بھی مُڑا۔ قاسم بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ میں گھونسا اُٹھا رہ گیا، آنکھیں بند ہو گئیں اور زبان نکل پڑی۔
"یہ کیا ہو گیا ہے اسے؟" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔
"کچھ نہیں اس کی شامت آنے والی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں رات کو اسے پلا کر کسی نائٹ کلب میں چھوڑ آؤں، پھر دُوسرے دن صبح آپ وہاں جا کر اس کی لاش کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔"
دُوسرے ہی لمحے قاسم دھڑ دھڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔
"تم غارت ہو جاؤ گے۔" وہ حمید کی طرف اُنگلی اُٹھا کر دہاڑا۔
"اللہ نے چاہا تو کیڑے پڑیں گے، دُھواں اُٹھے گا تمہاری قبر سے۔"
"کیا لغویت پھیلائی ہے؟" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔
"آپ نہ بولیے۔ وہ سالی مجھ کو کہتی ہے۔۔۔ ملو ماموں جان۔۔۔ ملو ماموں جان۔"
"کیا بک رہے ہو؟" فریدی بگڑ گیا۔
"اپنی کسی بھانجی کو سالی کہہ رہا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔
"تم خود۔۔۔ بھانجی۔۔۔ اغ۔۔۔ اُلّو۔۔۔ کی بھانجی۔۔۔ سسس۔۔۔ مرد۔۔۔ اچھا نکلنا باہر۔" قاسم آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ عقل کھوپڑی کے اُوپر لہرا رہی تھی، جو کچھ وہ کہنا چاہتا تھا غصّے کی زیادتی کی وجہ سے نہ کہہ سکا اور حمید کو گھونسا دکھاتا ہوا باہر چلا گیا۔
"بھئی میں تم سے عاجز آ گیا ہوں۔" فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تمہارے ملنے والے بھی میرے لیے وبالِ جان بن جاتے ہیں۔ آخر یہ کیا بک رہا تھا؟"
"ارے۔۔۔ وہ کچھ نہیں تھا۔" حمید ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ "پچھلی رات ایک یوریشین لڑکی سے اس کا تعارف کرایا تھا، نام ماموں جان بتایا۔ اس وقت یہ اُلّو کا پٹھا ہی ہی کر رہا تھا۔"
"میں سب سُن رہا ہوں۔" راہداری سے آواز آئی اور قاسم سامنے آ کر بولا۔ "تم خود اُلّو کے پٹھے تمہاری سات پشتیں اُلّو کی پٹھیاں۔ اب تم باہر نکلو۔ تمہاری چٹنی نہ بنائی تو کچھ نہ کیا۔"
فریدی ہنسنے لگا۔ حمید تو پہلے ہی سے ہنس رہا تھا۔
قاسم بڑبڑاتا ہوا چلا گیا، اس بار حمید بھی اُٹھا۔
"بیٹھو۔ بہت زیادہ چھیڑنا بھی گراں گزرنے لگتا ہے۔"
"میں کہیں نہیں جا رہا ہوں۔ دیکھوں وہ ہے یا چلا گیا ہے۔"
حمید دروازے تک گیا اور راہداری میں جھانک کر پھر واپس آ گیا۔
"چلا گیا۔"
"ختم کرو۔" فریدی بیزاری سے بولا۔
کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش بیٹھے رہے پھر فریدی بولا۔
"ہرمین کا مسئلہ اب کچھ دقت طلب ہو گیا ہے۔"
"کیوں؟"
"پہلے جب ریسیونگ سیٹ پر اس کی آواز سنتے تھے اس کا انٹینا شمال کی طرف اشارہ کرتا تھا اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ نیلم گڑھ

ہمارے یہاں سے شمال کی طرف پڑتا ہے۔ بہرحال جب میں نے اس کا وہ اعلان سُنا کہ وہ نیکم گڑھ والوں کے لیے اپنی کوئی ایجاد پیش کرنے والا ہے تو میں نے اِن ماہرین کو نیکم گڑھ طلب کیا تھا جو اس کیس میں میرے ساتھ کام کر رہے تھے، یہاں وہ اس کی نشرگاہ کی سمت معلوم کر لیتے مگر اب اس نے دُوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ اب اس طرح اُس کے پیغامات نہیں سُنیں جا سکیں گے جس طرح پہلے سُنے جاتے تھے، لہٰذا اب میں نہیں کہہ سکتا کہ ماہرین نشرگاہ کی سمت معلوم کر سکیں گے یا نہیں؟"

"مجھے آج ہی معلوم ہُوا ہے کہ آپ کے ساتھ کچھ ماہرین بھی کام کر رہے تھے۔"

"بھلا اس کے بغیر کیسے کام چلتا؟"

"بہرحال اب پھر کیا ہوگا؟ اب تو آپ اسٹیتھوسکوپ کے بغیر اس کی آواز نہ سُن سکیں گے۔"

"یہی تو مشکل ہے۔"

"لیکن کیوں نہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے' اس کا وعدہ ہے کہ وہ کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کرے گا اور اب تو وہ ہماری نشریات میں بھی دخل انداز نہیں ہوگا۔"

"لیکن وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے قطعی غیر قانونی ہے۔ حکومت کی اجازت حاصل کیے بغیر اس قسم کے کام نہیں لیے جا سکتے اور پھر وہ ہمارے لیے خطرہ بھی بن سکتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ فی الحال تو ہم اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پائپ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ کر دوبارہ تمباکو بھری۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر پائپ سُلگا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اسمگلروں والا کیس اس طرح نہ چھوڑیے۔"

"آرڈر۔ آرڈر ہے۔ مَیں اس کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں۔"

"میں سچ کہتا ہُوں کہ اب سارا کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے وہ لڑکی نیلم ایک اچھی مددگار ثابت ہوگی۔"

"حمید صاحب! اگر وہ سارے اسمگلر پکڑ لیے گئے تب بھی مَیں اُسے ایک ناکام ہی کیس سمجھوں گا۔"

"کیوں؟"

"اس آدمی کے خلاف ثبوت مہیّا کرنا بڑا مشکل کام ہوگا جس کی سرپرستی میں اسمگلنگ ہوتی ہے۔ شاید اِن اسمگلروں کو بھی نہ معلوم ہو کہ وہ کون ہے؟"

"تو وہ اسی طرح ہمیشہ آزاد رہے گا۔"

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کبھی نہ کبھی مَیں اُسے گرفت میں لے ہی لُوں لیکن فوری طور پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے بڑی محنت کرنی پڑے گی۔"

"تو وہ لڑکی۔۔۔ کار آمد نہیں ہو سکے گی۔"

"اگر وہ لڑکی ہے تو تمہارے لیے ضرور کار آمد ثابت ہوگی۔" فریدی نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

"آپ خواہ مخواہ بات کو ٹوئیسٹ کر رہے ہیں! میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہُوں۔"

"مَیں بھی سنجیدہ ہُوں۔" فریدی نے بے پروائی سے کہا اور بُجھا ہُوا سگار سلگانے لگا۔

"مَیں کل نیکم گڑھ سے جا رہا ہُوں۔"

"یہ ناممکن ہے کیونکہ اب تم ہیروئن والا کیس اسسٹ کر رہے ہو۔"

"مجھے اس کے لیے تحریری حکم نامہ نہیں مِلا۔"

"اچھی بات ہے تم اسی وقت دفع ہو جاؤ۔ مَیں تمہارے بجائے امر سنگھ سے کام لُوں گا۔"

"ضرور۔" حمید کا مُوڈ بگڑ گیا اور وہ اُٹھنے لگا۔

"مَیں جانتا ہُوں کہ تم کل گھاٹم پور کے میلے میں جانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں کبھی اس کا مشورہ نہیں دُوں گا۔"

"آپ کا خیال بالکل دُرست ہے۔ مَیں کل یقینی طور پر گھاٹم پور جاؤں گا۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ اِن اسمگلروں نے تمہیں مار ڈالنے کا خیال ترک کر دیا ہوگا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ لڑکی۔۔۔"

"لڑکی کی بات نہ کیجیے۔ مَیں صرف کیس کی حد تک اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔"

"تم بہت شریف ہو۔" فریدی مُسکرایا۔

"کاش کسی لڑکی کے والد نے بھی کبھی یہ سوچا ہوتا!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی، کچھ دیر تک مُنہ بنائے رہا پھر بولا۔ "کبھی کبھی مجھے اپنی زندگی کی ویرانی کا بہت شدت سے احساس ہوتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دُنیا کو ویران کر دُوں۔"

"یہ بڑی اچھی علامت ہے اگر جنسی بھُوک اس راستے پر لگ جائے تو آدمی کو ہٹلر اور نیرو بنا دیتی ہے۔ شاید اسی لیے تم آج کل اتنے بے جگر ہو رہے ہو۔"

حمید اُٹھ کر باہر چلا آیا۔ وہ دراصل کوفت میں مُبتلا ہو گیا تھا، اسمگلروں کے کیس میں اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ عین اس وقت جب کہ اُسے کامیابی کا یقین ہو گیا تھا۔ اس

کی توقعات پر اوس پڑ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس اسٹیج پر ایسے غیر متوقع حالات پیدا ہو جائیں گے حمید کی یادداشت میں شاذ و نادر ہی اس کے پاس ایسے کیس آئے تھے جن میں اس نے حقیقتاً دلچسپی لی۔ یہ کیس بھی انہی کی فہرست میں آ سکتا تھا مگر اس کا جو انجام ہُوا اس کے حوصلے پست کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ ان لوگوں سے انتقام بھی تو نہ لے سکا جنہوں نے چار بار اس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔ ویسے حمید کو فریدی سے توقع نہیں تھی کہ وہ ان لوگوں کا پیچھا چھوڑ دے گا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی کیسوں میں تفتیش کے دوران اعلیٰ حکّام کی طرف سے رخنہ اندازی ہو چکی تھی لیکن وہ حقیقتاً ان کیسوں سے دستکش نہیں ہُوا تھا۔ پھر بعد کو حکّام نے خود ہی اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی لیکن اس کیس میں خود فریدی ہی نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس دن پھر وہ فریدی سے نہیں مِلا اور دُوسری صبح وہ گھاٹم پور کے لیے روانہ ہو گیا، یہ مقام نیکم گڑھ سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔

لوگ جوق در جوق گھاٹم پور کی طرف جا رہے تھے ان میں ٹورسٹ بھی تھے اور مقامی لوگ بھی۔

حمید نے اپنے چہرے میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں کی تھی صرف ایک جوڑ گھنی مونچھ کا اضافہ کیا تھا تاکہ قاسم سے محفوظ رہ سکے۔ قاسم آج کل ضرورت سے زیادہ خرد ماغ ثابت ہو رہا تھا۔ اُسے علم تھا کہ قاسم بھی میلے کے لیے تیاریاں کر رہا تھا۔

چھوٹی چھوٹی ٹولیاں گھاٹم پور کی طرف چل پڑی تھیں۔ مطلع صبح ہی سے ابر آلود تھا اور تھوڑی دیر بعد ہلکی ہلکی سی پھواریں سی اُڑنے لگی تھیں۔ مقامی لوگ عام طور پر پیدل ہی نظر آ رہے تھے۔ ٹورسٹ خچروں، ٹٹوؤں اور ڈانڈیوں پر سفر کر رہے تھے، یہاں سے گھاٹم پور تک کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی۔ اس لیے کاریں اور جیپیں وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ نشاط کے ٹورسٹ ایک ساتھ روانہ ہوئے تھے۔۔۔ کیونکہ ان کے لیے ہوٹل ہی کی طرف سے سواریوں کا انتظام کیا گیا تھا لیکن قاسم بے چارہ پیدل ہی چل رہا تھا کیونکہ خچر یا ٹٹو اپنی نسل میں ابھی تک کوئی قاسم نہیں پیدا کر سکے تھے۔ وہ چل تو رہا تھا مگر اس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی پہاڑ کی چوٹی سی ایک بہت بڑا پتھر لڑھکا دیا گیا ہو۔

حمید اُس سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ ہنسی کے مارے اس کے پیٹ میں بل پڑے جا رہے تھے۔ دل چاہتا تھا کہ اپنی مصنوعی مونچھیں اُکھاڑ پھینکے اور قاسم سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دے۔

لوگ اُسے دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے اور قاسم نیچے سے اُوپر تک چقندر ہو رہا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ ایک ایک کی ہڈیاں توڑ تاڑ کر رکھ دیتا۔ ہنسنے والوں میں لڑکیاں پیش پیش تھیں اور ان میں وہ یوریشین لڑکی بھی تھی جو قاسم کو ماموں جان کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ ایک بار اس کا ٹٹو قاسم کے ساتھ چلنے لگا۔

"ہلو ماموں جان۔۔۔" اس نے اُسے مخاطب کیا۔

لیکن قاسم مُنہ پھُلا کر دُوسری طرف دیکھنے لگا، انداز رُوٹھ جانے کا سا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ٹٹو سے اُتر کر اُسے منا لے گی۔

"ماموں جان۔ اگر تم تھک گئے ہو تو برانڈی پیش کروں۔" لڑکی نے پھر کہا: "مگر تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ وہ تو تمہاری طرح غصیلا نہیں ہے۔"

"اس سالے کی ایسی کی تیسی۔" قاسم یک بیک اردو میں دہاڑا۔

"مَیں نہیں سمجھی کہ تم نے کیا کہا ہے؟" لڑکی نے کہا اور قاسم اس سالے کی ایسی کی تیسی کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ "سالے" کا ترجمہ "برادران لا" کیا لیکن "ایسی کی تیسی" میں ایسی گاڑی پھنسی کہ قاسم کافی دیر تک ہکلاتا رہا۔

"پتا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہُوں۔" قاسم نے جھلا کر اردو میں کہا۔ "کہ خدا کرے تمہیں ٹی، بی ہو جائے، جس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہو۔ اللہ کرے اُس سالے کی زبان سڑ جائے، میرا باپ بھی سالا مجھے ماموں جان نہیں کہہ سکتا۔ خُون پی جاؤں گا۔"

"پتا نہیں تم کیا بک رہے ہو؟" لڑکی نے کہا اور اپنا ٹٹو آگے نکال لے گئی۔

✻ ہزاروں قہقہے حمید کے حلق میں پھُوٹ پھُوٹ کر رہ رہے تھے۔ اس بے بسی کی وجہ یہ تھی کہ حمید خود کو قاسم سے بالکل ہی بے تعلق رکھنا چاہتا تھا۔

اچانک ایک جگہ نیلم دکھائی دی جو خاکی پتلون اور کھتئی جیکٹ میں ملبوس تھی۔ قاسم کو دیکھ کر وہ اپنے خچر سے اُتر پڑی۔

"وہ تمہارا دوست کہاں ہے؟" اُس نے چھُوٹتے ہی قاسم سے سوال کیا اور قاسم کا مُوڈ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گیا۔

"مر گیا۔" وہ غرّایا۔

"کیا مطلب؟"

"مَیں نہیں جانتا مطلب وطلب۔" قاسم نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"میں کیپٹن حمید کے متعلق پوچھ رہی ہوں"
"کیا میں جیب میں لیے پھرتا ہوں اُسے ہوگا کہیں میں کیا ... کیا ... جانوں ؟"

حمید اس وقت بھی ان کے قریب ہی تھا۔ اُسے تشویش ہوگئی کہ آخر وہ اُسے کیوں پوچھ رہی ہے ؟

"تم ہوش میں ہو یا نہیں ؟ موٹے آدمی میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔ تم دونوں نے اس رات میرے ساتھ فراڈ کرنے کی کوشش کی تھی"

پولیس کے نام پر قاسم بغلیں جھانکنے لگا۔

"میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے میرے گھر پہنچا دے۔ لیکن راستے میں اس کے آدمیوں نے ٹیکسی گھیر لی اور وہ خود ٹیکسی سے اتر گیا۔ پھر اگر ڈرائیور اپنے حواس بجا نہ رکھتا تو میں غائب ہی ہوگئی ہوتی۔"

اب حمید نے غور کیا تو ان کے گرد اور بھی کئی آدمی نظر آئے جن میں ایک تو یقینی طور پر پہچانا جا سکتا تھا کیونکہ نائٹ کلب والے ہنگامے میں بھی وہ شریک تھا۔ حمید نے سوچا ممکن ہے اب اُس نے اِن لوگوں کو اپنی طرف سے مطمئن کر دینے کے لیے یہ جال بچھایا ہو، اس کی بے پناہ صلاحیتوں کا اندازہ اُسے پہلے ہی ہو چکا تھا۔

قاسم اور نیلم میں تکرار ہوتی رہی، معلوم نہیں کیوں قاسم اس وقت حمید کا پارٹ لے رہا تھا ؟

"اچھی بات ہے" نیلم آخر کار بولی۔ "میں تم لوگوں سے سمجھ لوں گی"

"اسے ... میں کچھ نہیں جانتا" قاسم پاگلوں کی طرح اپنے ہاتھ ہلانے لگا "وہ تمہیں نشاط میں ملے گا۔"

نیلم پھر خچر پر بیٹھ کر آگے بڑھ گئی۔ حمید نے بھی اپنا خچر آگے بڑھایا اور اِن لوگوں کی ٹولی سے نکل گیا جو نشاط سے روانہ ہوئے تھے۔

قاسم پیچھے رہ گیا۔

"تم اُلّو بنانے میں بہت تیز ہو نیلم" اُس کے ساتھیوں میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"کیوں میں نے کسے اُلّو بنایا ہے ؟"

"کیا وہ فولادی آدمی والی کہانی صحیح تھی ؟"

"حرف بحرف" نیلم نے جواب دیا۔

"تم اس سے ڈری نہیں تھیں"

"میں ایک فرہاد کے ڈھانچے سے ڈروں گی۔ کہیں



تم بھنگ تو نہیں پی گئے ؟"

"نہیں۔ نہیں" دوسرا بولا۔ "تم تو رستم کی نواسی ہو"

"تم تو بات ہی نہ کیا کرو۔ ذرا ان کی شکل دیکھنا۔ یہ بھی مردوں میں بول لیتے ہیں"

دوسرے ہنس پڑے اور وہ بُرا سا مُنہ بنا کر خاموش ہوگیا۔ پھر خود بھی ہنسنے لگا۔

نیلم نے گردن اکڑا کر کہا۔ "میں اُس کی شاگرد ہوں جس کا ایک تھپیڑا لوگوں کی گردنیں توڑ دیتا ہے"

"کیا تمہیں اس پر افسوس نہیں ہوا تھا نیلم" ایک نے کہا۔

"افسوس ہوا تھا۔ مگر وہ بھی تو حد سے بڑھ گیا تھا، تم میں سے کون ایسا ہے جس پر پاپا کے احسانات نہ ہوں"

"ہاں ... آں ... مگر اتنی سخت سزا۔ میں کہتا ہوں کہ اب تمہارے پاپا کا ذہنی توازن بگڑنے لگا ہے اور عنقریب انہیں کوئی بہت بُرا دن دیکھنا پڑے گا"

"بُرے دن تو تم سبھوں کے لیے ہیں"

"ٹھیک ہے۔ ہم ہر وقت قانون کی زد پر رہتے ہیں لیکن اگر ہم میں سے کسی کا ہاتھ اُن پر اُٹھ گیا تو بعد میں ہمیں بھی افسوس ہوگا۔ لہٰذا تم اُنہیں سمجھاؤ"

"یوں تو میں سبھوں کو سمجھاتی ہی رہتی ہوں"

"دیکھا" ایک آدمی چہک کر بولا۔ "اسے لکھ لو کہ یہ پولیس سے مل گئی ہے۔ بوڑھے کو یقین ہی نہیں آتا"

"فضول بکواس مت کرو" اس آدمی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا میں تمہیں اس بدتمیزی کا مزا چکھا دوں ؟" نیلم نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"دیکھو! تم میرے سر نہ چڑھنا! میں نے آج تک کسی عورت کا احترام نہیں کیا۔ میری ماں مجھے اتنے بُرے الفاظ میں یاد کرتی تھی کہ خود اُس کا کیریکٹر مشکوک ہو جاتا تھا" اس آدمی نے کہا۔

"میں الفاظ نہیں جوتے استعمال کر رہی ہوں۔ تمہاری ماں کے بازوؤں میں سکت نہ رہی ہوگی"

"بھئی نیلم۔ خدا کے لیے یہاں راستے میں کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کر دینا" دوسرے آدمی نے کہا۔ "تم تو عقل استعمال کیا کرو"

"نہیں اسے ہنگامہ کرنے دو۔ نہ میں بوڑھے سے ڈرتا ہوں نہ اسے کچھ سمجھتا ہوں"

"خاموش بھی رہو"

نیلم خاموش ہوگئی۔ وہ آدمی بھی چپ ہو گیا لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔ حمید کی سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ لڑکی کس قسم کی ہے اور اپنے ساتھیوں میں اس کی پوزیشن کیا ہے ؟

پہاڑیاں خچروں کے ٹاپوں سے گونجتی رہیں۔ کہیں کہیں بادل پھٹ گئے تھے، نیلے آسمان کی جھلکیاں بڑی دلکش معلوم ہو رہی تھیں۔ پہاڑیاں عورتوں کی ایک ٹولی گاتی ہوئی قریب سے گزر گئی۔ حمید نے اپنا خچر روک لیا تھا۔ وہ بھدی اور بے ہنگم عورتیں تھیں لیکن وہ اس وقت فطرت سے اتنی ہم آہنگ نظر آرہی تھیں کہ حمید انہیں دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ صد ہا سال پُرانی دُنیا میں سانس لے رہا ہو، وہ بھول جانا چاہتا تھا کہ بیسویں صدی کا آدمی ہے۔ کتنا سکون تھا۔ اِن پہاڑی عورتوں کے چہرے پر کتنی زندگی تھی ان کی آوازیں ... ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے وہ اساطیری چشمہ حیوان کا پانی پی کر اَمر ہوگئی ہوں۔ حمید کافی دیر تک وہیں کھڑا لوگوں کو گزرتے دیکھتا رہا، پھر جب قاسم لڑھکتا ہوا قریب آگیا تو وہ بھی خچر سے اُتر پڑا اور دفعتًہ اُسے ایک نئی شرارت سوجھی، اُس نے ہاتھ اُٹھا کر بڑے ادب سے قاسم کو سلام کیا۔

"وعلیکم سلام" قاسم نے گڑبڑا کر جواب دیا اور خوامخواہ دانت نکال دیے۔

حمید نے اپنی آواز بدل کر کہا۔ "بڑے خوش نصیب ہیں جناب"

"قیوں ؟" قاسم چلتے چلتے رُک گیا۔

"وہ پتلون والی لڑکی جو ابھی آپ سے جھگڑا کر رہی تھی نا ..."

"ہاں۔ ہاں" قاسم نے پھاڑ سا مُنہ کھول کر سر ہلا دیا۔

"وہ آپ کے متعلق بڑی اچھی رائے رکھتی ہے چلتے رہیے۔ میں بھی اب پیدل چلوں گا"

"ضرور۔ ضرور۔ جی ہاں۔ مم۔ مگر اچھی رائے۔ ہی ہی ہی سبب" یک بیک قاسم نے "ہی ہی" میں بریک لگا دیا۔

"وہ بھی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی تھی کہ آپ اُسے بہت اچھے لگتے ہیں"

"نا ئیں" قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ چلتے چلتے رُک گیا۔

"ہاں جناب۔ مجھے آپ کی قسمت پر رشک آتا ہے

اور میں سوچ رہا ہوں کاش میں بھی آپ ہی کی طرح طیم شحیم ہوتا۔"

"ارے... نہیں... میں... کیا... ہی ہی ہی۔"

"نہیں جناب۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وقت اُس دیوزاد کو دیکھتی رہوں۔"

"الاّ قسم۔" قاسم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"یقین نہ ہو تو اُسی سے پوچھ لیجیے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ آپ اس قابل ہی نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟" قاسم کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

"مطلب کچھ بھی نہیں ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی عورت کسی ایسے آدمی سے خوش رہ سکتی ہے جو اس کا مزاج نہ پہچانتا ہو۔"

"واہ میں ہمیشہ سلام کے بغیر مزاج شریف پوچھتا ہوں۔"

"لیکن وہ آپ سے جھگڑا کیوں کر رہی تھی۔"

"اوہ... وہ میرا ایک دوست ہے نا حمید، اُس نے اس لڑکی پہ... اُوہ لڑکی سے مذاخ... مذاخ... مذاق کیا تھا؟ اسی پہ وہ اِتنی گرم ہو رہی تھی۔"

"کچھ بھی ہو۔ آپ اس موقع سے ضرور فائدہ اُٹھایئے۔ کیونکہ وہ آپ سے جھگڑنے کے بعد آپ کی تعریف کر رہی تھی۔"

"کا سے... فائدہ... اُٹھاؤں؟"

"اس سے قریب رہنے کی کوشش کیجیے اور ہمیشہ کہتے رہیے کہ آپ کو اُس سے عشق ہو گیا ہے۔"

"ارے باپ۔" قاسم نے کچھ اس طرح مُنہ بنا کر پیٹ پکڑ لیا جیسے بدہضمی ہو گئی ہو۔

"کیوں... کیوں؟"

"اگر... خفا... خفا... ہو گئی تو کیا ہو گا؟"

"تو کیا ہو گا؟" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آپ بھی بڑے وہی معلوم ہوتے ہیں۔ ارے محبوب کا خفا ہونا ہی تو اچھا لگتا ہے۔"

قاسم مُنہ پھیلانے لگا۔ وہ دونوں پھر چلنے لگے تھے۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے وہ گھاٹم پور پہنچ گئے۔ حمید نے محسوس کیا کہ یہ ویسے بھی ایک اچھی تفریح گاہ ہے۔ پہاڑیاں سبزے سے ڈھکی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان ایک چھوٹی سی جھیل بالکل ایسی ہی لگ رہی تھی جیسے زمرد کے ڈھیر میں ایک ہیرا پڑا جگمگا رہا ہو۔

جھیل کے چاروں طرف لکڑی کے کیبن نظر آ رہے تھے، اُن میں کچھ تو دُکانوں کی حیثیت رکھتے تھے اور کچھ رہائشی تھے۔ رہائشی کیبن دراصل نیکم گڑھ کے بڑے ہوٹلوں کی طرف سے اِس لیے مہیا کیے گئے تھے کہ سیاحوں کو تکلیف نہ ہو مگر ان سے وہی سیاح فائدہ اُٹھا سکتے تھے جو ان ہوٹلوں میں مقیم رہے ہوں۔ میلہ اس وقت بھی شباب پہ تھا اور اس مزار کے گرد تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی جس کے عُرس کے سلسلے میں یہ میلہ ہُوا کرتا تھا۔ عورتیں گا رہی تھیں، ڈھول پیٹے جا رہے تھے اور اکثر لوگ سیاہ رنگ کے جھنڈے اُٹھائے ہُوئے رقص کرتے ہُوئے مزار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مشرق کی طرف ڈھلان میں لاتعداد دُکانیں پھیلی ہُوئی تھیں، یہ یا تو لکڑی کے فریم پر کینوس منڈھ کر بنائی گئی تھیں یا ان میں صرف لکڑی استعمال ہُوئی تھی۔ اس میلے کی تیاریاں تقریباً چھ ماہ پہلے سے شروع ہُوئی تھیں اور میلہ تیرہ دن تک جاری رہتا تھا۔ کبھی کبھی بارہویں دن بھی ختم ہو جاتا تھا۔ دراصل میلے کا اختتام پہلی چاند رات کو ہوتا تھا، لہٰذا شروع ہونے کی تاریخ سے اکثر ایک دن کا فرق بھی ہو جاتا تھا لیکن اس فرق کو مقامی باشندے یا مزار والے پیر کے معتقدین بدشگونی تصوّر کرتے تھے جس سال بھی توقع ہوتی کہ چاند مہینے کے اُنتیسویں دن دکھائی دے گا۔ اُس سال بھی میلہ لگتا ہی تھا لیکن ان لوگوں میں بڑی بے دلی پائی جاتی تھی جو حقیقتاً میلے کے رُوحِ رواں ہوتے تھے۔ گیت فضا میں لہراتے لیکن اِن میں زندگی نہ ہوتی، کالے جھنڈے اُٹھا کر ناچنے والے ناچتے مگر ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی کوڑے مار مار کر انہیں ناچنے پر مجبور کر رہا ہو۔ چہل پہل میں بے ساختگی نہ ہوتی اور مزار پر شہنائیاں بجانے والے صبح سے شام تک درد بھرے گیت فضاؤں میں بکھیرتے رہتے۔

اس سال تو میلے میں بڑی زندگی تھی، کیونکہ پچھلا چاند اُنتیس کا ہو چکا تھا۔ لہٰذا توقع تھی کہ میلے کا اختتام تیسویں کے چاند پہ ہو گا۔

حمید اپنا خچر اس سمت لیتا چلا گیا جہاں نشاط کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔ منتظم کو وہ کارڈ دیا جو اسے روانگی کے وقت نشاط سے ملا تھا، اُسے فوراً ہی ایک کیبن میں پہنچا دیا گیا۔ کیبن اتنا ہی بڑا تھا کہ اس میں ایک پلنگ ایک چھوٹی سی میز اور دو کرسیاں آ سکیں لیکن اس کی سچویشن بڑی شاندار تھی، یہ جھیل پر جھکی ہُوئی ایک مسطح چٹان پہ واقع تھی اور کچھ دیر تک پانی میں دیکھتے رہنے پر ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ کوئی ہاؤس بوٹ ہو۔

حمید کوٹ اُتار ہی رہا تھا کہ نشاط کے ایک مُلازم نے آکر اطلاع دی کہ غلطی سے جو کیبن اُسے دے دیا گیا ہے حقیقتاً وہ کسی اور کے لیے مخصوص تھا۔ حمید کو بڑا غصہ آیا اور اُس نے اُسے چھوڑنے سے صاف اِنکار کر دیا لیکن جب اُس ہستی پہ نظر پڑی جس کے لیے یہ کیبن پہلے ہی سے مخصوص تھا تو ایک بے ساختہ مُسکراہٹ اُس کی گھنی مُونچھوں کی اوٹ میں اٹکھیلیاں کرنے لگی کیونکہ یہ ہستی نیلم تھی۔ نیلم کیبن کے باہر کھڑی غالباً اُس کے نکلنے کی منتظر تھی۔

"بھئی یہ کیا مصیبت ہے؟" وہ ہاتھ ہلا کر ملازم سے بولا۔ "آخر تم مجھے یہاں کیوں نہیں رہنے دیتے! کیا میں اِس چٹان سے جھیل میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لُوں؟"

ویٹر ہنسنے لگا پھر بولا۔ "پتا نہیں جناب! یہ سپروائزر صاحب جانیں۔"

"جاؤ سپروائزر کو بھیج دو۔"

"جناب آپ خوامخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔" نیلم سامنے آکر بولی۔

"او ہا۔" حمید چونک پڑا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "آپ کی تعریف؟"

"کیبن آپ ہی کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔" ملازم نے جواب دیا۔

"اوہ۔ بھئی۔ تمہارا یہ سپروائزر آدمی ہے یا کسی جانور کی نقل جو عورت اور مرد میں تمیز نہیں کر سکتا۔"

"آپ اسے خالی کریں گے یا نہیں؟" نیلم نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں۔" حمید نے بھی اُسی لہجے میں جواب دیا۔

"تم باہر آجاؤ۔" نیلم نے ویٹر سے کہا۔

وہ چپ چاپ باہر آگیا اور نیلم اندر گھستی چلی گئی۔

"میں نے آپ کو نشاط میں کبھی نہیں دیکھا پھر یہ کیبن آپ کو کیسے مل گیا؟" حمید نے اس سے سوال کیا۔

"آپ براہِ کرم باہر نکل جایئے۔"

"تو کیا آپ یہاں تنہا رہیں گی؟"

"شٹ اَپ۔" نیلم نے ہاتھ گھما دیا لیکن ہاتھ کیبن کی دیوار پہ پڑا اور حمید یہ کہتا ہُوا ایک طرف ہٹ گیا۔ "ذرا سنبھل کر کہیں میری مونچھوں کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے میں اُن کا بیمہ کرا چکا ہوں۔"

ملازم بوکھلا کر اندر گھس آیا۔

لیکن نیلم دفعتہً ٹھٹک گئی اور دُوسرے حملے کے لیے اُٹھا ہوا ہاتھ اُٹھا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ شاید اُس نے اُسے پہچان لیا ہے۔

اچانک نیلم نے ملازم سے کہا۔ "تم جاؤ۔ ہم لوگ طے کر لیں گے۔"

ویٹر شاید جانا نہیں چاہتا تھا۔ قدرتی بات تھی اُسے یقیناً کھوج پڑی رہتی کہ اِن دونوں نے اِس مسئلے کو کس طرح طے کیا؟

"کیا تم نے نہیں سُنا؟" نیلم غرّائی۔

ویٹر بوکھلا کر باہر نکل گیا اور پھر وہ وہاں رُکا ہی نہیں۔

نیلم بُرا سا مُنہ بنائے حمید کو گھور رہی تھی۔

"کیا میں تمہاری مونچھیں اُکھاڑ لُوں؟" اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"اس سے پہلے اپنے دوستوں کو بُلا لو تو بہتر ہے ورنہ ہو سکتا ہے کہ یہ مونچھیں اُکھڑنے کے بعد ہتھکڑیاں بن جائیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ اچھا ہُوا کہ تم مل گئے۔"

"تم نے پہچان ہی لیا آخر۔"

"مونچھوں کے علاوہ اور کیا بات ہے کہ نہ پہچانتی، ویسے آواز بدلنے میں تم اپنا جواب نہیں رکھتے۔"

"شکریہ لیکن تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟"

"اوہ تو کیا تمہیں مجھ سے دوبارہ ملنے کی خواہش نہیں تھی؟"

"نہیں۔ اس معاملے میں بہت بدقسمت ہُوں، میں جس لڑکی سے بھی دوبارہ ملنے کی خواہش کرتا ہُوں اس کی شادی ہو جاتی ہے۔" حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ نیلم ہنس پڑی۔

"اچھا خیر۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کیا ہم لوگوں کا کیس تم سے لے لیا گیا ہے؟"

"کیوں؟"

"بس یُونہی۔ میں اس کی تصدیق کرنا چاہتی ہُوں۔"

"کس سے سُنا ہے؟"

"تم آخر بحث کیوں کرنے لگتے ہو؟ میں ایک بات پوچھ رہی ہُوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ہماری ذات سے ہے اس لیے ہم سارے معاملات کی کھوج میں رہتے ہی ہوں گے۔"

حمید چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم نے ٹھیک سُنا ہے بیٹھ جاؤ۔"

نیلم ایک کُرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ حمید کھڑکی سے جھیل میں دیکھ رہا تھا اور اس اُلجھن میں مُبتلا تھا کہ آخر یہ لڑکی کیا چاہتی ہے؟ دفعتہً اُسے ایک بات یاد آ گئی اور اُس نے نیلم کی طرف مُڑ کر کہا۔

"اُس رات تمہاری کہانی ادھوری رہ گئی تھی۔ میں اُس کے متعلق اکثر سوچتا ہوں۔"

"کہانی کی بات چھوڑو۔ تم دونوں اب بھی خطرے میں ہو۔ گروہ کا خیال ہے کہ ابھی تم نیکم گڑھ سے واپس نہیں جا سکتے۔"

"کمال ہے۔ کیا اس گروہ میں فرشتے بھی شامل ہو گئے ہیں؟"

"نہیں۔ بابا بہت باخبر آدمی ہے۔ اُس کا خیال ہے چونکہ فولادی پہلی بار ظاہر ہُوا ہے۔ اس لیے کرنل فریدی ڈاکٹر ہرمین کو نہیں تلاش کرے گا۔"

"اوہ۔ تو پھر؟"

"وہ کسی موقع پر تم دونوں کو دھوکے سے مار دیں گے۔"

"نیلم تم جانتی ہو کہ ہم ابھی تک نہیں مارے جا سکے حالانکہ جتنے بھی حملے ہُوئے دھوکے ہی میں رکھ کر کیے گئے تھے۔"

"اب اور بھی ہوشیار رہنا۔"

"تم اِس کی فکر نہ کرو لیکن تم آخر کیا بلا ہو؟"

"میں ایک زخمی ناگن ہوں جو نہ صرف زخمی کرنے والے کی تلاش میں ہے بلکہ اکثر اُنہیں بھی ڈس لیتی ہے جنہوں نے اُس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ میں مجبور ہوں کیپٹن اپنی اصلاح کرنا چاہتی ہوں لیکن نہیں کر سکتی۔"

"اگر تمہارا گروہ گرفتار ہو گیا تو تمہارا حشر بھی اُن لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔"

"وہ آگ تو ٹھنڈی ہو جائے گی جو ہوش سنبھالتے ہی میرے ریشے ریشے میں دہک اُٹھی تھی۔"

"میں اُسی آگ کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔ آخر اُنہوں نے تمہاری ماں کو کیوں مار ڈالا تھا؟"

نیلم کچھ نہ بولی۔ حمید اُس کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ نیلم نے ایک طویل سانس لی اور پھر کچھ سوچتی ہُوئی بولی۔ "میری ماں... وہ بچی... طوفان... اوہ... میرا باپ بھی اسمگلر تھا۔ ہر آدمی آزاد تھا۔ باہمی تعاون کے اصول پر وہ لوگ کام کرتے تھے اور نفع آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ اتفاقاً اُن میں سے ایک کا میرے باپ سے جھگڑا ہو گیا اور اُس نے اُنہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اِس پر میری ماں نے شاید ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ اس کی اطلاع پولیس کو دے گی کہ اُس کا قتل کیوں ہُوا ہے؟ اور وہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ وہ ایک اندھیری رات تھی۔ جب میرے باپ کے قاتل نے میری ماں کو بھی ختم کر دینا چاہا۔ وہ مجھے گود میں اُٹھا کر مکان سے نکل گئی۔ اِسی دوران میں بارش ہونے لگی اور میری ماں مکان سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن اُس نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ آخر ایک ویران جگہ پر اُس نے اُسے بھی گولی مار دی۔ بابا چیسے اُس کے بُرے ارادے کی اطلاع ہو گئی تھی برابر اُس کا تعاقب کرتا رہا تھا مگر وہ میری ماں کو موت سے نہ بچا سکا۔ اُس نے پہلے ہی اُس آدمی کو اِس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ بارش ہو رہی تھی اور میں اپنی ماں کی لاش سے چمٹی ہُوئی چیخ رہی تھی۔ یہ مجھے بابا ہی نے بتایا تھا ورنہ میں اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں لیکن اب مجھے اُس ننھی سی بچی پر ترس آتا ہے۔ تم خود سوچو۔ میرے خدا۔"

اُس کی آواز بھرا گئی لیکن اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے بجائے ایک وحشیانہ سی چمک تھی۔ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "بابا مجھے نہیں بتاتا کہ وہ کون تھا؟ زندہ ہے یا مر گیا۔ اب گروہ سے متعلق ہے یا کہیں اور ہے؟ میں اُس وقت تک اسی طرح سُلگتی رہُوں گی جب تک کہ اُس ننھی سی بے بس بچی اور اُس مظلوم عورت کا انتقام نہ لے لوں جس کی لاش رات بھر بارش میں بھیگتی رہی تھی۔"

"اِس سلسلے میں اگر کسی اسٹیج پر خدمت کی ضرورت محسوس ہو تو مجھے نہ بھولنا۔"

"شکریہ۔" نیلم نے کہا۔ "میں شاید اکیلے ہی یہ مسئلہ حل کرنا زیادہ پسند کروں گی۔"

"مو بٹے سے میرے متعلق کیا پُوچھ رہی تھیں؟"

"اُن لوگوں کو شُبہ ہو گیا کہ میں تم لوگوں سے مل گئی ہوں۔"

"تمہارا طریق کار ہی شُبہ میں مُبتلا کر دینے والا تھا۔"

"ہوگا۔" اُس نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "مجھے ایسی باتوں کی پروا نہیں ہوتی۔"

"اور وہ۔ فولادی کا کیا قصّہ تھا!"

"کچھ بھی نہیں۔ میں نے تقریباً آدھے گھنٹے تک اُس سے گفتگو کی تھی۔ وہ یقیناً حیرت انگیز ہے اور اُس کا خالق اگر بُرائی پر آمادہ ہو جائے تو دُنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اُسے شکست نہیں دے سکتی۔"

پھر اُس نے وہ سب کچھ بھی بتایا جو اِس سلسلے میں دیکھ چکی تھی۔ کس طرح وہ زمین پر اُترا تھا اور کس طرح وہ روشنی میں نہا گئی تھی اور فولادی کس طرح لوگوں کے حملے رد کر سکتا تھا۔

حمید حیرت سے سُنتا رہا اور جب وہ خاموش ہُوئی تو اُس نے کہا۔ "میں ابھی تک اُسے نہیں دیکھ سکا۔"

"پھر تم لوگ ہرمین کو کیا تلاش کر سکو گے؟"

"میں ذاتی طور پر صرف تم لوگوں کی گھات میں ہوں۔"

"مشکل ہے۔ اگر تم نے گروہ کو گرفتار بھی کر لیا تو کیا ہوگا؟ کیا تم اُس آدمی تک بھی پہنچ سکو گے جو سرغنہ ہے۔ پہلے بھی تو تم نے کچھ آدمیوں کو گرفتار کیا تھا پھر کیا ہُوا؟ کیا وہ ضمانت پر رہا نہیں ہو گئے؟ جن لوگوں نے ضمانت دی تھی اب اُنہیں ٹٹولو لیکن وہاں کچھ بھی نہ ملے گا۔ بابا کا خیال ہے کہ سرغنہ تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

حمید اس پر کچھ بھی نہیں بولا۔ تھوڑی دیر بعد نیلم اُٹھتی ہُوئی بولی کہ وہ اُس سے کیبن نہیں خالی کرائے گی حالانکہ حمید اب کیبن چھوڑ دینے پر تیار تھا۔

✣

فولادی عشرت روڈ کے چوراہے پر کھڑا تھا اور سڑک کے دونوں طرف میلہ سا لگا ہُوا تھا۔ لوگ اُسے دیکھنے کے لیے پنجوں کے بل اُچھل رہے تھے۔ یہ چوراہا نو بجے کے بعد خالی ہو جاتا تھا کیونکہ اس وقت یہاں ٹریفک کا اژدہام نہیں ہوتا تھا۔ فولادی نے اِس چوراہے پر پہنچتے ہی اعلان کیا تھا کہ وہ آزمائشی طور پر اس وقت کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ وہ بالکل کسی آدمی ہی طرح ٹریفک کو رُکنے اور گزرنے کے لیے اشارہ کر رہا تھا۔ اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی چاروں طرف دُور دُور تک پھیلی ہُوئی تھی۔

ساتھ ہی وہ بھی یہ کہتا جا رہا تھا۔ "بڑے شرم کی بات ہے کہ آپ لوگ رفتار کا خیال نہیں رکھتے۔ ذرا ذرا سی باتیں ہی معاشرے کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ خُدا کے لیے پندرہ میل سے زیادہ رفتار نہ رکھیے۔ قانون کی پابندی ہر شہری کا فرض ہے۔"

"نیکم گڑھ کے محکمہ سراغرسانی کے سپرنٹنڈنٹ عاصف نے فریدی سے کہا۔

"آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں تو کہتا ہوں ہرمین کو اُس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے اچھا ہی کر رہا ہے۔"

"آپ ایک قانون کے محافظ کی حیثیت سے ایسا نہیں کہہ سکتے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"اوہ۔ وہ دُوسری صُورت ہے مگر یہ تو بتائیے کہ ہم کب تک بے بسی سے اُسے دیکھتے رہیں گے۔"

"جب تک کہ اُس سے کوئی غیر قانونی حرکت نہیں سرزد ہوتی۔ حالانکہ یہ بجائے خود ایک غیر قانونی حرکت ہے لیکن کم از کم ہمیں اسے سمجھنے کا موقع تو ملنا ہی چاہیئے۔ آج میں اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"پھر کیا میں اسے اِدھر بلاؤں؟"

"نہیں خواہ مخواہ بھیڑ اکٹھی ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "میں خود ہی جا رہا ہوں۔"

وہ سڑک پار کر کے فولادی کے قریب پہنچ گیا۔ لوگ شور مچانے لگے کیونکہ آج تک کسی نے بھی اُس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

"فرمائیے جناب۔" فولادی نے فریدی کے قریب پہنچنے پر کہا۔

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"میرے لائق کوئی خدمت؟"

"ہاں تم دُوسروں کو قانون کا احترام کرنا سکھاتے ہو لہٰذا میں قانون ہی کے نام پر تم سے کہتا ہوں کہ چُپ چاپ اُس پولیس کار میں بیٹھ جاؤ۔"

"کیوں جناب؟"

"ہم تمہیں پولیس اسٹیشن لے جا کر تم سے گفتگو کریں گے۔ اگر تم ہمیں مطمئن کر سکے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا ورنہ وہی ہوگا جو مشتبہ آدمیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

"میں آدمی تو نہیں ہوں جناب۔"

"ہم دراصل یہی دیکھنا چاہتے ہیں کہ تمہیں کس خانے میں رکھا جائے؟"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ پولیس اسٹیشن پر کچھ ماہرین مجھے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔"

"تم میں رکھا ہی کیا ہے کہ سمجھنے کی کوشش کی جائے گی؟" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

فولادی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "ابھی تک مجھے صرف دو ہی آدمی ملے ہیں جو مجھ سے خائف نہیں ہُوئے۔ ایک تو لڑکی تھی اور دُوسرے آپ ہیں جناب۔ میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

"تم میرے ساتھ چلنے سے انکار کر رہے ہو؟"

"نہیں جناب۔ میں تیار ہوں لیکن خطرے سے آپ کو پہلے ہی آگاہ کردوں۔ پہلی بات کسی کو بھی اجازت نہ ہوگی کہ وہ میرے قریب آکر میکنزم کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اگر کسی نے بھی مجھے توڑنے پھوڑنے یا کسی اور قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو نتائج کی ذمے داری سراسر آپ پر ہوگی۔ اگر آپ کو منظور ہو تو ضرور سے چلیے مجھے۔"

"میں اس کی ذمے داری لیتا ہوں کہ اس قسم کی کوئی بات نہ ہونے پائے گی۔"

"چلیے۔ میں تیار ہوں۔ لیکن اگر آپ اس کار میں لے جانے کے بجائے کسی کھلے ہوئے ٹرک کا انتظام کرتے تو بہتر تھا۔ آپ میرا قد تو دیکھ ہی رہے ہیں۔"

"ٹرک کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ تم ابھی یہیں ٹھہرو۔"

فریدی نے کہا اور سڑک پار کر کے پھر واصف کے پاس گیا۔

دریا تین منٹ بعد انہیں ایک ٹرک مل گیا۔ فولادی کھلے ہوئے حصے پر جا چڑھا۔ واصف ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا لیکن فریدی فولادی ہی کے قریب رہا۔ راہ میں اُس نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ فولادی سے بھی آواز نہیں آئی۔ اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی البتہ پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگئی تھی اور دُور دُور تک پھیل رہی تھی۔ لوگ سڑکوں کے کنارے کھڑے حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔ اُنہیں شاید فولادی سے زیادہ فریدی پر حیرت تھی جو فولادی کے قریب ہی ٹرک کے کنارے سے ٹِکا ہوا تھا کیونکہ عوام کے لیے گوشت و پوست کا پہلا آدمی تھا جو فولادی سے اتنا قریب دیکھا جا رہا تھا۔ کوتوالی پہنچ کر فریدی ٹرک سے کُود گیا اور اُسی کے حکم سے کوتوالی کا پھاٹک بند کر دیا گیا۔

"نیچے اُتر آؤ۔" اُس نے فولادی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ایک بار پھر میری شرائط یاد رکھیے۔" فولادی نے کہا۔

"ارے۔۔۔ آؤ بھی نیچے۔" فریدی جھنجلا کر بولا۔ "تم میں رکھا ہی کیا ہے؟ کیا تمہارے ڈھانچے میں جا بجا ٹیلیویژن کیمرے کے لینس نہیں ہیں اور یہ تمہاری کھوپڑی سے نکلنے والی روشنی اپنے حیطۂ عمل کی ساری چیزوں کا عکس اُس پردے تک نہیں پہنچاتی جہاں ایک پیر بیٹھا ہوا تم سے کام لے رہا ہے۔"

فولادی سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "نہیں دوست تم اپنے خادم ہرمین کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ وہ تمہاری بھلائی کے لیے کام کر رہا ہے۔ اتنا یاد رکھو اگر تیسری جنگ ہوئی تو ایشیا کھنڈر ہو جائے گا کیونکہ بڑی طاقتیں اس بار ایشیا ہی کو اکھاڑہ بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ مجھے سکون سے کام کرنے دو۔ میں سب کے دانت کھٹے کر دوں گا۔ مجھے جنگ اور جنگ بازوں سے نفرت ہوگئی ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے تم نیچے آجاؤ۔ تفصیل سے گفتگو ہوگی۔"

"تم مجھے ایماندار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" فولادی سے آواز آئی اور وہ نیچے اُتر آیا۔

فریدی نے وہیں کوتوالی کے صحن میں ایک بڑی میز ڈلوا دی۔ کچھ کُرسیاں رکھ دی گئیں اور فریدی چند بڑے آفیسروں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ فولادی مجرموں کی طرح سامنے کھڑا رہا۔

"ڈاکٹر ہرمین میں تم سے مخاطب ہوں۔" فریدی نے پُر وقار لہجے میں کہا۔ "میں مانتا ہوں کہ تم کوئی بُرا ارادہ نہیں رکھتے لیکن اگر تم باقاعدہ طور پر ہماری حکومت سے تعاون کرو تو کیا حرج ہے؟"

"تعاون نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ ایشیا کے سارے ممالک کسی نہ کسی بڑی طاقت کے دوست ہیں۔ اُس سے مالی امداد لیتے ہیں اس لیے میں اعتماد نہیں کر سکتا۔"

"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں قطعی لیکن تم ہر حال میں مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔"

"تم ہمارے دوست کس طرح ہوئے جب ہم پر اعتماد نہیں کر سکتے۔"

"تم پر اعتماد ہے لیکن اِن سکّوں پر اعتماد نہیں ہے جو تمہیں بطور مالی امداد بڑی طاقتوں سے ملتے ہیں۔"

"بہر حال میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ اگر تم نے پندرہ دن کے اندر اندر خود کو ظاہر نہ کر دیا تو بہت بُری طرح لائے جاؤ گے۔"

فولادی سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "اچھی بات ہے۔ مجھے اس وارننگ پر غصہ نہیں آیا۔ میں تمہاری بھلائی کے لیے کام کرتا ہی رہوں گا۔ یہاں ٹیکم گڑھ میں ایک نئی سڑک بنانے کا پلان مرتب کیا گیا ہے مگر جس علاقے سے سڑک نکالی جائے گی وہاں کے پہاڑ سخت ہیں۔ ابھی تک یہ نہیں سوچا جا سکا کہ اُنہیں توڑنے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے؟ اس کے لیے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ کسی دن وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔"

ٹھیک اُسی وقت فولادی سر سے پیر تک شعلہ ہو گیا اور ساتھ ہی کسی کی چیخ بلند ہوئی۔ دُور کھڑے ہوئے کانسٹیبلوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ فولادی نے غرّا کر کہا۔

"دیکھا تم نے۔ کسی نے مجھ پر پتھر پھینکا تھا لیکن وہ پتھر اتنی ہی قوت سے واپس ہو گیا۔ جتنی قوت سے پھینکا گیا تھا لیکن میں نے غلط نہ کہا تھا کہ تم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اب میں جا رہا ہوں۔"

یک بیک فولادی اُسی طرح شعلہ جوالہ بنا ہوا فضا میں بلند ہو گیا۔ کچھ دُور پر ایک کانسٹیبل زمین پر تڑپ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ فولادی کی طرف سے لوٹا ہوا پتھر اُس کے سر پر پڑا تھا۔ پتھر بہت وزنی تھا اور کافی قوت سے لگا تھا۔ اس لیے اس کی شکل نہیں پہچانی جا رہی تھی۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ پتھر کس نے پھینکا تھا؟

٭

میلے کی رونقیں شباب پر تھیں۔ چاند کی گیارہویں تھی اور مطلع ابر آلود نہیں تھا۔ شفاف چاندنی کھیت کر رہی تھی اور قاسم اُس کھیت میں اونٹ کی طرح مُنہ اُٹھائے کھڑا ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا۔ آہیں اس لیے بھر رہا تھا کہ اب نیلم اُس بڑی مونچھوں والے میں دلچسپی لینے لگی تھی جس نے اُسے نیلم سے عشق کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ اُنہیں ساتھ دیکھتا اور اُس کے سینے پر سانپ نہیں بلکہ اژدہے لوٹ جاتے۔ اس وقت وہ ایک جگہ خاموش کھڑا نہ کچھ سوچ رہا تھا اور نہ کچھ کر بیٹھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس وقت تو حقیقتاً اُسے "حمید بھائی" کی یاد ستا رہی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر حمید یہاں موجود ہوتا تو اس کی مشکلیں یقینی طور پر آسان ہو جاتیں۔ کبھی اُسے اس بڑی مونچھوں والے پر غصہ آتا اور کبھی دل چاہتا کہ اُس سے بڑے شریفانہ انداز میں پوچھے کہ آخر اُس نے یہ کیا کیا؟ اگر خود اُسے ہی نیلم سے عشق کرنا تھا تو پھر خوامخواہ وہ ساری باتیں کیوں کہی تھیں؟

قاسم پر سچ مچ عشق سوار تھا۔ علامت اس کی یہ تھی کہ بعض اوقات اُس کے ذہن میں اوٹ پٹانگ اشعار گونجنے لگتے تھے۔ وہ اُنہیں گنگنانے کی کوشش کرتا لیکن کامیابی نہ ہوتی۔ وہ سوچتا کہ یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اب اُسے راتوں کو نیند نہ آئے گی اور اُس کی خوراک بھی کم ہو جائے گی کیونکہ عشق کے متعلق اُس نے یہی سُن رکھا تھا اور دو چار عاشق بھی اُس کی نظروں سے گزرے تھے۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ نشاط کا عملہ اُس کی مزید کھلی ہوئی بھوک سے تنگ آگیا ہو۔ لوگ رنگ رلیاں منا رہے تھے لیکن قاسم کسی بے آب و گیاہ پہاڑ کی طرح اُداس کھڑا تھا۔ قریب ہی لگے ہوئے جھولے کی چرخ چوں اُسے بہت گراں گزر رہی تھی۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ جھولے پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی ٹانگیں پکڑے اور کھینچ کر جھیل میں پھینک دے۔ پھر اُس نے سوچا کیوں نہ یہی برتاؤ بڑی مونچھوں والے کے ساتھ کرے۔ اُس کے قدم اُٹھ گئے۔ وہ حمید کے کیبن کی طرف جا رہا تھا۔ حمید کیبن کے دروازے پر کھڑا نظر آیا لیکن تنہا تھا۔ اُس نے قاسم کو آتے دیکھ لیا۔ وہ پہلے ہی محسوس کر چکا تھا کہ قاسم اُسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہتا ہے۔

"سلاما لیکم بھائی صاحب۔" حمید نے بڑے جوش و خروش سے اُسے سلام کیا۔

"والے قم۔" قاسم نے غصیلی آواز میں جواب دیا اور اُس کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔

"موسم بڑا حسین ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہوگا سالا۔" قاسم غرّایا۔

"کچھ خفا ہو بڑے بھائی۔"

"کچھ کھفا ہو یار۔۔۔ بھائی۔" قاسم نے ہاتھ نچا کر بچلے بچنے انداز میں اُس کا جملہ دُہرایا۔

"ضرور خفا ہو۔ آؤ جلدی ٹہل آئیں۔"

"تت۔۔۔ تم جھوٹے ہو۔۔۔ دغا باز ہو۔"

"کیوں؟"

"تم نے کہا تھا۔" قاسم کی آواز درد ناک ہوگئی اور کسی باحیا عورت کی طرح سر جھکا کر اپنی اُنگلیاں مروڑتا ہوا بولا۔ "تم نے کہا تھا کہ وہ۔۔۔ تم۔۔۔ مجھ سے۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔ مجھے پسند کرتی ہے۔"

"کون۔ آپ کس کی بات کر رہے ہیں جناب؟"

"وہی پتلون والی۔"

"اوہ۔ وہ۔" حمید خوش ہو کر بولا۔ "جی ہاں۔ جی ہاں۔۔۔ وہ بھی یہی کہتی ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"کیوں۔ میں جھوٹا کیوں ہوں؟"

"تم اُسے ساتھ لیے پھرتے ہو۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"ارے واہ۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "کچھ ہوتا ہی نہیں۔"

"ہاں۔ کیا ہوتا ہے؟ مَیں تو اسے مشورے دیا کرتا ہُوں۔"

"کیسے مشورے؟"

"بھئی بات دراصل یہ ہے کہ تم بالکل پہاڑ کھاں ہو اِس لیے وہ تم سے ڈرتی بھی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ مَیں کس طرح اُس سے اظہارِ محبت کروں؟ اگر وہ خفا ہوگیا تو۔۔۔؟"

"ارے۔ واہ۔۔۔ الاّقسم۔۔۔ وہ کر کے بھی دیکھیں تو اظہارِ محوبت۔۔۔ مَیں بالکل کھفا نہیں ہوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ اَب مَیں تمہارا پیغام اس تک پہنچا دُوں گا۔ مگر یار تم خود ہی کیوں نہیں کرتے اظہارِ محبت۔ وہ خوشی سے مر جائے گی۔"

"تم خود مر جاؤ۔"

"اے بڑے بھائی یہ محاورہ ہے۔ خوشی سے مر جانا۔ مطلب یہ شادیٔ مرگ۔"

"شادی بھی کر لے گی۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"نہیں شادی تو شاید نہ کرے کیونکہ شادی وہ کسی ایسے آدمی سے کرنا چاہتی ہے جس کی پہلی بیوی ابھی زندہ ہو۔"

"اللہ قسم۔ میری پہلی بیوی ابھی بالکل زندہ ہے۔" قاسم لہک کر بولا۔

"تب تو تمہاری چاندی ہی چاندی ہے۔ وہ تیار ہو جائے گی۔"

"پھر مَیں کیسے اظہارِ محوبت کروں؟"

"آؤ۔ اندر بیٹھو۔ اطمینان سے گفتگو ہوگی۔ میں تمہارے لیے سب کچھ کر سکتا ہُوں۔ تم خوا مخواہ میری طرف سے بدگماں ہوگئے ہو۔"

"چلو۔ چلو۔" قاسم اِس انداز میں بولا جیسے کچھ دیر پہلے اُسے اس پر غصّہ ہی نہ آیا ہو۔

وہ دونوں کیبن میں آ بیٹھے۔

"تم خود ہی اُس سے دُور دُور رہتے ہو۔ اِسی لیے وہ تم سے بولتے ہُوئے ڈرتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "ابھی آج ہی کہہ رہی تھی کہ کہیں مَیں مر ہی نہ جاؤں۔"

"ارے۔۔۔ واہ۔۔۔ مریں اُس کے دُشمن۔"

"بس پھر تم اظہارِ محبت کر ڈالو ورنہ وہ حقیقتاً مر جائے گی۔ وہ کہتی ہے پتا نہیں تمہیں اِس کی پرواہ بھی یا نہیں؟"

"مَیں اظہارِ محبت کیسے کروں؟ مجھے کرنا نہیں آتا۔" قاسم گڑگڑایا۔

"ہائیں! تمہارے والدین نے تمہیں اظہارِ محبت کرنا بھی نہیں سکھایا۔"

"یہی تو مصیبت ہے پیارے بھائی۔ مَیں بالکل چھوٹا تھا تب ہی والدین مر گئے تھے۔" قاسم نے خلافِ توقع بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔۔ اور حمید متحیّر رہ گیا۔ کیونکہ قاسم نہیں جانتا تھا کہ جھوٹ کیسے بولا جاتا ہے۔

"خیر ٹھہرو۔ مَیں تمہیں بتاتا ہُوں۔ اظہارِ محبت کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ تنہائی ہو۔ چاندنی رات اور دریا کا کنارہ ہو تو کیا کہنا! یہاں یہ دونوں آسانیاں نصیب ہو سکیں گی۔ مثلاً چاندنی رات ہے اور یہ سامنے جھیل ہے۔ اسے جھیل کے کنارے لے جا کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہنا۔ پھر دَبی زبان سے کہہ دینا کہ مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم ہانپنے لگا۔ پھر بولا۔ "پھر وہ کیا کہے گی کہ مَیں بھی آپ کے لیے دن رات "ٹافیاں" کھاتی رہتی ہوں۔"

"مَیں نہیں سمجھا۔ ٹافیاں۔"

"مطلب یہ کہ مَیں بھی دن رات آپ کے لیے تڑپتی رہتی ہُوں۔"

"الاّقسم۔"

"ہاں بھئی۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔"

"ابھی اور اسی وقت۔" حمید نے کہا۔ "اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ ہو سکتا ہے کل آسمان بادلوں سے ڈھکا رہے۔ لہٰذا اس حسین چاندنی سے فائدہ اُٹھاؤ۔"

"پتا نہیں کہاں۔۔۔ وہ کہاں ہو؟" قاسم نے کہا اور اپنے خشک ہوتے ہُوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"وہ اس وقت اپنے کیبن میں ہے۔"

"مگر وہ آنے ہی کیوں لگی۔"

"ہاں اس طرح تو نہیں آئے گی۔ تم اُس سے یہ کہنا کہ بڑی مُونچھوں والے نے بُلایا ہے بس وہ سمجھ جائے گی۔"

"کیا سمجھ جائے گی؟"

"یہی کہ مَیں نے اس کی سفارش کر دی ہے اور تم اظہارِ محبت کے لیے اُسے جھیل کے کنارے لے جانا چاہتے ہو۔ تم اُس سے یہ کہنا کہ بڑی مونچھوں والا چاندنی رات میں جھیل کے

کنارے انتظار کر رہا ہے۔"

"ابے دِل دھڑکتا ہے۔ پیارے بھائی۔" قاسم پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہُوا بولا۔

"مرد بنو۔ جاؤ۔ میں اِس قسم کے مشورے ہر ایک کو نہیں دیتا۔ تم سے کیوں اتنی محبت ہوگئی ہے؟"

"اچھا۔" قاسم نے دانت نکال دیے۔

"بس اب جاؤ۔"

قاسم باہر نکل کر نیلم کے کیبن کی طرف چل پڑا۔

❁ نیلم نے جھیل کے کنارے پہنچ کر چاروں طرف دیکھتے ہُوئے کہا۔ "وہ کہاں ہے؟"

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ ابھی تو یہیں تھا۔" قاسم ہکلایا۔

پھر اُس نے محسوس کیا کہ نیلم اُسے گھور رہی ہے۔ اُسے فوراً یاد آیا کہ ہدایت کے مطابق اُسے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دینی چاہئیں۔

"وہ دیکھیے۔۔۔ مطلب یہ کہ اِدھر کی بات یہ ہے۔۔۔ یہ جھیل ہے نا۔۔۔ یہ چاند ہے نا۔۔۔ اور اُدھر کی بات۔۔۔ یا۔۔۔ خدا۔۔۔ خُدا جانے۔۔۔ اُدھر کی بات یعنی اِدھر اُدھر کی باتیں۔"

"کیا آپ نشے میں ہیں؟" نیلم نے پُرسکون لہجے میں پُوچھا۔

"قسم لے لیجیے جو آج تک شراب چکھی بھی ہو۔"

"پھر افیون یا چانڈو سے شوق کرتے ہوں گے۔"

"ارے توبہ توبہ۔" قاسم زور زور سے اپنے گالوں پر تھپڑ مارنے لگا۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟" نیلم نے غصیلی آواز میں کہا۔

"ارے بھائی صاحب۔" قاسم نے بوکھلا کر شاید حمید کو آواز دی اور پھر دونوں ہاتھوں سے مُنہ بند کر کے ہکلانے لگا۔

"دیکھیے۔۔۔ اِدھر۔۔۔ اُدھر کی باتیں تو کر چکا۔ اب دیکھیے۔۔۔ چاندنی کے کنارے۔۔۔ جھیل ہوگیا ہے۔"

"آپ آدمی ہیں یا ہونق۔"

"جی ہاں آدمی۔۔۔ نہیں ہونق۔۔۔ مم مگر۔۔۔ ہونق کسے کہتے ہیں؟"

"فرسودہ۔"

"بہت بہتر۔ اب سوچا کروں گا۔" قاسم نے کچھ سوچتے ہُوئے کہا۔ اُسے دراصل حمید کی دُوسری ہدایت یاد آگئی تھی یعنی دبی زبان سے اظہارِ محبت کرنا۔

دبی زبان سے کیسے؟ اُس نے سوچا، لیکن پھر دُوسرے ہی لمحے میں دانتوں تلے زبان دبا کر بولا۔ "مس آپ سے محبّغ ہے۔"

"کیا! میں نہیں سمجھی۔"

"آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ مَیں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا۔" قاسم نے زبان کو دانتوں کے دباؤ سے آزاد کر کے کہا۔

"کیا کہا تھا ابھی آپ نے؟"

"جو کچھ کہا تھا دبی زبان سے کہا تھا۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ اور آپ بالکل فکر نہ کیجیے۔ میری ایک بیوی ابھی زندہ ہے۔"

نیلم دو چار قدم پیچھے ہٹی اور ایک بڑا سا پتھر اُٹھا کر بولی۔ "بتاؤ مجھے یہاں کیوں لائے تھے؟ ورنہ سر کے ٹکڑے کر دُوں گی۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور پھر بڑی دردناک آواز میں کراہا۔ "اے۔۔۔ پیارے بھائی۔"

"بتاؤ جلدی۔" نیلم غرّائی۔

"بب۔۔۔ بتاتا ہُوں۔۔۔ اظہارِ محبت۔۔۔ جی ہاں۔"

"اوہ۔" نیلم ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اچھا۔۔۔ زمین پر اوندھے لیٹ جاؤ۔ میں بھی اظہارِ محبت کروں گی۔"

قاسم کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ پتا نہیں یہ خوشی کا اظہار تھا یا حیرت کا لیکن اُس نے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگائی۔ جیسے ہی وہ لیٹا نیلم اُچھل کر اُس پر کھڑی ہوگئی۔

"ارے۔۔۔ ہائیں۔" قاسم کراہا۔

"پڑے رہو چُپ چاپ۔ تم کیسے اُلّو کے پٹھے عاشق ہو۔"

پھر وہ باقاعدہ طور پر اُس پر کُودنے اُچھلنے لگی۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ اُترو۔۔۔ ہائیں۔۔۔"

"مَیں اسی طرح محبت کرتی ہُوں۔ چُپ چاپ پڑے رہو۔"

دفعتاً ایک طرف سے آواز آئی۔ "یہ کون ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟"

اور پھر ایک آدمی دوڑتا ہُوا اُن کے قریب آیا۔

یہ حمید تھا۔

"یہ دیکھو۔ یہ ہو رہا ہے۔" نیلم اُسی طرح اُچھلتی کودتی ہوئی بولی۔ "میں اظہارِ محبت کر رہی ہوں۔"

"ہٹو۔ اُترو۔" حمید نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ نیلم اُس پر سے اُتر آئی اور قاسم جلدی سے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا۔

"اس کا دماغ چل گیا ہے۔" نیلم غرّائی۔ "تمہاری وجہ سے صرف اِتنی ہی سزا دی ہے ورنہ خنجر مار کر آنتیں نکال لیتی۔"

"ارے جاؤ۔ جاؤ۔ بڑی --- آنتیں۔ آنتیں نکالنے والی۔" قاسم ہانپتا ہوا غصیلی آواز میں بولا۔ "تم نے ابھی مجھے اُلّو کا پٹھا کہا تھا۔ تم خود اُلّو کی پٹھی۔"

"ارے ہاں ہاں۔" حمید بول پڑا۔

"تم چپ رہو ورنہ تمہاری مونچھیں اُکھاڑ لوں گا۔"

"تم کیا اُکھاڑو گے؟" نیلم نے کہا۔ "ذرا اُکھاڑو تو۔ اِتنے ہاتھ پڑیں گے کہ دالیسہ کے لیے راستہ نہ دکھائی دے گا۔"

حمید نے سوچا کہ اب اُس کی شامت آ جائے گی یعنی قاسم جھینپ مٹانے کے لیے اُس پر ٹوٹ پڑے گا لہٰذا وہ اُچھل کر دُور ہٹ گیا۔

"اب بھاگتے کیوں ہو بیٹا؟" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "میں تمہاری چٹنی بنا ڈالوں گا۔ تم نے مجھے دھوکا دیا۔"

ٹھیک اُسی وقت سنّاٹے میں ایک گرجدار آواز گونجی۔ "ہٹ جاؤ۔ جھیل سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہٹ جاؤ۔ طوفان آ رہا ہے۔ جھیل کے قریب والے کیبن خالی کر دو۔ طوفان اِدھر ہی سے گزرے گا۔"

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ آواز پھر آئی۔

"فولادی" نیلم بڑبڑائی۔ "یہ آواز فولادی ہی کی ہے چلو۔"

نیلم دوڑنے لگی۔ اُس کے پیچھے حمید بھی دوڑا۔ قاسم کے لیے البتہ دُشواری تھی۔ وہ تیز نہیں دوڑ سکتا تھا۔ پھر بھی وہ گرتا پڑتا بھاگا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد اُس نے دیکھا کہ لوگ کیبنوں سے نکل نکل کر بھاگ رہے ہیں۔ شور کی وجہ سے کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی تھی۔ قاسم بھی بھاگنے والوں کی بھیڑ میں جا ملا۔ اچانک ایک تیز قسم کی روشنی جو چاندنی پر حاوی ہو گئی تھی چاروں طرف پھیل گئی۔ ایک اونچی چٹان پر فولادی کھڑا کہہ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے تم طوفان کی زد سے نکل آئے لیکن اگر جھیل کے قریب والے کیبنوں میں کچھ لوگ رہ گئے ہیں تو انہیں اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔ پانچ منٹ بعد طوفان اُن کے پرخچے اُڑا دے گا۔ اِدھر آ جاؤ۔ کیبن چھوڑ دو، یہ مذاق نہیں ہے۔ میں بالکل صحیح اطلاع دے رہا ہوں۔"

قاسم پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس کے لیے بھی یہ پہلا ہی اتفاق تھا۔ ویسے اُس نے فولادی کے متعلق ضرور سُنا تھا۔

اچانک اُس نے دو آدمیوں کو اس چٹان کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہ نیلم اور حمید تھے۔ لوگ شور مچانے لگے۔

"اِدھر کون آ رہا ہے؟" فولادی سے آواز آئی۔ "دیکھو تم لوگ مجھ پر پتھر وغیرہ مت پھینکنا۔ تم دونوں اِدھر کیوں آ رہے ہو؟ اوہ۔ تم ہو لڑکی --- آؤ آؤ۔ یہ دُوسرا کون ہے؟"

اُن دونوں نے جواب میں جو کچھ بھی کہا وہ کوئی نہ سُن سکا کیونکہ مجمع اُن سے کافی دُور تھا البتہ فولادی کی آواز میلوں تک پھیلی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

قاسم کی کھوپڑی گھوم گئی۔ اُس نے سوچا کہ اگر وہ فولادی کو کشتی کے لیے للکار دے تو اِس سے نیلم پر کافی رُعب پڑے گا۔ وہ بھی اُسی طرف بڑھا اور لوگ اُسے گھورنے لگے۔

"اب کون آ رہا ہے؟" فولادی سے آواز آئی۔ حمید اور نیلم اُس کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"میں آ رہا ہوں۔" قاسم دہاڑا۔ "تم سے کشتی لڑوں گا۔"

فولادی کے قہقہے کی آواز دُور تک پھیلتی چلی گئی۔ قاسم بھی آگے بڑھتا رہا۔ اُس کے انداز سے ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا کہ اُس نے جو کچھ بھی کہا ہے کر گزرے گا۔

"اُبے کیوں شامت آئی ہے؟" قاسم نے حمید کی آواز سُنی۔

"اس کے بعد تم سے نپٹوں گا۔" قاسم نے جواب دیا۔

"آنے دو۔ آنے دو۔" نیلم نے کہا۔

"آ رہا ہوں۔"

"واپس جاؤ دوست۔" فولادی سے آواز آئی۔ "میں تمہارا ڈیل ڈول دیکھ رہا ہوں لیکن تم فولاد سے کیا لڑ سکو گے۔ اگر اپنے ہاتھ پیر توڑ بیٹھے تو مجھے بھی افسوس ہو گا۔"

پھر قاسم کی کوئی آواز نہ سُن سکا کیونکہ فولادی دوبارہ گرجنے لگا تھا۔ "سنبھلو طوفان آ رہا ہے۔ لیٹ جاؤ۔ تم سب زمین پر لیٹ جاؤ ورنہ تمہارے قدم ڈگمگا جائیں گے۔ تم کھڑے نہ رہ سکو گے۔"

اور پھر قیامت شروع ہو گئی۔ لکڑی کے کیبن اُڑنے لگے۔

بڑی خوفناک آوازیں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ظلمات کی اساطیری کہانیوں کی بلائیں اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑی ہوں۔ لوگ اسی طرح چیخ رہے تھے جیسے وہ بے دردی سے ذبح کیے جا رہے ہوں۔ پتا نہیں وہ بارش کی تیز بوچھاریں تھیں یا جھیل کا پانی طوفان کے زور میں اُڑ رہا تھا۔ جھیل کے کنارے والے کیبن چشم زدن میں اُڑ گئے۔

"گھبراؤ نہیں۔ گھبراؤ نہیں۔" فولادی چیخ رہا تھا۔ "اگر اُن کیبنوں سے سب نکل آئے تھے تو جانی نقصان کا احتمال نہیں ہے۔"

تقریباً دس منٹ تک ہنگامہ برپا رہا پھر سکون ہو گیا۔ فولادی بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہوتا جا رہا تھا۔

❦

بے خبری کے عالم میں اگر اچانک کسی قسم کی غیر متوقع آواز سُنائی دے تو لوگ چونک ہی پڑتے ہیں۔ پھر وہ تو ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکا تھا۔ جانے کتنے ہی کمزور دِل کے لوگ بیہوش ہو کر سڑکوں پر گر گئے جنہیں ذرا بھی ہوش تھا اُنہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُن کی ٹانگیں بقیہ جسم سے الگ ہو گئی ہوں۔ وہ پیر اُٹھانا چاہتے ہیں لیکن کامیابی نہ ہوتی۔ پھر اس کے بعد ہی ایک دُوسری مصیبت نازل ہوئی۔ نہ جانے کہاں سے ننھے ننھے سنگریزوں کے بادل ٹیکم گڑھ پر ٹوٹ پڑے۔ کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی تھی۔ مکانوں کی چھتوں پر پڑتے ہوئے ٹین بج رہے تھے۔ لوگوں کے چہروں پر وہ سنگریزے اس طرح لگتے جیسے سوئیاں سی آ چُبھی ہوں۔ ذرا ہی سی دیر میں سڑکیں ویران ہو گئیں لیکن پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر پولیس حرکت میں آ گئی۔ سڑکوں پر سنگریزے کاروں کے پہیوں کے نیچے ایسے معلوم ہوتے جیسے وہ کاریں کسی ریگستان میں چل رہی ہوں۔ زمین کی سطح پر اُن کی تہ کم از کم دو انچ ضرور موٹی رہی ہو گی اور یہ سنگریزے رائی سے بڑے نہیں تھے۔ طوفان کی اطلاع پہلے سے پولیس کے وائرلیس پر پہلے ہی بھیجی جا چکی تھی لیکن طوفان کا رُخ بستی کی طرف نہیں تھا۔ پھر یہ اتنے سنگریزے کہاں سے اور کیسے آئے؟ اگر وہ طوفان ہی کے ساتھ آئے تھے تو ہوا کا زور کیوں نہیں محسوس کیا جا سکا! طوفان ہی آیا ہوتا تو سنگریزوں کی تہیں کیسے جم جاتیں؟ ہوا کا زور اُنہیں بھی اُڑائے لیے چلا جاتا اور پھر وہ دھماکا کیسا تھا اور کہاں ہوا تھا؟ ٹھیک دس بجے لوگوں کی حیرت رفع ہو گئی کیونکہ ایک بار پھر ڈاکٹر ہرمن ملکی براڈکاسٹنگ میں خلل انداز ہو رہا تھا۔ سارے ملک کے ریڈیو اس کی آواز ریسیو کرنے لگے۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"میں ڈاکٹر ہرمن آپ سے مخاطب ہوں۔ ٹیکم گڑھ کے شمال میں جو پہاڑ سڑک نکالنے کی اسکیم میں حارج ہو رہا تھا۔ اَب اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔ ٹیکم گڑھ کے باشندوں نے کچھ دیر پہلے جو دھماکا سُنا تھا۔ اُس نے اُسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سلسلے میں کوئی جانی یا مالی نقصان نہ ہُوا ہو گا۔ البتہ ٹیکم گڑھ کے حکام کو تھوڑی سی عرق ریزی ضرور کرنی پڑے گی۔ شاید شہر کی صفائی میں تین دِن لگ جائیں۔ ہزاروں ٹن سنگریزوں کا سمیٹنا آسان کام نہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اس صفائی پر جتنے بھی مصارف ہوں گے۔ اُن سے کہیں زیادہ قیمت اِن سنگریزوں کی ہو گی۔ یہ سنگریزے عمارتوں کے پلاسٹر کے لیے بہترین ثابت ہوں گے۔ دریائی ریت کے پلاسٹر سے کہیں زیادہ مضبوط پلاسٹر ان سنگریزوں سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ اب بھی اگر آپ ہرمن کو اپنا خادم نہ سمجھیں تو سراسر زیادتی ہو گی آپ نہیں جانتے کہ اس پہاڑ کو توڑنے کے لیے مجھے کیا کیا کرنا پڑا ہے۔ ایک زبردست طوفان جو شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کا رُخ موڑ کر اِدھر لانا پڑا۔ اور پھر اُسی طوفان نے اس پہاڑ کے پرخچے اُڑا دیے۔ ٹھہریے۔ ابھی کچھ دیر بعد آپ کا محکمۂ موسمیات اِس حیرت انگیز واقعہ کا اعلان کرے گا۔ اُسی وقت آپ میری بات پر یقین کر سکیں گے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ پریوں کے دیس کی کوئی کہانی سمجھیں۔

میں آپ کی بھلائی کے لیے بہت کچھ کر رہا ہوں۔ دیکھیے --- اِس بار اگر ملک کے کسی دریا میں سیلاب آیا تو آپ اُس کا بھی انجام دیکھ لیجیے۔ بس اَب اجازت دیجیے۔"

کرنل فریدی کوتوالی میں تھا جس وقت دُوسرے لوگ ریڈیو کے گرد بھیڑ لگائے ہرمن کا ایک ایک لفظ ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فریدی فون پر جھکا ہوا چنگھاڑ رہا تھا۔

"واصف صاحب --- نہیں ہیں! آپریشن رُوم سے کنکٹ کرو۔ فوراً --- اوہ --- اتنی دیر --- ہلو آپریٹر --- زیرو نائن کا ریسیونگ سیٹ کھول دو --- جلدی --- اور --- آواز آ رہی ہے --- نہیں ماؤتھ پیس اُس کے قریب کر دو --- میں خود سُننا چاہتا ہوں --- شکریہ --- ہاں ٹھیک ہے --- ہرمن ہی کی آواز ہے --- اب دیکھو --- انٹینا کدھر اشارہ کر رہا ہے ---! زاویے پر بھی دھیان رکھو۔"

"انٹینا قطب نُما کی سوئی کی طرح متحرک ہے جناب۔ اِس لیے سمت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ وہ کسی ایک جگہ رُکتا

ہی نہیں۔"

"افسوس ہے کہ تم زیرو نائمین کے استعمال سے ناواقف ہو... نیچے دیکھو... آٹھ سوئچ ہیں۔"

"جی ہاں جناب۔"

"بائیں طرف سے تیسرا سوئچ آن کردو۔ کردیا؟ ٹھیک اب دیکھو۔ انٹینا کس پوزیشن میں ہے؟"

"اوہ۔ یہ رُک گیا ہے جناب۔"

"سمت بتاؤ۔"

"شمال مغرب۔ جناب اور پچھتر کا زاویہ ہے۔"

"گڈ... دائیں جانب کا دُوسرا سوئچ آن کردو۔"

"کردیا جناب۔"

"رزلٹ۔"

"تین رنگوں کی روشنی اسکرین پر کپکپا رہی ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ تین ہی رنگ ہیں۔"

"مجھے یقین ہے جناب۔"

"شاباش... دونوں سوئچ آف کرکے مشین بند کردو۔ شکریہ۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کردیا۔ ڈاکٹر ہرمین کہہ رہا تھا۔

"بس اَب اجازت دیجیے۔"

فریدی جیسے ہی مُڑا۔ اُس کی نظر مقامی محکمۂ سُراغرسانی کے ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پر پڑی جو اُس کے پیچھے ہی کھڑا اُسے گھُور رہا تھا۔

"کیا سمت معلوم ہوگئی؟" اُس نے پُوچھا۔

"نہ صرف سمت بلکہ فاصلہ بھی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"سمت آپ کو انٹینا سے معلوم ہوئی ہوگی لیکن فاصلہ۔"

"نہ صرف فاصلہ بلکہ کسی حد تک محلِ وقوع بھی۔"

"شاید آپ خواب کی باتیں کررہے ہیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا۔

"زیرو نائمین کا رسیونگ سیٹ عام نہیں ہے۔ اِس لیے ہر ایک اس کے متعلق نہیں جان سکتا۔ تین رنگوں کی روشنی کا مطلب یہ ہے کہ جہاں رسیونگ سیٹ رکھا ہُوا ہے وہاں سے نشرگاہ صرف ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے اور پچھتر ڈگری کا زاویہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر نشرگاہ سے رسیونگ سیٹ تک خطِ مستقیم کھینچا جائے تو وہ خط اپنے بیس سے پچھتر ڈگری کا زاویہ بنائے گا۔ یعنی اس کیس میں نشرگاہ لازمی طور پر رسیونگ سیٹ سے کافی نیچائی میں ہے۔"

"یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کیا اُونچائی سے پچھتر ڈگری کا زاویہ نہیں بن سکتا؟"

"یقیناً بن سکتا ہے لیکن اُس صُورت میں زیرو نائمین کا انٹینا قطب نما کی سُوئی کی طرح تھرتھرائے گا نہیں۔ اس تھرتھراہٹ کا یہی مطلب ہے کہ نشرگاہ رسیونگ سیٹ کی سطح سے بہت نیچی ہے۔"

"لیکن اتنا معلوم ہو جانے پر بھی کیا ہوسکے گا؟"

"فی الحال مَیں نے اِس پر غور نہیں کیا ہے۔" فریدی نے کہا اور فون کے پاس سے ہٹ آیا۔

کوتوالی سے باہر آکر اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اَمر سنگھ نظر آیا جو لمبے لمبے قدم رکھتا ہُوا اُسی کی طرف آرہا تھا۔

"کیوں؟ سردار...۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں پتا لگتا جناب کہ فولادی پر کس نے پتھر چلایا تھا؟"

"بہت اچھے اَمر مَیں اسی لیے تمہاری قدر کرتا ہُوں۔"

"جی۔" امر سنگھ بوکھلا گیا۔

"مَیں تم پر طنز نہیں کررہا ہُوں۔ یہ مَیں نے اِس لیے کہا ہے کہ تُم نے آتے ہی اِس دھماکے کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ کام کی بات کی ہے۔ مَیں یہاں دُوسروں کو دیکھتا ہُوں جنہیں اس دھماکے نے اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کردیا ہے۔ تم بہت اچھے جارہے ہو اَمر۔ محکمے کو حقیقتاً ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے... خیر تو اس کے قریب کے لوگوں نے کیا بتایا؟"

"اُن کا کہنا ہے کہ مَرنے والے نے پتھر نہیں پھینکا تھا۔ بلکہ اُن میں سے کسی نے بھی یہ حرکت نہ کی تھی۔ پتھر شاید اُن کی پُشت سے آیا تھا لیکن ابھی تک ایک بھی ایسا آدمی نہیں مِل سکا جو پتھر پھینکنے والے کے متعلق کچھ بتا سکتا۔"

"کوتوالی کا پھاٹک اس وقت تک بند تھا۔" فریدی کچھ سوچتا ہُوا بولا۔ "اور ہم لوگ صحن میں تھے پھر یہی ہوسکتا ہے کہ پتھر پھینکنے والا ہمارے ساتھ ہی کوتوالی میں داخل ہُوا ہو۔"

"کیا اِس کا امکان نہیں ہے کہ کوتوالی ہی کے کسی آدمی نے پتھر پھینکا ہو؟"

"یہ بھی ممکن ہے لیکن کسی باہر ہی کے آدمی کے امکان کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیئے۔ پتھر پھینکنے کا مقصد بھی تو ہونا چاہیئے۔ یہ بچوں کا مجمع نہیں تھا۔ جدھر سے پتھر آیا تھا وہاں صرف یہیں کے آدمی تھے۔ اُن میں ایک بھی آفیسر نہیں تھا۔ بڑے آفیسر

سب میرے قریب تھے۔ لہٰذا ماتحتوں میں اتنی ہمت نہیں ہوسکتی کہ وہ آفیسروں کی موجودگی میں ایسی کوئی حرکت کر بیٹھیں۔"

"جی ہاں۔ یہ تو ناممکن ہے۔"

"پھر ہمیں باہر ہی کے کسی آدمی کی تلاش ہونی چاہیئے۔"

اتنے میں کوتوالی سے ایک کانسٹیبل نے آکر اطلاع دی۔ "فون پر فریدی صاحب کی کال آئی ہے۔"

"آؤ۔" فریدی نے امر سنگھ سے کہا اور پھاٹک کی طرف مُڑ گیا۔

فون کا کمرہ خالی تھا۔ فریدی نے اَمر سنگھ سے باہر ہی ٹھہرنے کو کہا اور خود فون کے قریب آگیا۔

"ہیلو۔"

"کون صاحب؟" دُوسری طرف سے آواز آئی۔

"فریدی۔"

"اوہ... کرنل صاحب... دیکھیے... مَیں رانا صاحب ایم۔ پی کا سیکرٹری ہُوں۔ رانا صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"رانا صاحب ایم۔ پی ملنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا وہ یہیں ہیں؟"

"جی ہاں۔ آج ہی تشریف لائے ہیں۔ کیا آپ تکلیف کریں گے؟"

"نہیں۔ مَیں بہت مصروف ہُوں۔" فریدی نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہُوئے کہا۔ "فی الحال ایک گھنٹے تک کوتوالی میں رہُوں گا۔ اگر وہ تشریف لا [illegible] تو مَیں کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکال لُوں گا۔"

دُوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔ فریدی ریسیور رکھتے ہُوئے مُسکرایا تھا۔

✤

دھماکا گھاٹم پور میں بھی سُنائی دیا تھا اور وہاں بھی بدحواسی پھیل گئی تھی۔ اس سے قبل طُوفان نے سراسیمگی پھیلائی تھی اور اب پیر صاحب کے معتقدین یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے تھے کہ شاید کسی نہ کسی سے مزار کی بے حُرمتی ہُوئی ہے۔ اِسی لیے اِس قسم کی بلائیں نازل ہورہی ہیں۔ دھماکے کے بعد وہاں بھی ریت کی بارش ہُوئی تھی لیکن حمید کو اس کی وجہ نہ معلوم ہوسکی۔ یہاں پولیس کیمپ بھی تھا لیکن وہ ابھی تک اس سے بے تعلق رہا تھا۔ ریت کی بارش ہونے کے کچھ دیر بعد اُس نے پولیس کیمپ کی راہ لی۔ وہ دراصل ٹرانسیمٹر پر فریدی سے گفتگو کرنا چاہتا تھا لیکن قبل اِس کے کہ وہ آفیسر انچارج اِس سلسلے میں گفتگو کرتا اُسے بعض لوگوں کی گفتگو سے معلوم ہوگیا کہ ٹرانسمیٹر میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔

وہ پھر واپس ہُوا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ رات کہاں بسر کرے گا؟ اس کا کیبن طُوفان کی نذر ہوچکا تھا۔ قاسم کے کیبن کا بھی یہی حال ہُوا تھا ورنہ وہ اِسی کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا! در نشاط کے منتظمین نے قطعی بے چارگی ظاہر کی تھی کیونکہ اِس علاقے میں کبھی طوفان آتے ہی نہیں تھے اِس لیے حفظِ ماتقدم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بہرحال نشاط والے اس وقت کوئی انتظام نہیں کرسکتے تھے۔

کیبن وہی تباہ ہُوئے تھے جو جھیل کے کنارے بنائے گئے تھے۔ فولادی نے پہلے ہی پیش گوئی کی تھی کہ جھیل کے کنارے والے کیبن تباہ ہوجائیں گے اور اب حمید یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اس طُوفان میں یقیناً کوئی غیر معمولی بات تھی۔ اُسے وہ مشینی آندھیاں یاد آئیں جن سے ایک بار سرزمین مصر میں سابقہ پڑا تھا۔ لوہے کے وہ پُتلے یاد آئے جو فولادی ہی کی طرح چل سکتے تھے لیکن گفتگو نہیں کرسکتے تھے۔ وہ خوفناک رات یاد آئی جب وہ اور فریدی اُس ناقابلِ تسخیر اور گونگے بہرے دُشمن کے پنجے سے نکلنے کے لیے بھاگتے پھر رہے تھے۔ وہ جھیل کے کنارے ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ چاندنی پہلے ہی کی طرح بکھری ہُوئی تھی اور جھیل کی مُرتعش سطح پر چاند کا عکس گل بُوٹے بنا رہا تھا۔ نیچر اس سے بے پروا تھی کہ کچھ دیر قبل یہاں کیا ہوچکا تھا!

حمید نے جیب سے پائپ نکالا اور اُس میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب نیچر ہی ایسے حوادث سے بے تعلق ہے تو آدمی کیوں خوامخواہ بور ہوتا ہے!

دفعتہً وہ چونک پڑا کیونکہ پولیس کا مائیکرو فون چیخ رہا تھا۔ "ڈاکٹر زیٹو... ڈاکٹر زیٹو... جہاں کہیں بھی ہوں پولیس کیمپ میں تشریف لائیں۔ کرنل ہارڈ اسٹون اُن کا انتظار کررہے ہیں۔"

حمید کو بڑی حیرت ہُوئی۔ آخر یہ حضرت یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وہ اُٹھا اور پولیس کیمپ کی طرف چل پڑا۔ کیونکہ ڈاکٹر زیٹو، اور کرنل ہارڈ اسٹون ایک دُوسرے کو خوب سمجھتے تھے۔

حقیقتاً وہ فریدی ہی تھا اور کیمپ میں اُس کا انتظار کررہا تھا۔

"آپ۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں آؤ۔" فریدی اُٹھتا ہُوا بولا۔ وہ دونوں خیمے سے باہر نکل آئے اور فریدی نے کہا۔ "تم پر کیا گزری؟"

"اِس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ کیبن اُڑ گیا اور اپنے ساتھ ایک سُوٹ کیس بھی لے گیا۔"

"اوہ۔ تو تم یہ رات کہاں گزارو گے؟ میں نے سُنا ہے ایسے لوگ فی الحال کس مپرسی کے عالم میں ہیں۔"

"بُھگتُوں گا۔ اور کیا؟"

"نہیں تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ واپس چلو گے۔"

"صبح ہو جانے دو پھر چلتے۔ اس وقت یہاں خچر بھی نہیں ملیں گے۔"

"میں ہیلی کاپٹر پر یہاں آیا ہُوں اور تمہاری واپسی بھی اُسی کے ذریعے ہو گی۔ فکر نہ کرو۔"

"یہ دھماکا کیسا تھا؟"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں چلتے رہے اور پھر اُس جگہ جا پہنچے جہاں ہیلی کاپٹر اُتارا گیا تھا۔

"یہ کمبخت فضائی موٹر سائیکل مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی کان پھٹ جاتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"چلو بیٹھو۔"

وہ دونوں ہیلی کاپٹر میں بیٹھ گئے اور ہیلی کاپٹر فضا میں بُلند ہونے لگا۔

فریدی نے حمید کو دھماکے کے متعلق بتانا شروع کیا اور اِس کے بعد حمید نے فولادی کی داستان دُہراتے ہُوئے کہا۔ "تو اُسے طوفان کا اغوا۔ سمجھنا چاہیئے۔"

"یقیناً اِس وقت سارے ملک میں ہیجان برپا ہے۔ محکمۂ موسمیات کے اعلان کے مطابق طوفان کا رُخ اِس طرح بدل جانا ناممکنات میں سے ہے۔"

دفعتہً ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ "اے ہیلی کاپٹر۔ پائلٹ --- ہوشیار کمپاس پر نظر رکھو۔ تمہارا رُخ جنوب کی طرف ہونا چاہیئے۔" ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہُوئے آدمی چونک پڑے۔ آواز پھر آئی۔ "اگر تم ٹیکم گڑھ جانا چاہتے ہو تو جنوب کی طرف موڑ لو۔ میں رہنمائی کروں گا۔ ٹھہرو۔ میں تمہارے قریب پہنچ رہا ہُوں۔"

"فولادی۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ دوسرے ہی لمحے فولادی ہیلی کاپٹر کے برابر فضا میں تیر رہا تھا اور دونوں کی رفتار یکساں تھی۔

"موڑو۔ جنوب کی طرف۔ اُدھر خطرہ ہے۔ تم سب اُس پہاڑی کی طرف کھنچے چلے جاؤ گے جو کچھ دیر قبل ریزہ ریزہ ہو چکا ہے۔ ابھی تک ڈاکٹر ہرمین اُس کشش پر قابو نہیں پا سکا جس نے طوفان کا رُخ موڑا تھا۔"

فولادی کے سر سے خارج ہونے والی روشنی ہیلی کاپٹر کے اندر بھی پھیلی ہُوئی تھی۔ فریدی کی ہدایت پر ہیلی کاپٹر کا رُخ جنوب کی طرف موڑ دیا گیا۔

"اوہ۔ تم دونوں کو تو میں پہچانتا ہُوں۔" فولادی سے آواز آئی۔ "تم ابھی کچھ دیر پہلے نیلم کے ساتھ تھے اور تم مجھے پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔"

"اور وہاں کسی قانون کے دُشمن نے تم پر پتھر چلایا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے اِس پر بے حد افسوس ہے۔"

"میرا کیا بگڑا۔ نقصان تمہارا ہی ہُوا۔" فولادی نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر ہرمین --- تمہارے متعلق میری ایک پیش گوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پیش گوئی؟ میرے متعلق؟ وہ کیا ہے؟"

"تمہارا طریق کار تمہیں لے ڈوبے گا۔ میں ابھی کہتا ہُوں کہ اگر تم انسانیت کی خدمت بھی کرنا چاہتے ہو تو منظرِ عام پر آ جاؤ۔ ہم لوگ اِتنے ناسپاس گزار نہیں ہیں کہ تمہارے شایانِ شان استقبال نہ کریں گے۔"

"ناممکن ہے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی قبر نہیں کھود سکتا۔" فولادی سے آواز آئی۔

"تمہاری مرضی۔ لیکن اس وقت تم نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ قطعی غیر قانونی حیثیت رکھتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس سے کوئی جانی نقصان نہیں ہُوا۔"

"لیکن اس کے امکانات تھے۔"

"کسی بھی تعمیر کے سلسلے میں تھوڑی بہت تخریب ہوتی ہی ہے۔"

"اور وہ تخریب اُسی وقت برداشت کی جاسکتی ہے جب ملک کا قانون اس کی اجازت دیتا ہو۔"

فولادی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ ہیلی کاپٹر کے ساتھ اُس کی پرواز جاری رہی۔

"نیلم سے تمہاری بڑی گہری دوستی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں مجھے وہ بہت پسند ہے۔ ایک ننھی مُنّی سی نڈر لڑکی وہ مجھے بے حد پسند ہے۔"

"میں اسے دُنیا کی عظیم ترین عورت بناؤں گا۔"

"اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ ایک ہی ٹکر اِس اُڑنے والی مشین کے پرخچے اُڑا دے گی۔ فولادی کی آواز غصیلی تھی۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے حمید کے ہاتھ کو دبا کر آہستہ سے کہا۔

تقریباً ایک ہفتے تک ٹیکم گڑھ سے ریت ہٹائی جاتی رہی۔ اسی دوران میں حکومت کو جن دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑا بیان سے باہر تھیں۔ لوگ دُور دراز سے سفر کر کے فولادی کو دیکھنے کے لیے آتے۔ شہر میں بھیڑ بڑھتے دیکھ کر باہر سے آنے والوں پر پابندی لگا دی گئی۔ صرف وہی لوگ ٹیکم گڑھ کی حدود میں داخل ہو سکتے تھے جن کا یہاں آنا اشد ضروری ثابت ہو جاتا۔ فولادی اَب بھی شہر میں گشت کرتا تھا لیکن اب اُس کے آس پاس مسلح پولیس موجود ہوتی یا وہ فوجی سپاہی ہوتے جو ٹیکم گڑھ کی صفائی کے لیے طلب کیے گئے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی ایسی جگہ نمودار ہوتا جہاں نہ پولیس ہوتی اور نہ فوج۔ ایسے مقامات پر عام لوگ اُسے گھیر لیتے۔ وہ اب اُس سے خائف نہیں تھے۔

ایک رات فولادی کا گزر ایسی جگہ ہُوا جہاں دو پارٹیوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا۔ معمولی جھگڑے نے بلوے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ چند غیر مسلح کانسٹیبل دُور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ غالباً اُنہیں مسلح کانسٹیبلوں کا انتظار تھا۔

"ہٹ جاؤ۔۔۔ ہٹ جاؤ۔" فولادی چیخا۔ "جھگڑا ختم کر دو۔ ورنہ میں زبردستی دونوں پارٹیوں کو الگ کر دُوں گا۔۔۔ تمہارے چوٹیں آئیں گی۔"

لڑنے والوں نے دھیان نہ دیا۔ فولادی آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھ رہا تھا پھر وہ اُن سے پچاس قدم کے فاصلے پر رُک گیا۔

"یہ دیکھو۔" اس نے کہا اور ساتھ ہی اُس کا ایک ہاتھ اُٹھا۔

"اب بھی ہٹ جاؤ۔" اُس نے دوبارہ کہا لیکن لڑنے والوں پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ دفعتہً اُس کے اُٹھے ہُوئے ہاتھ سے چنگاریوں کی بوچھار ہونے لگی۔

بلوائی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"بس اب بھاگ جاؤ ورنہ تمہارے جسموں پر بڑے بڑے آبلے ہوں گے۔ بھاگو۔" فولادی نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا اور وہ سچ مچ بھاگ نکلے۔

ایک بار اسی طرح اُس نے چند غنڈوں کی مرمت کی تھی جو راہ چلتی عورتوں کو چھیڑ رہے تھے۔ اکثر توانا و تندرست گداگروں کو راہ میں روک کر اُنہیں لعنت و ملامت کرتا۔ غرضیکہ ابھی تک وہ ہر طرح امن پسند ہی ثابت ہوتا رہا تھا لیکن فریدی مطمئن نہیں تھا۔ اُس کے سامنے بیک وقت دو مسائل درپیش تھے۔ ایک ڈاکٹر ہرمین اور دُوسرے وہ اسمگلر جن کے کیس کا فائل اس سے لے لیا گیا تھا۔ حالانکہ اُس نے فی الحال اُنہیں نظر انداز ہی کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن خود اُنہی کی طرف سے چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ اس دوران میں بھی اُس پر دو حملے ہو چکے تھے اور دُوسرا حملہ یقیناً خطرناک تھا لیکن بعض درخت ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں بڑے سے بڑا طوفان بھی نہیں ہلا سکتا۔ یہی کیفیت فریدی کی بھی ہُوئی تھی۔ اُس پر دستی بم پھینکا گیا تھا لیکن اِس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکا تھا کہ اُس کی پنڈلیوں میں دو چار ہلکے سے زخم آ گئے ہوں۔ اِس حادثے کے بعد ہی حمید نے قسم کھائی تھی کہ جب بھی نیلم ہاتھ لگی اُسے حراست میں لے کر کم از کم گروہ کا قلع قمع تو کر ہی ڈالے گا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اب تک اُسے بے وقوف بناتی رہی ہے۔ مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ کسی طرح فریدی پر قابو پایا جاسکے۔

نیلم ایک سوال تھی! غیر معمولی حالات میں اُس سے ملاقات ہُوئی تھی اور وہ خود بھی ابھی تک غیر معمولی ہی ثابت ہوتی رہی تھی۔ گھام پور کے میلے سے واپسی پر بھی ایک بار وہ حمید سے ملی تھی لیکن پھر جب سے فریدی پر حملے شروع ہُوئے تھے کہیں اُس کی پرچھائیں بھی نہیں نظر آئی تھی۔ دوسری طرف ڈاکٹر ہرمین کی تلاش بھی جاری تھی۔ ٹیکم گڑھ کے قرب و جوار کے ویران علاقے ہر وقت۔۔۔ فوجیوں کے وزنی جُوتوں کی دھمک سے گُونجتے رہتے تھے۔ فریدی اور حمید کی تگ و دَو بھی جاری تھی۔ ان کے ساتھ لاسلکی کے دو ماہرین بھی ہوتے تھے اور ان کا سفر صرف شمال مغرب ہی کی طرف ہوتا تھا لیکن اُنہیں ابھی تک کامیابی نہیں ہو سکی تھی۔

ہرمین کی تقریریں روزانہ سُنی جاتیں لیکن اُنہیں سُننے کا طریقہ وہی تھا جو ہرمین نے بتایا تھا۔ وہ اَب مُلکی نشریات میں خلل انداز نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس کی تقریر سُننے کے خواہش مند اسٹیتھو سکوپ اور اُس کے بتائے ہُوئے محلول کے ذریعے اپنی یہ خواہش پُوری کرتے تھے۔ فریدی کے ساتھ کام کرنے والوں نے اِسی فارمولے کے تحت ایک چھوٹا سا سیٹ بنا لیا تھا اور اب اس فکر میں تھے کہ کسی طرح وہ سیٹ بھی نشرگاہ کی سمت ظاہر کرنے کے قابل ہو جائے۔

فریدی کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتیں ضائع کر رہا ہے۔ اگر اُس نے محکمہ سُراغ رسانی کا رُخ کرنے کی بجائے لاسلکی میں دلچسپی لی ہوتی تو شاید آج وہ بھی ایک موجد کی حیثیت سے پبلک میں رُوشناس ہُوا ہوتا۔

اس وقت وہ چاروں ایک غار میں بیٹھے بارش تھمنے کا انتظار کر رہے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر یہیں رات ہو گئی تو صبح کوئی کفن دفن کرنے والا بھی نہ ملے گا کیونکہ بارش کی وجہ سے اچھی خاصی سردی ہو گئی تھی اور اُسے اگست میں بھی دسمبر یا جنوری کا مزا آ رہا تھا۔ وہ صبح سے اب تک چلتے ہی رہے تھے۔ اگر بارش نہ شروع ہو جاتی تو شاید اب بھی اُن کا سفر جاری ہی رہتا۔

حمید تھک کر چُور ہو گیا تھا اور وہ بارش اُس کے لیے سچ مچ بارانِ رحمت ہی ثابت ہُوئی تھی لیکن جب وہ کسی طرح رُکنے کو نہ آئی تو وہ بور ہونے لگا۔ اُس کے لیے واپسی کا سفر اِتنا کٹھن نہ ہوتا جتنا کہ اُس غار میں رات بسر کرنا؟

"کیپٹن آپ خاموش نہ ہُوا کریں تو بہتر ہے" جمیل نے کہا اور اُس کے ساتھی نے بھی اس کی تائید کی۔

"ایک خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے" حمید سر ہلا کر بولا۔

"خُدا کے لیے خاموش ہی رہنا" فریدی نے مُسکرا کر کہا "ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں بھی ٹل جاؤں"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور پائپ بھرنے لگا۔ فریدی نے ایک پتھر سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سگار اُس کی اُنگلیوں میں دبا ہُوا سلگ رہا تھا اور دونوں ماہرین اِس مسئلے میں اُلجھے ہوئے تھے کہ معدے کے لیے چائے مضر ہے یا کافی؟

"دونوں ہی مضر ہیں" حمید نے شاید بحث کا خاتمہ کرنے کے لیے کہا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" جمیل بولا۔

"کیونکہ فی الحال اِن دونوں میں سے ایک بھی ہمیں نصیب نہیں" حمید نے جواب دیا "ورنہ میں اپنا معدہ تباہ کر کے آپ کو دکھا دیتا"

"تم بہت تھک گئے ہو۔ اِس لیے خاموش ہی رہو تو بہتر ہے" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ مگر تھوڑی دیر بولنا ہی پڑا کیونکہ وہ بہت شدت سے کافی یا چائے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے کہا "اگر اس وقت میں نے اپنا معدہ برباد نہ کیا تو نزلہ کام میں مُبتلا ہو جاؤں گا"

فریدی اس کی طرف دھیان دیے بغیر ماہروں کی طرف دیکھ کر بولا "ہم اب تک شمال مغرب میں تقریباً ساٹھ میل کا سفر کر چکے ہیں لیکن ابھی پہلا ہی دن ہے۔ زیرو نائین سے صرف سمت اور فاصلہ ہی معلوم ہو سکتا ہے لیکن ہم ساٹھ میل کے اندر دائرۂ عمل نہیں متعین کر سکے۔ اب اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسا سیٹ ہوتا جو نشر گاہ کی طرف اشارہ کر سکتا"

فریدی جُملہ پُورا کیے بغیر خاموش ہو گیا۔ حمید اُسے گھُورنے لگا کیونکہ اس کے لیے پوری بات کہے بغیر خاموش ہو جانا خلافِ معمول تھا۔ وہ دونوں ماہرین بھی اُس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

"کیا بات ہے؟" آخر حمید پوچھ ہی بیٹھا۔

"کچھ نہیں۔ میں یہ سوچنے لگا تھا کہ وہ لڑکی نیلم۔۔۔ اِس سلسلے میں کارآمد ثابت ہو سکتی ہے"

"یہ بالکل انوکھی بات ہوئی ہے" حمید سر ہلا کر بولا۔

"کیوں؟"

"کیا اُس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟"

"تجربے کے طور پر" فریدی نے جواب دیا۔

"میں اُسے آج تک سمجھ ہی نہیں سکا"

"میرا خیال ہے کہ وہ ذہنی کشمکش کی ایک بہترین مثال ہے"

"لیکن آپ اُس سے کام لیں گے"

"پہلے اُسے تلاش کرنے کی کوشش کرو"

"کیا یہ لڑکی سچ مچ دُنیا کی بڑی عورت بننے والی ہے"

حمید نے کہا اور پھر یکبیک بات ہی اُڑا دی۔ شاید کوئی شاندار پھبتی اُس کے ذہن میں کلبلائی تھی لیکن پھر ان دونوں ماہرین کی موجودگی کا خیال آتے ہی اُسے 'گُل' دینے کا اِرادہ ترک کر دیا۔

"اُسے تلاش کرو" فریدی نے پھر کہا۔

"ضروری نہیں کہ وہ مل ہی جائے کیونکہ جب سے حملوں کا دور شروع ہُوا ہے۔ اُس کی شکل نہیں دکھائی دی"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وقت گزرتا رہا اور [illegible] ہوتی رہی دفعتہً حمید بڑبڑایا۔

"اب اتنی رات گئے کہاں تشریف لے جایئے گا۔ آرام کیجیے۔ اگر بھوک لگے تو پتھر حاضر ہیں۔ پیاس ہر حال میں بُجھ جائے گی کیونکہ بادل اتنی دیر سے جھک نہیں مار رہے ہیں"

"ہاں۔ رات تو اب یہیں بسر ہو گی۔ ہو سکتا ہے پانی کے لیے بادلوں ہی کا ممنون ہونا پڑے لیکن تمہیں پتھر نہیں چبانے پڑیں گے۔ مطمئن رہو"

حمید جانتا تھا کہ فریدی کے چرمی تھیلے میں بہت کچھ ہے لیکن وہ اس سرد رات میں ٹھنڈے گوشت سے بچنا چاہتا تھا۔

"میں سڑی بُسی اشیاء پر پتھروں کو ترجیح دیتا ہُوں" حمید نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا بَک جاتا مگر جمیل اور کرمانی کی موجودگی مانع رہی۔

کچھ دیر بعد سفری اسٹوو روشن ہو گیا اور اُس پر کافی کے لیے پانی رکھ دیا گیا۔ اُن کے پاس خُورد و نوش کے سارے لوازمات موجود تھے۔ چونکہ سفر طویل ہو جانے کے امکانات بھی ہوتے تھے اس لیے فریدی تقریباً سارے ہی انتظامات کا خیال رکھتا تھا۔

دفعتہً ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہُوا۔ فریدی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دُوسرے ہی لمحے میں ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"کرنل۔۔۔ فریدی۔۔۔ کرنل فریدی۔ واصف اسپیکنگ پلیز"

"فریدی اسپیکنگ۔۔۔ ہلو"

"آپ کہاں ہیں؟"

"یہ نہیں بتایا جا سکتا۔ آپ مدعا بیان فرمایئے"

"فولادی نے یہاں تہلکہ مچا دیا ہے۔ ایک کار اُلٹ دی ہے۔ دو آدمیوں کو کچل دیا اور اب شاید اُس کا ارادہ ہے کہ مشن روڈ کے سارے الیکٹرک پول اُکھاڑ کر پھینک دے گا"

"یہ ہُوا کیسے؟ کیا اُس پر حملہ کیا گیا تھا؟"

"نہیں اس قسم کی کوئی اِطلاع نہیں ملی۔ یکبیک اُس نے ایک کار اُلٹ دی تھی۔ لوگ ڈر کر بھاگے تو اُن پر چڑھ دوڑا۔ نتیجے کے طور پر دو آدمی ہلاک ہو گئے۔ شہر سُنسان ہو گیا ہے"

"پھر۔۔۔ اب کیا ہو رہا ہے؟ کیا فوجیوں نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی تھی؟"

"نہیں۔ لیکن اب اُس پر چاروں طرف سے گولیاں برسائی جا رہی ہیں"

"گولیوں کا حشر؟" فریدی بُرا سا مُنہ بنا کر بولا۔

"اُن سے لاتعداد فوجی زخمی ہو گئے ہیں"

"اور اس کے باوجود بھی یہ کھیل جاری ہے" فریدی غُرّایا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ حکام نے شہر فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ اب تجویز یہ ہے کہ اُس پر بھاری گولے پھینکنے والی تُوپیں آزمائی جائیں"

"ٹیکم گڑھ کھنڈر بن جائے گا۔ اِس خبط سے اُنہیں باز رکھیے۔ اس کی بجائے یہ معلوم کیجیے کہ اُس کے رویّے میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی؟"

"اب وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتا گونگا اور بہرہ ہو چکا ہے۔ آج جب وہ وہاں پہنچا تھا تو معمول کے مطابق نہ تو کسی سے گفتگو کی تھی اور نہ ٹریفک کانسٹیبل کو ہدایتیں ہی دی تھیں۔ بس آتے ہی ایک کار اُلٹ دی اور کار میں کوئی معمولی آدمی بھی نہیں تھا بلکہ ہوم سیکرٹری مسٹر چوہان تھے"

"مسٹر چوہان" فریدی نے متحیرانہ انداز میں دُہرایا۔

"ہاں کرنل۔ آپ جہاں کہیں بھی ہوں جلد از جلد ٹیکم گڑھ پہنچنے کی کوشش کریں"

"بارش کا زور کم ہونے سے پہلے ناممکن ہے کیونکہ ایسی طُوفانی بارش میں ہیلی کاپٹر استعمال کرنا خطرے سے خالی نہ ہو گا"

"بہرحال جلدی کیجیے" دُوسری طرف سے کہا گیا اور آواز بند ہو گئی۔

"دیکھا" فریدی طویل سانس لے کر بولا "وہی ہُوا جس کا خدشہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن اس کی فولادیت ضرور آ جائے گی"

"ہرمین کی شرافت اور نیک نفسی کہاں گئی؟" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اپنا سامان سمیٹ رہا تھا۔ جمیل اور کرمانی خاموش رہے۔ حمید نے غار کے دہانے پر آ کر دیکھا۔ بارش کے زور میں کمی نہیں ہُوئی تھی وہ پھر واپس آ گیا۔

"کیا آپ واپسی کی تیاری کر رہے ہیں؟" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا"

"بارش کا وہی عالم ہے۔ پیدل چلنے کا خیال ہی۔۔۔"

"ٹھہرو۔۔۔" فریدی نے کہا۔ وہ پھر ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

ٹرانسمیٹر سے آواز آئی "کرنل فریدی۔۔۔ کرنل فریدی واصف اسپیکنگ پلیز"

"فریدی اسپیکنگ"

"آپ کہاں ہیں؟"

"میں نے ایک بار کہہ دیا کہ یہ نہیں بتا سکتا"

"اوہ۔ پھر آپ کتنی دیر بعد یہاں پہنچ رہے ہیں؟"

"اس سے بھی اندازہ ہو جائے گا کہ ٹیکم گڑھ سے کتنی دُور ہُوں۔ لہٰذا اب سوال کا جواب بھی نہیں دے سکتا کیونکہ میں ابھی تک آواز سے آپ کو نہیں پہچان سکا۔"

"اوہ۔ اچھا... اچھا... مگر پہنچنے میں جلدی کیجیے۔ اعلیٰ حکام آپ کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں۔"

فریدی نے بُرا سا مُنہ بنا کر حمید کی طرف دیکھا۔ ٹرانسمیٹر سے آواز آنی بند ہو گئی۔

"یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"مَیں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

لیکن قبل اس کے کہ فریدی اُسے سمجھاتا ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "سوناگھاٹ پر بحری فوج کے لیے جو بندرگاہ تعمیر کی جا رہی ہے فوراً روک دی جائے ورنہ اس کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ مَیں ڈاکٹر ہرمین... یہاں کی حکومت سے مخاطب ہُوں۔ وہاں بحریہ کا اڈّہ نہیں بن سکتا۔ سارے جنگی جہاز وہاں سے کل آٹھ بجے تک ہٹا لیے جائیں۔ ورنہ نقصان کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہو جائے گا اور دُوسری وارننگ۔ اپنے جاسوسوں کو میری تلاش سے باز رکھو ورنہ تمہارے ہر شہر میں کم از کم ایک فولادی مزدور نظر آئے گا اور یہ تو تم ابھی دیکھ ہی چکے ہو کہ صرف ایک فولادی پورے پورے بریگیڈ تباہ کر سکتا ہے۔ کل آٹھ بجے رات تک سوناگھاٹ سے نیوی کے جہاز ہٹ جانے چاہئیں۔ کل آٹھ بجے رات تک... ورنہ آٹھ بج کر پانچ منٹ پر ایک بہت بڑے خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

آواز ختم ہو گئی اور فریدی کے ساتھی اپنا سامان ہی تلاش کرتے رہ گئے۔ وہ اس وقت بھی نشرگاہ کی سمت معلوم نہ کر سکے۔ زیرو نائین ساخت کا سیٹ اُن کے ساتھ تھا لیکن اُس کا ایک حصّہ اُنہیں وقت پر نہ مل سکا۔ وہ اُسے تلاش کرتے رہ گئے۔

"کیا مصیبت ہے؟" جمیل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اسے بدنصیبی کہتے ہیں!"

"پروا مت کیجیے۔" فریدی نے جواب دیا۔

کچھ دیر کے لیے سکوت طاری ہو گیا لیکن کیپٹن حمید اس تقریر کے دوران میں بھی اسٹو اور کافی کے برتن ہی کی جانب متوجہ رہا تھا۔ اُس نے برتن نیچے اُتار کر اُس میں کافی ڈال دی اور نتھنے سکوڑ سکوڑ کر اُس کی خوشگوار بُو اپنے پھیپھڑوں میں بھرتا رہا۔ پھر ان تینوں کے لیے بھی پیالیاں تیار کیں۔

جمیل اور کرمانی ہچکچائے کیونکہ اُنہوں نے ابھی ایک بُری خبر سُنی تھی اور وہ بھی نہ سوپایا تھا جس کے لیے وہ ان ویران پہاڑیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔

"ہاں... پیجیے نا۔" فریدی مُسکرایا۔ "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اولادِ آدم پر جو کچھ بھی آتی ہے گزر ہی جاتی ہے۔"

اُنہوں نے پیالیاں اُٹھائیں اور حمید تو پہلے ہی شروع کر چکا تھا اور وہ تین گھونٹ لینے کے بعد پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب شاید اُن کے زوال کا وقت قریب آگیا ہے۔ فولادی کے آگے کون ٹھہر سکتا تھا۔ ہرمین کا دعوےٰ غلط نہیں تھا کہ ہر شہر کے لیے صرف ایک فولادی کافی ہوگا۔

اُنہوں نے کافی ختم کی۔ اتنے میں ٹرانسمیٹر پر پھر اشارہ موصول ہُوا لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک کرنل فریدی کی پکار ہوتی رہی۔۔ پھر ٹرانسمیٹر خاموش ہو گیا۔ فریدی نے اس بار اُس کا سوئچ آف کر دیا۔

"مَیں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔ مَیں اُسے کتنی بار بتاؤں کہ بارش تیزی سے ہو رہی ہے۔ اس لیے سفر فی الحال ناممکن ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس عُذر میں وزن نہیں محسوس کر رہا ہے۔

"غالباً کرنل صاحب کا خیال ہے کہ اُنہیں ٹریپ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" جمیل نے کہا۔

"آپ کا خیال کسی حد تک صحیح بھی ہو سکتا ہے۔" کرمانی سر ہلا کر بولا۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مُسکراہٹ تھی۔

"بلکہ میرا خیال ہے کہ ہم کسی جال میں پھنس چکے ہیں۔ مجھے ہرمین سے توقع نہیں ہے کہ اتنی جلدی بدل جائے گا۔ مجھے وہ پتھر ابھی تک یاد ہے حمید صاحب جو کوتوالی میں فولادی پر پھینکا گیا تھا۔"

"مگر ہم جال میں کس طرح پھنس سکتے ہیں؟"

"مَیں اس وقت اسمگلروں کی بات کر رہا ہُوں۔"

"گڈ لارڈ۔ وہ اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہمیں کیسے ٹریپ کریں گے؟"

"کر چکے فرزند! پہلے ہی مجھ سے غلطی ہو چکی ہے۔ مَیں نے پہلی کال کے جواب میں بھی احتیاط برتی تھی لیکن پھر بھی

ہیلی کاپٹر کا تذکرہ آ ہی گیا تھا۔"

"مَیں اس وقت بہت زیادہ غور کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہُوں۔" حمید نے اُکتا کر کہا۔

"ہمارے ساتھ ہیلی کاپٹر ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ہم دُشوار گزار پہاڑیوں میں سفر کر رہے ہیں اور دُشوار گزار پہاڑیاں اس علاقے کے علاوہ ٹیکم گڑھ میں اور کہیں نہ ملیں گی۔"

حمید مُنہ کھول کر رہ گیا۔ دونوں ساتھی نہ صرف متحیّر بلکہ خوفزدہ بھی نظر آ رہے تھے۔

"پھر اب کیا ہوگا؟" جمیل نے کہا۔ "ہم دونوں تو شاید صحیح طریقے سے ریوالور پکڑ بھی نہ سکیں۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" فریدی مُسکرایا۔ "آپ سے اتنی توقع تو کی ہی جا سکتی ہے کہ جو کچھ آپ سے کہا جائے وہی کریں۔"

"آپ غلط سمجھے۔" کرمانی بول اُٹھا۔ "ہم خائف نہیں ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ ہمیں جنگ و جدل کا تجربہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی پریشانیوں میں اضافے ہی کا باعث بن جائیں۔"

"اس کی پروا نہ کیجیے۔"

"ارے اگر گولی لگ گئی۔ مارے گئے تو کیا پیدا کرنے والے کرائے پر مہیا کیے جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"فضول بکواس نہ کرو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"یہی حضرات چاہتے ہیں کہ میں کبھی خاموش نہ ہُوا کروں۔"

اُن دونوں کے ہونٹوں پر بے جان سی مُسکراہٹیں نظر آئیں لیکن وہ کچھ بولے نہیں۔ فریدی نے پھر سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ دفعتہً اُس نے حمید سے کہا۔ "تم یہ دیکھ ڈالو کہ اس غار کا کوئی دُوسرا دہانہ بھی تو نہیں ہے۔"

حمید نے ٹارچ نکالی اور غار کا جائزہ لینے لگا۔ کرمانی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر حمید نے رپورٹ دے دی کہ اُس غار میں کوئی دُوسرا دہانہ نہیں تھا اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ وہ اُس کے اندر محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔

کچھ دیر بعد بارش کا زور کم ہونے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ گھٹاٹوپ اندھیرے میں شاید چار ٹارچیں بھی ناکافی ہوں۔

فریدی غار کے دہانے تک آیا۔ حمید وغیرہ سامان اُٹھا رہے تھے۔ فریدی کچھ دیر تک دہانے پر ٹھہرا اور واپس آگیا۔

"ہو سکتا ہے کہ میرے اندیشے بالکل ہی غلط ہوں۔" اُس نے کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ اُنہوں نے اپنا اپنا سامان سنبھالا اور غار سے باہر نکل آئے۔ بارش اب صرف ہلکی سی پھواروں تک محدود رہ گئی تھی۔ وہ اس طرف چل پڑے جہاں ہیلی کاپٹر کھڑا کیا گیا تھا۔ خود فریدی ہی اُسے پائلٹ کر کے یہاں تک لایا تھا۔ ہیلی کاپٹر تک پہنچنے میں اُنہیں کوئی دُشواری نہیں پیش آئی۔ حمید اُس وقت تک ریوالور سنبھالے رہا جب تک ہیلی کاپٹر فضا میں نہیں بلند ہو گیا۔ ٹیکم گڑھ پہنچ کر حقیقتاً اُنہوں نے سارے بازار ویران دیکھے۔ البتہ گلی کوچوں میں بھی مسلح فوجی گشت کر رہے تھے جیسے ہی ہیلی کاپٹر شہر میں داخل ہُوا ٹرانسمیٹر پر فوجی وائرلیس سے پوچھ گچھ ہونے لگی۔ فریدی نے اپنی شخصیت ظاہر کیے بغیر پرواز کی اہمیت بتائی۔

"آپ ائرپورٹ کے علاوہ اور کہیں نہیں لینڈ کر سکتے۔" جواب ملا۔

فریدی نے ہیلی کاپٹر کا رُخ ائرپورٹ کی طرف پھیر دیا۔

"تو پھر وہ پیغام واصف ہی کا تھا۔" حمید نے کہا۔

"یقیناً اُسی کا تھا۔ لیکن ٹرانسمیٹر پر میں نے اُس کی آواز پہلی بار سُنی تھی۔ اِس لیے یقین کر لینے میں تامّل ہُوا۔"

اُنہوں نے فوجی ہدایت کے مطابق ہیلی کاپٹر ائرپورٹ ہی پر اُتارا لیکن نشاط تک پہنچنے کا مرحلہ ابھی باقی تھا کیونکہ یہاں ائرپورٹ کے باہر بھی فوجیوں کا کڑا پہرہ تھا اور وہ مُسافروں کو باہر نہیں نکلنے دے رہے تھے۔ یہیں اُنہیں یہ بھی معلوم ہُوا کہ فولادی پر گولے پھینکنے والی گنیں بھی استعمال کی گئی تھیں لیکن گولوں کا بھی وہی حشر ہُوا جو گولیوں کا ہُوا تھا۔ یعنی وہ بھی پلٹ گئے تھے اور ان کی واپسی سے بہتیری عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا۔ پھر ایک حادثہ اور ہُوا۔ جب فولادی نے فضا میں پرواز شروع کی تو ایک جیٹ طیارہ اُس کے تعاقب میں روانہ ہُوا لیکن وہ پانچ ہی منٹ بعد زمین پر تھا۔ کسی کو نہ معلوم ہو سکا کہ یہ حادثہ کیسے ہُوا تھا؟ پائلٹ بچا ہی نہیں تھا کہ تفصیل معلوم ہو سکتی۔

اُنہیں وہ رات ائرپورٹ ہی پر بسر کرنی پڑی۔ ویسے اگر فریدی چاہتا تو ائرپورٹ سے واصف کو فون کر کے اپنی روانگی کا انتظام کرا سکتا تھا۔ لیکن اُس نے خود ہی شہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

اس کی وجہ حمید کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ استفسار پر فریدی نے اتنا ہی کہا۔ "فضول ہے۔ جو کچھ بھی ہونا تھا ہو چکا۔ اب کل آٹھ بجے رات سے پہلے کچھ نہیں ہوگا۔ دیکھیں ہرمین کس

طرح اپنی ڈیگی کو عملی جامہ پہناتا ہے!

❖

سراسیمگی صرف ٹیکم گڑھ ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کا اثر ملک کے دُور اُفتادہ حصّوں پر بھی پڑا تھا۔ چونکہ ہرمین کا اعلان مُلک کے گوشے گوشے میں سُنا گیا تھا۔ اس لیے ہیجان پھیلنا لازمی تھا۔ دُوسرے ہی دن ٹیکم گڑھ فوجی علاقہ قرار دے دیا گیا۔ شہری آبادی ویران ہونے لگی۔ ٹیکم گڑھ سے لوگ نکل بھاگنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے لیکن اب چونکہ نظم و نسق فوج کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے وہ روکے جانے پر احتجاج بھی نہیں کر سکتے تھے۔

فریدی اور حمید عضوِ معطل کی طرح محکمۂ سراغرسانی کے دفتر میں وقت گزار رہے تھے۔

سُپرنٹنڈنٹ واصف فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "اس ٹیکم گڑھ میں کیا کیا نہیں ہُوا! نیلی روشنی والا کیس مجھے آج بھی یاد ہے۔ آپ ہی تو تھے جس نے لایعنی اور بے سر و پا کیس کی کڑیاں ملائی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہرمین بھی آپ کے ہاتھوں شکست کھائے گا۔"

"ضروری نہیں۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہُوئے کہا۔ "نیلی روشنی والا کیس اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کیا اس سلسلے میں بھی اتنا ہی ہیجان پھیلا ہُوا تھا۔"

واصف کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ "اگر سونا گھاٹ سے بحریہ کے جہاز نہ ہٹائے گئے تو حقیقتاً حکومت کو کسی بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"کس قسم کا خسارہ؟"

"یہ تو وقت آنے پر ہی معلوم ہو سکے گا۔"

"کیا آپ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟"

"فی الحال اتنا ہی کہ سونا گھاٹ سے سارے جہاز ہٹا لینے کا مشورہ دُوں۔ مَیں نے ہیڈ آفس کو اس سلسلے میں ایک تار دیا ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ جہاز وہاں سے نہیں ہٹائے جائیں گے۔" حمید بول پڑا۔

"وہ ہٹائیں یا نہ ہٹائیں۔ میری ناقص رائے یہی ہے اور یہی رہے گی۔ فی الحال اپنا زیادہ سے زیادہ بچاؤ کرنا پڑے گا۔"

فریدی اپنی تاویلات پیش کر رہا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ہرمین کی دھمکی کا انجام دیکھے بغیر نئے سرے سے کام نہیں شروع کرنا چاہتا تھا۔ دوپہر ہونے سے پہلے ہی وہ نشاط میں واپس آ گئے تھے۔ ان کا قیام اب بھی یہیں تھا۔ نشاط پہنچ کر حمید کو قاسم کی تلاش ہُوئی کیونکہ وہ پچھلی رات سے اب تک بے تحاشا بور ہو رہا تھا۔ قاسم مِلا تو لیکن اُس کا مُوڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی اُس کا مُنہ پہلے سے زیادہ ٹیڑھا ہو گیا۔

"کیوں پیارے کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں... گھر جاؤں گا۔" قاسم غرّایا۔

"تمہیں روکا ہے کس نے؟"

"ہاں سب تمہاری ہی حرکت ہے۔"

"مَیں نے کیا کیا ہے؟"

"یہ باہر جو فوجی موجود ہیں۔"

"آ... ہاں... وہ تو تمہیں بھی روک رہے ہیں۔"

قاسم کچھ نہ بولا۔ حمید نے کہا۔ "تم خوامخواہ بور ہو رہے ہو۔ اتنی بڑی آبادی ہے کیا سبھی مر جائیں گے؟"

"مَیں مرنا چاہتا ہُوں۔" قاسم بھرّائی ہُوئی آواز میں بولا۔

"کیوں۔ کیوں۔ خیریت...؟"

"کچھ نہیں جاؤ۔ مَیں بات نہیں کرنا چاہتا۔ چلے جاؤ۔"

قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "تم سالے بھیس بدل کر مجھے اُلّو بناتے ہو۔"

"شاید تم نشے میں ہو۔"

"تم خود نشے میں ہو۔ مٹّی کا تیل پی گئے ہو۔ مجھے نیلم نے بتایا تھا۔ خُدا کرے مرتے وقت تمہیں کلمہ بھی نصیب نہ ہو۔"

"نہیں۔ بڑی بی ایسا نہ کہو۔"

"بس اب چلے ہی جاؤ ورنہ... اچھا نہیں ہو گا۔"

"شاید تمہیں کسی نے بہکایا ہے... نیلم تمہیں کب اور کہاں ملی تھی؟"

"مل ہو گی کہیں... مَیں اب اُس کا نام بھی نہیں سُننا چاہتا۔"

"مجھے اُس کی تلاش ہے۔ اگر مل گئی تو ایسی سزا دُوں گا جو زندگی بھر یاد رہے۔"

"قیوں؟ قیوں؟"

"اُس نے مجھے دھوکا دیا۔ وہ پکّی فراڈ ہے۔"

"کیسے دھوکا دیا؟"

"اُس کا ایک ساتھی ہے بڑی مونچھوں والا۔"

"ارے بس۔" قاسم آنکھ نکال کر بولا۔ "اب زیادہ اُلّو نہ بناؤ۔ وہ تم ہی تو تھے۔ اتنا یاد رکھنا میرا نام قاسم ہے۔

"مَیں تمہارے باپ تک کے نام سے واقف ہُوں۔ مگر تمہیں کسی نے بہکایا ہے... کیا اُسی نے بتایا تھا کہ وہ بڑی مُونچھوں والا مَیں تھا۔"

"ہاں۔"

"افوہ... کتنی مکّار ہے! اِسی طرح اُس نے مجھے بھی دھوکا دیا تھا۔ وہ بڑی مونچھوں والا مجھے جہاں بھی مل گیا گولی مار دُوں گا۔"

"کیا دھوکا دیا تھا؟"

"یہ نہیں بتاؤں گا۔ بتاتے ہُوئے شرم آتی ہے لیکن تم بتاؤ کہ اُس سے اتنے بیزار کیوں ہو؟"

"ارے سالی نے کباڑا کر دیا۔ پیدل چلتے چلتے اُس کی ایسی کی تیسی۔ جہاں بھی مل گئی گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔"

"آخر کیوں؟"

"قیوں۔ قیوں قیا قرتے ہو؟" قاسم جھلّاہٹ میں کئی قاف بول گیا۔

"مَیں عنقریب اُسے حراست میں لینے والا ہُوں۔"

"وہ سالی... مجھے نہ جانے کہاں لے گئی تھی؟ اور مَیں قئے کرتے کرتے بے ہوش ہو گیا تھا۔"

"کہاں لے گئی تھی...؟ کیسے لے گئی تھی؟"

"میلے سے لے گئی تھی۔ وہ جس رات طُوفان آیا تھا اُس کی دُوسری رات بھی میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔"

قاسم نے اُس کا بیان اُسی کے انداز میں دُہرانے کے لیے ہینترا بدلا اور اپنی آواز باریک کرنے کی کوشش کرتا ہُوا بولا۔ "مَیں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ چلو میرے ساتھ... میری کار میں بیٹھ جاؤ۔"

"کار... وہاں میلے میں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں... سُنو تو۔ مَیں بالکل اُلّو کا پٹھا ہو گیا تھا۔ مجھے یقین آ گیا۔ مَیں نے کہا اگر تم اُونٹ پر بھی بٹھاؤ تو بیٹھ جاؤں۔ چلو... کہاں ہے کار؟ وہ مجھے وہاں لائی جہاں کار کھڑی تھی۔ مَیں اُس کے ساتھ ہی اُس میں بیٹھ گیا لیکن ڈرائیور کی سیٹ مجھے کہیں نہ دِکھائی دی۔ مَیں نے اُس سے پُوچھا ہی تھا کہ کار ہوا میں اُڑنے لگی اور میرا سر چکرانے لگا۔ مَیں نے جی بھر کر غُل غپاڑہ مچایا جس پر وہ بڑے پیار سے بولی۔"

قاسم خاموش ہو کر مُنہ چلانے لگا۔ پھر نیلم کی آواز کی نقل اُتارنے کی کوشش کرتا ہُوا بولا۔ "فولادی ہمیں اپنے گھر لے جا رہا ہے پیارے۔ وہ مجھے تنہا لے جا رہا تھا لیکن مَیں نے سوچا اپنے پیارے قاسم کو بھی ساتھ لیتی چلوں۔ کچھ دیر بعد ہم لوٹ کر واپس آ جائیں گے۔"

"کار اُڑنے لگی تھی؟" حمید نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"ہاں اُڑنے لگی تھی۔"

"تم نے فولادی کو دیکھا تھا؟"

"نہیں... وہ تو بعد میں نظر آیا تھا جب ہم وہاں اُترے تھے۔"

"کہاں اُترے تھے؟"

"تمہاری باپ کی سسرال میں۔" قاسم جھلّا کر بولا۔

"ابے مَیں کیا جانوں کہاں اُترے تھے؟"

"اچھا۔" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔ "تم اتنی دیر سے مجھے اُلّو بنا رہے تھے۔"

"نہیں۔ مَیں سچ بول رہا ہُوں۔ کیا وہاں کوئی آبادی تھی۔ سڑکیں تھیں۔ گلیاں تھیں کہ مَیں بتاؤں کہ فلاں محلّے میں اُترے تھے۔ فلاں سڑک پہ اُترے تھے۔ فلاں گلی میں اُترے تھے اور فلاں..."

"ٹھیک ہے مَیں سمجھ گیا۔ وہ کوئی ویران جگہ رہی ہو گی۔" حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

"ویران کی بھی چچی۔" قاسم نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "وہ ایسی واہیات جگہ تھی جہاں پتھروں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔"

"اور کیا ہوا؟"

"ارے سُنو تو سہی۔ میری طبیعت خراب تھی۔ جب وہ کار سے نیچے اُتری تو فولادی بھی دِکھائی دیا۔ وہ شاید کار کے اگلے حصّے میں تھا۔ اُس نے نیلم سے کہا کہ اسے یہیں اُتار دو۔ واپسی میں اسے یہاں سے لے لیں گے۔ نیلم اس پر تیار نہیں ہُوئی لیکن فولادی نے زبردستی کھینچ کر مجھے نیچے اُتار دیا اور کار نیچے چلی گئی تھی۔ مَیں نے نیلم کی چیخیں سُنی تھیں لیکن قئے کرتے کرتے میرے ہاتھ پیر کمزور ہو گئے تھے۔"

"کار نیچے چلی گئی...؟ کہاں... نیچے اُترتی چلی گئی تھی۔"

"ارے یار... کیوں کان کھاتے ہو۔ جہاں میں اُترا تھا اُس کے نیچے بڑی گہرائی میں زمین تھی شاید ایک میل۔ شاید دو میل یا اُس سے بھی زیادہ۔"

"تو وہ اُس گہرائی میں اُتر گئی تھی۔"

"ہاں۔ اور غائب ہو گئی۔ یعنی کہ غائب... غائب۔"

"پھر کیا ہُوا؟"

"کیا بتاؤں کیا ہوا۔ بارش ہونے لگی۔ کہیں سر چھپانے کو جگہ نہیں تھی۔ اِدھر اُدھر بھاگتا رہا پھر ایک غار مل گیا۔ خدا غارت کرے۔"

"واپسی پر تم پھر اُسی کار میں آئے ہو گے؟"

"مت جان جلاؤ ورنہ گھونسا مار کر کھوپڑی پلپلی کر دوں گا۔"

"کیوں پیارے۔ کیوں تاؤ کھا رہے ہو؟"

"پیارے مت کہو۔ پیارے کہنے والے پکے فراڈ ہوتے ہیں۔ اُس سالی نے بھی تو کہا تھا۔ پیارے۔۔ سے" قاسم پھر لچک گیا۔ "لیکن پیارا سالا بارش میں بھیگتا رہا۔ چوبیس گھنٹے تک بھوکا رہا۔"

قاسم کی آواز دردناک ہو گئی اور اُس نے اس طرح اپنا پیٹ تھپتھپایا جیسے اس وقت بھی بھوکا ہی ہو۔

"کیا وہ تمہیں واپس نہیں لائی تھی؟"

"نہیں۔ میں وہاں بھٹکتا رہا۔ مجھے راستہ بھی نہیں معلوم تھا۔ ایک چرواہے نے مجھے یہاں تک پہنچایا۔ میں نے اُسے پورے چار سو روپے دیے کیونکہ پورے تین دن بعد یہاں تک پہنچا ہوں۔ وہ بیچارہ اپنی بھیڑیں ذبح کرتا تھا اور بھون بھون کر مجھے کھلاتا تھا مگر اللہ قسم کتنا لذیذ گوشت تھا۔ سبحان اللہ!" قاسم خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔

"لیکن تم جس راستے سے پیدل آئے تھے کم از کم وہ تو تمہیں یاد ہی ہو گا۔"

"نہیں مجھے اتنا ہوش نہیں تھا کہ راستہ یاد رکھ سکتا۔"

"تم بالکل کوڑھ مغز ہوتے جا رہے ہو۔" حمید کو خواہ مخواہ غصہ آ گیا۔

"اے جیان سنبھال کے۔ راستہ میں بھولا ہوں یا تم۔ تم سے کیا مطلب؟ اب تو میں اسی ضد پہ گھر کا بھی راستہ بھول جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کیا کر لیتے ہو میرا۔"

"تم بالکل گدھے ہو۔"

"تم گدھے کے باپ نہیں بلکہ دادا ہو۔ خاموش رہو۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔ جاؤ میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ قاسم کے بیان پہ یقین کرے یا نہ کرے۔ وہ چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "یہ کہانی کتنی دیر میں تیار ہوئی تھی؟"

"تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔" قاسم غرّایا۔

"افسانہ نگار جھوٹا نہیں کہلاتا اُسے فنکار کہتے ہیں۔"

"کچھ بھی کہتے ہوں تم جاؤ یہاں سے مجھے سوچنے دو۔"

"میں تو سنوں کیا سوچ رہے ہو؟"

"کیوں بتاؤں؟ جاؤ۔"

"دیکھو! تم جو کچھ بھی سوچ رہے ہو اُس کا جواب چٹکی بجاتے دے سکتا ہوں۔ ویسے تم سوچتے سوچتے مر جاؤ تب بھی تمہیں جواب نہ ملے گا۔"

"کیوں نہ ملے گا؟"

"دس میل پیدل چلنے سے کم از کم ایک ہفتہ تک دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا۔"

"نہیں۔" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"قطعی۔ چین کے نامور ڈاکٹر چی چی چوں کا یہی خیال ہے اور پھر تم تو دس میل سے زیادہ ہی چلے ہو گے۔"

"بہت زیادہ۔ تین دن بعد یہاں پہنچا ہوں۔"

"اور پھر کچھ سوچنے کی کوشش کر رہے ہو۔ لعنت تم۔۔۔ اور مجھ پہ۔"

"نہیں نہیں۔ کہہ دو تم پہ۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "کہہ کر دیکھو کیسی گت بناتا ہوں۔"

"نہیں ڈیئر۔ ہاں کیا سوچ رہے تھے؟"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آخر یہ سالا فولادی کیسے محبت کرتا ہو گا؟" قاسم ناک پہ اُنگلی رکھ کر بولا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھا تھا۔ شاید کوئی ایسی بات سوچ رہا ہے جس سے ممکن ہے معلومات میں مزید اضافہ ہو سکے۔

"کیوں۔ فولادی کی محبت کا خیال کیسے آیا؟" حمید نے کہا۔

"پھر وہ اُسے کیوں لے گیا تھا؟"

"اُس کے باپ سے پوچھ کر جواب دوں گا۔" حمید نے کہا اور قاسم کے کمرے سے چلا آیا۔ وہ جلد از جلد فریدی کو یہ کہانی سنانا چاہتا تھا۔

فریدی نے اُسے بہت سکون کے ساتھ سنا۔ وہ اکثر درمیان میں دو ایک سوال بھی کر بیٹھتا تھا۔ جب حمید کہانی سنا چکا تو اُس نے کہا۔ "قاسم کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں اُس کی زبان سے سارے واقعات سننا چاہتا ہوں۔"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ کہانی سناتے وقت بھی اُسے قاسم کی نیت میں فتور ہی محسوس ہوتا رہا تھا۔ وہ اب یہاں سے اُٹھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے سوچا تھا کہ قاسم کے ساتھ کچھ دیر دل بہلائے گا لیکن ممکن نہ ہوا۔ ہوٹل کے باہر فوجیوں کا پہرہ تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے سارے شہری اُنہی کی گولیوں کا نشانہ بن کر موت کی آغوش میں جا سوئے ہوں۔ ہوٹل میں بھی زندگی کے آثار معقود تھے۔ لوگ بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے۔ لڑکیاں جن کے قہقہے ہر وقت ڈائننگ یا ریکریشن ہال میں گونجا کرتے تھے۔ اب مسکراتی بھی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے خوفزدہ ہو کر ہونٹ پھیلا دیے ہوں۔ جہاں ہر وقت آرکسٹرا نغمات بکھیرتا رہتا تھا وہاں اب مدھم سُروں والی سیٹیاں بھی نہیں سنی جا سکتی تھیں۔

حمید بزدل نہیں تھا لیکن ماحول کا اثر اُس پر کیسے نہ پڑتا۔ وہ قاسم کے متعلق سوچنے لگا جس کے ذہن کی ساخت، آج تک اُس کی سمجھ میں نہ آ سکی تھی۔ وہ اِن حالات میں بھی سوچ رہا تھا کہ "سالا فولادی کیسے محبت کرتا ہو گا؟"

حمید پائپ سلگا کر آرام کرسی میں لیٹ گیا اور اب قاسم کی کہانی اُس کے ذہن میں چکرانے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کہانی نہیں حقیقت ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیوں؟"

"وہ احمق ضرور ہے لیکن اتنا شاندار جھوٹ اُس کے بس کا روگ نہیں۔"

"مگر وہ راستہ ہی بھول گیا۔"

"چرواہا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "قاسم کے بیان کے مطابق وہ اُنہی اطراف میں کہیں رہتا ہے۔"

"پھر بھی اس کی تلاش آسان نہ ہو گی۔"

"نہیں۔ قاسم نے جو حلیہ بتایا ہے اُس کے مطابق دشواری نہ ہونی چاہیئے۔ دُوسرے چرواہے اُس سے یقیناً واقف ہوں گے۔"

فریدی نے فون کا ریسیور اُٹھایا۔ آپریٹر کو سُپر واصف کے نمبر بتائے۔ جلد ہی کنکشن مل گیا۔

"ہیلو۔ واصف صاحب! میں فریدی بول رہا ہوں۔ ٹیکم گڑھ کے اطراف میں کسی ایسے چرواہے کو تلاش کرائیے جس کی بائیں آنکھ پر بد گوشت ہو۔ اتنا زیادہ کہ بمشکل کھل سکتی ہو۔"

"کیوں؟ خیریت؟"

"اشد ضروری۔"

"مقصد نہیں بتائیں گے۔"

"ابھی نہ پوچھیے تو بہتر ہے۔ ویسے یہ سب کچھ موجودہ کیس ہی کے متعلق ہو رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے، اِس پہچان کی بنا پر پتا لگانے میں آسانی ہو گی۔"

"شکریہ۔" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ پھر ٹیکم گڑھ کے نقشے پر جھک پڑا۔

"کیا آپ اِس فضا میں گھٹن محسوس نہیں کرتے۔" حمید نے کہا۔

"میں اِسی فضا کا کیڑا ہوں۔" فریدی نے بے پروائی سے کہا اور ہونٹوں میں دبا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"اگر فولادی پر قابو نہ پایا جا سکا تو پھر آپ کو بھی دیکھ لوں گا۔" حمید نے جل کر کہا۔

"فولادی کی لگام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہے اور تم جانتے ہو کہ میں ہر قسم کے آدمیوں سے نپٹنا جانتا ہوں۔ بس آج کی رات اور ٹھہر جاؤ۔ میں دیکھ لوں کہ وہ اپنی دھمکی کو کیسے عملی جامہ پہناتا ہے؟"

✥

ڈاکٹر ہرمین کی دھمکی پوری ہو کر رہی۔ فریدی ٹرانسمیٹر پر جھکا ہوا تھا اور محکمہ سراغرسانی کے آپریشن رُوم پر قبرستان کا سا سناٹا مسلط تھا۔

دفعتہً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کرنل فریدی۔ کرنل فریدی۔۔۔ آپ کا خیال درست نکلا۔ نیوی کے ایک جہاز کے پرخچے اُڑ گئے۔ اس کی وجہ سے دُوسرے جہازوں کو بھی تھوڑا بہت نقصان پہنچا ہے۔ وہ جہاز سونا گھاٹ کی طرف آ رہا تھا۔ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اچانک پانی کی چند لکیریں سی نظر آئیں جیسے جہاز کی روشنی کا عکس سمجھا گیا اور جہاز آگے بڑھتا رہا۔ لیکن جیسے ہی وہ اُن چمکتی ہوئی لکیروں کے درمیان پہنچا بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ بجلیوں میں گھر گیا ہو۔ اُس کے نیچے اور چاروں طرف بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔

پھر ایک زوردار دھماکا ہوا اور جہاز کے چیتھڑے اُڑ گئے۔ قریب و جوار کی درجنوں کشتیاں اور لانچیں اُلٹ گئیں۔ ابھی تک جانی نقصان کا اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔ کرنل فریدی کیا آپ سن رہے ہیں؟"

"ہاں میں سن رہا ہوں۔" فریدی نے جواب دیا اور واصف نے کہا۔ "غالباً اُن کا خیال تھا کہ وہاں بھی فولادی ہی نمودار ہوگا۔ لہٰذا سونا گھاٹ پر ایک پوری بٹالین موجود تھی لیکن وہاں دُوسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔ بعض اوقات تو ہرمین مجھے کوئی خبیث رُوح معلوم ہونے لگتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کیوں کرنل فریدی۔ تم نے سن لیا کہ اُس جہاز کا کیا انجام ہوا؟ میں ڈاکٹر ہرمین تم سے مخاطب ہوں۔ تم یہ معلوم کرنے کے لیے بہت بے چین تھے کہ ڈاکٹر ہرمین کی دھمکی کا کیا انجام ہوا؟ سن لیا تم نے۔"

"ہاں۔ میں نے سن لیا لیکن تم بھی اپنے لیے چند دردناک خبروں کے منتظر رہو۔" فریدی نے پُرسکون لہجے میں کہا اور دُوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی پھر سناٹا چھا گیا۔

فریدی سوئچ آف کر کے آپریشن رُوم سے باہر آ گیا۔ کیپٹن حمید بھی اُس کے ساتھ تھا۔ دُوسری صبح اُس چرواہے کا سُراغ مل گیا جس نے قاسم کو ٹیکم گڑھ پہنچایا تھا۔ قاسم نے بھی اُسے شناخت کر لیا۔ چرواہا اِس طرح پکڑے جانے پر پریشان تھا۔ اُس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"صاحب! اُنہوں نے روپے اپنی خوشی سے دیے تھے۔"

"روپے تم رکھو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہیں صرف اِتنا کرنا ہے کہ ہمیں وہاں تک پہنچا دو جہاں سے اُنہیں لائے تھے۔"

چرواہے نے اطمینان کی سانس لی تھی۔ وہ سمجھا تھا شاید قاسم سے ملے ہوئے روپے اُسے واپس کرنے پڑیں گے۔ فریدی کا اِرادہ تھا کہ اُسی دِن روانہ ہو جائے گا لیکن دُشواری یہ آ پڑی کہ بمبار طیارے جو صبح سے ٹیکم گڑھ کی فضا میں منڈلا رہے تھے۔ اچانک ویران علاقوں پر بھاری بم برسانے لگے۔

"یہ کیا حماقت شروع ہو گئی؟" حمید نے کہا۔

"ہونے دو۔ تمہارا کیا نقصان ہے؟" فریدی بولا۔

"نقصان۔ ارے جناب شاید یہ چرواہا بھی ہمارے ساتھ جانے پر تیار نہ ہو۔" حمید نے کہا۔ "اگر گیا بھی تو یہ بات قطعی غیرضروری ہو گی کیونکہ بمباری کے بعد شاید مہینوں اُن اطراف میں چرواہے نہ دِکھائی پڑیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ خیر... دیکھا جائے گا۔"

اُسی شام کو وہ نشاط کے ڈائننگ ہال میں کافی پی رہے تھے۔ اِس وقت لوگ اِتنے سراسیمہ نظر نہیں آ رہے تھے جتنے دو پہر تک دِکھائی دیتے تھے۔ مائیکروفون ریڈیو سے اٹیچ کر دیا گیا۔ ریڈیو سیلون سے فلمی ریکارڈ اور اشتہارات نشر ہو رہے تھے۔ دفعتاً لاؤڈ اسپیکر میں کوئی خرابی واقع ہو گئی اور ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سے کتے لڑ پڑے ہوں لیکن اب عام لوگ اِس کے عادی ہو چکے تھے۔ اُنہیں یقین تھا کہ ہرمین ہی کی آواز سُنائی دے گی۔

دُوسرے ہی لمحے لاؤڈ اسپیکر سے آواز سُنائی دی۔ "میں ڈاکٹر ہرمین اِس مُلک کے عوام سے مخاطب ہوں۔ آپ فولادی سے قطعی نہ ڈریے۔ اب وہ پھر پہلے ہی کی طرح آپ کا خادم ہے۔ ایک غلط فہمی کی بنا پر حالیہ ہنگامے ہوئے تھے۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں۔ لیکن کیا آپ موجودہ حکومت کو پسند کرتے ہیں؟ سنجیدگی سے اِس مسئلے پر غور کیجیے۔ اِس وقت بھی آپ کی موجودہ پریشانی کا باعث آپ کی حکومت ہی ہے کتنے احمق لوگ ہیں، خواہ مخواہ اِتنے بم برباد کرا دیے کیا یہ ضروری ہے کہ میں ٹیکم گڑھ ہی کے اطراف میں ہوں گا۔ میں اِسے دیکھ رہا ہوں۔ اگر میں نے محسوس کیا کہ یہ حکومت ناکارہ ثابت ہو رہی ہے تو مجبوراً مجھے عوام کی خاطر اُسے ٹھکانے لگانا ہی پڑے گا۔ میں ہوں آپ کا خادم ہرمین۔"

"بچور۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ ہال میں چند لمحے سناٹا رہا اور پھر ریڈیو سیلون کا پروگرام سُنا جانے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ یک بیک بدل کیسے گیا؟" حمید نے کہا۔

"اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ سونا گھاٹ کو نیوی کے قبضے میں کیوں نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"ابھی تک آپ یہی سوچ رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے یہ بہت اہم ہے۔"

"میں آپ سے تفصیل نہیں پوچھوں گا۔" حمید بڑبڑایا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ نہیں بتائیں گے۔"

"سمجھدار ہو۔"

پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ ریڈیو سیلون سے فلمی گیت اور اشتہارات نشر ہوتے رہے۔

آج دو دن سے قطعی سکون تھا۔ اِس دوران میں فولادی بھی نہیں دِکھائی دیا تھا۔ شہر کی حالت آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھی۔ سیاحوں کو واپسی کی اجازت مل گئی تھی لیکن مقامی

باشندوں پر اب بھی پابندیاں عائد تھیں۔ فریدی نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اِس دوران میں اعلیٰ حکام کی طرف سے برابر اُس کے نام پیغامات آتے رہے تھے اور وہ بھی اُنہیں مطلع کرتا رہا تھا کہ وہ غافل نہیں ہے۔

چھ چرواہوں کا ایک مختصر سا قافلہ ٹیکم گڑھ کے ویران علاقے کی طرف چل پڑا۔ اُن کی وضع قطع خانہ بدوشوں کی سی تھی۔ اِن میں تین تو حقیقتاً چرواہے تھے اور بقیہ تین قاسم، حمید اور فریدی تھے۔ اِس خیال سے قاسم کو ساتھ لینا پڑا تھا کہ کہیں وہ اُن کی عدم موجودگی میں اپنے تجربات نہ بیان کرتا پھرے۔ اُس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ نیلم کی تلاش میں اُن کے ساتھ جائے گا لیکن حقیقت بعد کو معلوم ہوئی تھی۔ اُس نے حمید کو بتایا کہ وہ تو دراصل تازہ ذبح کی ہوئی بھیڑوں کا بھنا ہوا گوشت کھانے کے لیے اُن کے ساتھ آیا تھا۔ وہ جس لیے بھی آیا ہو فریدی خود ہی اُسے ٹیکم گڑھ میں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ایک جگہ رہنما رُک گیا۔ یہاں چاروں طرف بمباری کی تباہ کاریاں نظر آ رہی تھیں۔

"راستہ بند ہو گیا ہے جناب۔" اُس نے ایک درّے کی اشارہ کر کے کہا۔ جس میں بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔

"یہ نقصان ہوا ہے بمباری سے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بناؤں۔ راستہ۔" قاسم نے فریدی سے پوچھا۔

"ٹھہرو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہم تو کسی نہ کسی طرح گزر ہی جائیں گے لیکن اِن بھیڑوں کا مسئلہ ٹیڑھا ہے۔"

"اُنہیں میں گود میں اُٹھا اُٹھا کر اِدھر پہنچا دوں گا۔" قاسم نے کہا۔

"سُنو۔" فریدی نے چرواہے کو مخاطب کیا۔ "میرا خیال ہے کہ تم اپنے دونوں ساتھیوں کو یہیں چھوڑ دو۔ آٹھ یا دس بھیڑیں ساتھ لے چلو۔ اِن کی قیمت تمہیں ادا کر دی جائے گی۔"

"نہیں صاحب! میں اکیلے تو کبھی نہ جاؤں گا۔ میرے دونوں بھائی ہر حال میں میرے ساتھ جائیں گے۔"

"تمہاری حفاظت کا ذِمّہ پہلے ہی لیا جا چکا ہے۔"

"کچھ بھی ہو بھائی جائیں گے۔"

"اچھا تو چلو۔ اِن بھیڑوں کو آگے بڑھاؤ۔"

چرواہا کچھ سوچنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تھوڑا چکر ضرور پڑے گا لیکن یہیں راستہ مل جائے گا۔"

"کچھ کر دو بھی تو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

وہ پھر پیچھے لوٹے اور تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد چرواہے کے بیان کے مطابق راہ پر لگ گئے۔

"یہ آخر اپنے بھائیوں کے ساتھ جانے پر کیوں مُصر ہے؟"

"بس دیکھتے رہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم محفوظ ہیں یا ہماری اسکیموں کی اطلاع دُوسروں کو نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اِن دونوں چرواہوں سے ہوشیار رہنا۔ اِن میں سے کم از کم ایک تو میں پہچان چکا ہوں حالانکہ یہ دونوں بھی میک اپ ہی میں ہیں۔"

حمید دونوں چرواہوں کو گھورنے لگا۔ پھر بولا۔ "تو کیوں نہ اِن سے یہیں سمجھ لیا جائے۔"

"نہیں چلنے دو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لیے کارآمد ہی ثابت ہو سکیں۔"

"آپ کے لیے تو سانپ کے بچے بھی کارآمد ہو سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"یقیناً! اکثر وہ بھی کام آتے ہیں۔" فریدی بولا۔

سفر جاری رہا۔ وہ اِن ویرانوں میں ایک رات گزار چکے تھے۔ اِدھر کے پہاڑوں کا عجیب حال تھا۔ کہیں تو بھورے رنگ کی ننگی چٹانیں ہی چٹانیں بکھری ہوئی نظر آتیں اور کہیں سبزے سے ڈھکے ہوئے پہاڑ تھے۔

حمید کو تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ کسی "طلسم ہوشربائی علاقے" میں سفر کر رہا ہو۔

قاسم کی زبان تھکن کے باوجود بھی چلتی رہی لیکن تذکرہ یا تو تھکن کا ہوتا یا نہ مٹنے والی بھوک کا۔ زندہ اور چلتی بھیڑوں کو بھی وہ ایسی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا جیسے کھال سمیت چبا جائے گا۔

دُوسری رات گزارنے کے لیے وہ ایک ایسے مقام پر رُکے جہاں مسطح زمین مشکل ہی سے نظر آتی تھی۔ چاروں طرف اُونچی نیچی ناہموار سی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اُنہیں کوئی غار بھی نہ مل سکا۔ اِس لیے رات کھلے ہی میں گزارنی تھی۔ ایک بھیڑ ذبح کی گئی اور اُن لکڑیوں پر بھونی جانے لگی جو خچروں پر بار کر کے لائی گئی تھیں۔ کھانے کا مسئلہ ڈبوں میں محفوظ کی ہوئی غذاؤں سے بھی حل ہو سکتا تھا مگر وہ تھوڑی سی تفریح بھی چاہتے تھے۔ پھر حمید کو ڈبوں والی غذاؤں سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔

پیٹ بھر جانے پر وہ سونے کے لیے لیٹ گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد خراٹوں کی آوازیں فضا میں منتشر ہونے لگیں لیکن فریدی جاگ رہا تھا۔ وہ اور حمید باری باری سے سوتے تھے مگر دُوسروں کو اس کا علم نہیں تھا۔

آسمان سیاہ بادلوں میں چھپا جا رہا تھا۔ کہیں اِکّا دُکّا ستارے دکھائی دیتے لیکن دِن بھر کی تھکن ایسے بھی اُنہیں خوابوں کے جزیرے کی سیر کرا رہی تھی۔ فریدی نے کروٹ بدلی اور پھر یک بیک اُچھل کر بیٹھ گیا۔ بائیں جانب والی ڈھلان سے روشنی نظر آئی تھی۔ حمید اُس کے قریب ہی تھا کہ اُس نے اُسے جھنجوڑا اور ساتھ ہی اُس کے مُنہ پر ہاتھ بھی رکھ دیا۔

حمید بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا۔

"فولادی!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "آؤ چپ چاپ اِدھر چلے آؤ۔" وہ اُسے ایک قریبی چٹان کے پیچھے کھینچ کر لے گیا۔

"اُس کی روشنی سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہی ایک تدبیر ہے جسے اختیار کرنے پر ہم اُس سے بچ سکیں گے۔"

ذرا ہی سی دیر میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی کیونکہ یہ حقیقتاً فولادی ہی تھا اور اُس نے نشیب سے سر اُبھارا تھا۔

حمید کو اُس وقت ہوش آیا جب اُس نے اپنے کان کے پاس ہی گولی چلنے کی آواز سُنی اور یک بیک اندھیرا پھیل گیا۔

"وہ مارا!" فریدی دبے ہُوئے جوش کے ساتھ بڑبڑایا۔

"یعنی۔ یعنی!"

"فولادی اندھا ہو گیا۔ اب وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے گا!"

دفعتًہ فولادی چنگھاڑنے لگا۔ "نمکحرامو۔ یہ کیا ہُوا؟ تم بڑے سور ہے ہو۔ یہ گولی کس نے چلائی تھی... کس نے چلائی تھی؟"

اچانک ٹارچ کی روشنی فولادی پر پڑی۔ یہ ٹارچ ایک چرواہے کے ہاتھ میں تھی۔ قاسم بھی اُٹھ بیٹھا تھا۔

"جواب کیوں نہیں دیتے؟" فولادی چنگھاڑا۔

"پتا نہیں!" چرواہے نے بھرّائی ہُوئی آواز میں کہا اور پھر اُس نے چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ ساتھ ہی اُس کا ریوالور بھی نکل آیا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں؟" اُس نے قاسم سے گرج کر پوچھا۔

"مَیں کیا جانوں؟"

"یہ کون بولا تھا؟" فولادی نے پوچھا۔

"موٹا آدمی!" چرواہے نے جواب دیا۔ "وہ دونوں غائب ہیں!"

"اوہ۔ مَیں تمہیں فنا کر دُوں گا۔ تمہاری ہی غفلت کی بناء پر مَیں اندھا ہو گیا!"

"ابے نیلم کہاں ہے اندھی کے!" قاسم دھاڑا۔

"اِسے گولی مار دو!" فولادی نے کہا۔ "مَیں اب بالکل بے کار ہو چکا ہُوں۔ نہ چنگاریاں برسا سکتا ہُوں اور نہ اِس قابل بن سکتا ہُوں کہ حملوں سے خود کو بچا سکوں!"

شاید اُس نے ٹرائیگر دبانے کا اِرادہ کیا ہی تھا کہ فریدی کے ریوالور سے پھر شعلہ نکلا اور اندھیرے میں ایک چیخ دُور تک لہراتی چلی گئی۔

"آؤ!" فریدی نے حمید سے کہا اور چٹان کی اوٹ سے نکل آیا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا اور بائیں میں ٹارچ۔

"تم دونوں اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا لو!" فریدی نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ایک چرواہا اپنا داہنا ہاتھ بائیں سے دبائے ہُوئے جھکا کھڑا تھا۔ اُس کے داہنے ہاتھ سے خون کا فوّارہ جاری تھا۔

"یہ کون ہے؟" فولادی سے آواز آئی۔

"تمہارا باپ ہے سالے!" قاسم نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

فریدی اُس طرف دھیان دیے بغیر زخمی چرواہے سے بولا۔ "کیوں دُرجن ہماری یہ ملاقات کتنی دلچسپ ہے؟"

"دُرجن...!" حمید متحیّرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "یعنی کہ!"

"ہاں!" فریدی بولا۔ "دُرجن! غالباً اب تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے!"

"کیسے ممکن ہے؟"

"سب کچھ ممکن ہے۔ ابھی بہت کچھ دیکھو گے!"

دفعتًہ فولادی آگے بڑھا۔ لیکن کسی اندھے آدمی ہی کی طرح لڑکھڑاتا ہُوا اُن دونوں کے درمیان سے نکل گیا۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ اس کے ہاتھ اس طرح خلاء میں پھیلتے اور سمٹتے رہے جیسے کوئی اندھا کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔

قاسم نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہُوئے

کہا۔ "مجھے ٹارچ دکھاؤ!"

"کیا کرو گے؟"

"بھرتا بناؤں گا!"

حمید اُسے روشنی دکھانے لگا۔ قاسم کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ دفعتًہ وہ جھک کر ایک بہت وزنی پتھر اُٹھانے لگا اور حمید کی "ہائیں ہائیں" کے باوجود وہ پتھر اُس کے سر سے بلند ہو گیا۔

"ٹھہرو! ٹھہرو!" فریدی بھی بول پڑا۔

مگر کون سُنتا ہے۔ قاسم نے وہ پتھر فولادی پر دے مارا اور فولادی پتھر سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے سینے سے جھانکنے والی کئی رنگوں کی روشنیاں بھی غائب ہو چکی تھیں اور وہ بالکل خاموش تھا لیکن اُسی وقت نشیب سے بے شمار قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ آنے والے شاید دوڑ رہے تھے۔ حمید اُنہیں چھوڑ کر نشیب کی طرف جھپٹا۔ سرے پر پہنچتے ہی اُس نے نیچے کی جانب دو تین فائر جھونک دیے۔ وہ پے در پے فائر کرتا رہا۔ نیچے سے بھی فائر ہونے لگے۔

اِدھر فریدی قاسم کی مدد سے اِن دونوں کو باندھ رہا تھا۔ رات کا سنّاٹا فائروں کی آواز سے مجروح ہوتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جب فریدی نے محسوس کیا کہ وہ چاروں طرف سے گھر گئے ہیں۔ اُس نے بڑی پھُرتی سے اپنا تھیلا تلاش کر کے اُس میں سے سفری ٹرانسمیٹر نکالا اور جلدی جلدی کہنے لگا۔

"قریب آ جاؤ۔ قریب آ جاؤ۔ فریدی اسپیکنگ۔ اب تم لوگ اِن پر حملہ کر سکتے ہو!"

❋

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ ہنگامہ کتنی دیر تک جاری رہا تھا۔ ویسے یہ ضرور ہُوا کہ اس افراتفری میں فریدی کا ساتھ چھُوٹ گیا۔ ویسے جس کا بھی ہاتھ اُس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اُسے کھینچتا ہُوا ایک طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ خیال یہ تھا کہ وہ قاسم کے علاوہ اور کوئی نہ ہو گا۔ فائروں کی آوازیں اَب نہیں آ رہی تھیں لیکن وہ دوڑتے ہُوئے قدموں کی آوازیں اَب بھی سُن رہا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں وہ کئی بار گرتے گرتے بچا۔ وہ ایک بار چٹانوں سے بھی ٹکرایا اور پھر آخر اُسے رُکنا پڑا۔ وہ ڈر کر نہیں بھاگا تھا بلکہ اُس کے قدم غیر اِرادی طور پر ایک طرف اُٹھ گئے تھے اور پھر اُس اندھیرے میں کسی ایک جگہ ٹھہرنا حماقت ہی ہوتی جب کہ اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ فریدی نے ٹرانسمیٹر پر کن آدمیوں کو مخاطب کیا تھا اور اُن کا حملہ کس جانب سے ہو گا! حملہ آوروں کا رُخ کدھر ہے؟

"قاسم!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

لیکن جواب ندارد۔ حالانکہ اُس کا ہاتھ اب بھی ہاتھ ہی میں تھا۔ حمید نے ہاتھ چھوڑ کر ٹارچ نکال لی اور اب اُس کی روشنی میں اُسے اپنی غلطی کا احساس ہُوا۔ یہ وہی چرواہا تھا جو رہنما کی حیثیت سے ان کے ساتھ آیا تھا۔ دُوسرے لمحے حمید نے ریوالور نکال کر اُس کے سینے پر رکھ دیا۔

"تم نے ہمیں دھوکا دیا!" وہ اُسے لات مار کر ایک طرف گراتا ہُوا بولا۔

"ارے حضور سُنیے تو سہی جیسے آپ نے راستہ دکھانے کے لیے روپے دیے تھے۔ اُسی طرح اُنہوں نے بھی دیے تھے۔ مَیں کیا جانوں سرکار کہ آپ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"تو نے اُنہیں اپنا بھائی کیوں ظاہر کیا تھا؟"

"اُنہوں نے یہی کہا تھا۔ مَیں نے اُن کو بتایا تھا کہ پولیس والے مجھے اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ مَیں کسی اور کو ساتھ نہیں لے جاؤں گا لیکن اُنہوں نے اس سے زیادہ روپیہ دیا تھا جتنا آپ سے ملا تھا اور کہا کہ مَیں اُنہیں اپنا بھائی ظاہر کر کے ساتھ لے جا سکتا ہُوں!"

"تیرے بھائیوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اُس کا بدلہ تجھ سے لیا جا سکتا ہے!"

چرواہا گڑگڑانے لگا... اور اچانک حمید کسی شہتیر کی طرح زمین پر چلا آیا۔ کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔ ساتھ ہی اُس نے چرواہے کی چیخیں بھی سُنیں۔

چونکہ حملہ بے خبری میں ہُوا تھا اس لیے حمید کو سنبھلنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ حملہ آور پانچ یا چھ تھے یا ممکن ہے اس سے بھی زیادہ رہے ہوں۔ حمید کو صحیح اندازہ نہ ہو سکا کیونکہ اُس کا سر بہت زور سے پتھریلی زمین پر پڑا تھا اور چوٹ ایسی نہ تھی کہ وہ تھوڑی ہی دیر ہوش میں رہ سکتا اور جب ہوش آیا تو آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ کنپٹیاں تڑخنے لگیں۔ ایسا معلوم ہُوا جیسے آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر آ جائیں گی۔ اُس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔ اُسے اپنے چاروں طرف صدہا بلب روشن نظر آئے۔ اِنتہائی تیز روشنی والے بلب اور پھر کچھ دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ اُس کا سارا جسم پسینے میں ڈوبا ہُوا ہے۔ کمرہ بے حد گرم تھا اور شاید یہ آنچ اُنہی بلبوں سے خارج ہو رہی

تھی لیکن اُس کی تھکن حیرت انگیز طور پر زائل ہو گئی تھی۔ اُسے قطعی یہ نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے بے ہوش رہا ہے۔ اُس نے پھر آنکھیں کھولیں لیکن اُس روشنی کی تاب نہ لا سکا۔ اُسے یاد آیا کہ اُس کی جیب میں تاریک شیشوں کی ایک عینک بھی تھی۔ اُس نے اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں۔ عینک تو مل گئی لیکن ریوالور غائب تھا مگر پھر یاد آیا کہ ریوالور تو اُس وقت اُس کے ہاتھ میں تھا جب کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔ اُس نے عینک نکال کر آنکھوں پر لگا لی۔ اب وہ بخوبی چاروں طرف دیکھ سکتا تھا لیکن روشنی اب بھی خاصی تیز لگ رہی تھی۔ یہ ایک کافی وسیع کمرہ تھا لیکن حمید کو کہیں کھڑکی یا دروازہ نہیں دکھائی دیا پھر یہ سوچ کر اُس کا دم گھٹنے لگا کہ وہ ایک بہت بڑے صندوق میں بند کر دیا گیا ہے لیکن یہ گھٹن محض ذہنی تھی۔ جسمانی طور پر وہ ذرہ برابر تکان نہیں محسوس کر رہا تھا لہٰذا زندہ رہنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ گھٹن کے احساس کو فنا کرنے کی کوشش کرتا۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے اپنے ذہن کو اِدھر اُدھر بھٹکانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد اُس کی پُشت کی جانب ایک دیوار میں اچانک دروازہ نمودار ہوا لیکن حمید کو اس کی خبر نہ ہو سکی۔ دروازے سے اندر آنے والی ایک عورت تھی جس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ اُس کے اندر آتے ہی دیوار پھر برابر ہو گئی۔ اُس عورت کے قدموں کی آواز پر حمید چونک پڑا۔

عورت نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اُس عورت نے بھی تاریک شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی اور جب اُس نے اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹالی تو حمید اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

یہ نیلم تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مُسکراہٹ دِکھائی دی لیکن اُس مسکراہٹ کا مفہوم سمجھنا مُشکل ہی تھا۔ پتا نہیں وہ طنزیہ مُسکراہٹ تھی یا اس ملاقات پر خوشی کا اظہار تھا یا یونہی عادتاً ہونٹوں پر کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اگر اُس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک نہ ہوتی تو حمید کو اس مُسکراہٹ پر اُلجھن میں نہ مُبتلا ہونا پڑتا۔

"تم آخر آ ہی گئے"۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں لیکن اب یہ معلوم ہُوا کہ ہرمین اور اسمگلروں میں کتنا گہرا تعلق تھا؟"

"تم نہیں سمجھے"۔ نیلم نے مغموم لہجے میں کہا۔ "مَیں ہرمین کے لیے بہت رنجیدہ ہُوں۔ وہ آدمی نہیں فرشتہ ہے"۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب نہ پوچھو"۔ نیلم نے ٹھنڈی سانس لی۔ "بابا نے میرے ساتھ بھی فراڈ کیا"۔

"یعنی"۔

"یعنی۔ مطلب"۔ نیلم جھنجلا گئی۔ "اپنی فکر کرو۔ تم زندہ نہیں بچو گے۔ بابا آج کل بہت زیادہ خونخوار ہو رہا ہے"۔

"مجھے کوئی نہیں مار سکتا"۔ حمید مُسکرایا۔ "مَیں نے پچھلے سال ایک بوتل آبِ وفات پیا تھا۔ تم مجھے ہرمین کے متعلق بتاؤ۔ آہا۔ ٹھہرو۔ کیا کرنل بھی پکڑ لیے گئے ہیں؟"

"نہیں۔ نہ وہ ہاتھ لگے اور نہ موٹا"۔

"تب تو تم اپنے بابا کے کفن دفن کا انتظام ابھی سے شروع کر دو ورنہ ہو سکتا ہے کہ عین وقت پر تمہیں پریشانی ہو"۔

"بابا پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہے۔ ویسے اب مجھے اُس سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔ وہ صرف اپنا کام جانتا ہے اور اُس کا کوئی اقدام مقصد سے خالی نہیں ہوتا۔ شاید اُس نے اِسی دن کے لیے میری پرورش کی تھی کہ میرے ذریعے سے ہرمین جیسے کسی آدمی تک پہنچ سکے۔ اب اُسے شکست دینا بہت مُشکل ہے۔ وہ ساری دُنیا کو تباہ کر سکتا ہے"۔

"فولادی کو ہم نے تباہ کر دیا"۔

"فولادی"۔ نیلم ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اُس کی کیا حقیقت تھی! یہاں اُس سے بھی زیادہ خوفناک بلائیں موجود ہیں۔ ایسے حربے جو ریڈیائی لہروں سے کنٹرول ہوتے ہیں۔ صرف ایک ننھے سے کاسموٹون نے جہاز کے پرخچے اُڑا دیے تھے۔ کیا تم بھول گئے؟ کاسموٹون سمجھتے ہو"۔

"نہیں، پہلی بار نام سُن رہا ہُوں"۔

"ایک ننھا سا بم جس میں کاسمک شعاعیں مقید تھیں اور اُسے سونا گھاٹ تک پہنچانے کے لیے فولادی کو استعمال کیا گیا تھا پھر ریڈیو کنٹرول کے ذریعے یہیں بیٹھے بیٹھے وہ بم پھاڑ دیا گیا۔ جہاز کے چیتھڑے اُڑ گئے"۔

"لیکن ہرمین کیسے قابو میں آیا تھا؟"

"بابا نے مجھ سے کہا تھا کہ شاید ہرمین تم سے دوستی کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا تمہیں بھی چاہیے کہ اُس تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ مَیں نے فولادی سے ایک دِن خواہش ظاہر کی کہ اس کا گھر دیکھنا چاہتی ہُوں۔ وہ تیار ہو گیا۔ لیکن مَیں تنہا نہیں جانا چاہتی تھی۔ بابا میلے سے جا چکا تھا اور گروہ والوں میں سے کوئی بھی

نہیں تھا۔ میری نظر موٹے پر پڑ گئی۔ مَیں نے سوچا کہ اُسی کو ساتھ لے چلوں۔ فولادی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک عجیب وضع کی گاڑی لایا تھا جو اُڑ بھی سکتی تھی۔ ایک جگہ فولادی نے موٹے کو اُتار دیا۔ پھر میرے احتجاج پر بولا کہ واپسی میں اُسے ساتھ لے لیا جائے گا۔ بہرحال ہم ایک جگہ اُترے جہاں دو آدمی پہلے سے موجود تھے۔ اُنہوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ تھوڑی دیر تک مجھے اندھوں کی طرح چلنا پڑا اور پھر جب میری آنکھوں سے پٹی ہٹائی گئی تو مَیں نے خود کو یہاں پایا۔ میرے گرد چھبیس آدمی تھے اور اُنہی میں ہرمین بھی تھا۔ وہ سب مجھے دیکھنے کے لیے ایک دُوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ ہرمین نے بتایا کہ وہ اور اُس کے ساتھی تقریباً دس سال بعد کسی عورت کو اِتنے قریب سے دیکھ رہے ہیں لہٰذا مَیں ان کی کسی غیر مہذب حرکت سے اثر نہ لوں۔ اُس نے کہا کہ وہ مجھے ایک جری اور باہمت لڑکی سمجھتا ہے۔ ابھی یہی سب ہو رہا تھا کہ بابا اور اُس کے دس ساتھی ہاتھوں میں ٹامی گنیں لیے داخل ہُوئے۔ اُن لوگوں نے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے ہمارا تعاقب کیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہرمین اور اُس کے ساتھی قیدی بنا لیے گئے تھے۔ کاش مجھے پہلے ہی یاد آ جاتا کہ بابا کے پاس دو بے آواز ہیلی کاپٹر بھی ہیں تو کبھی مَیں اِدھر کا رُخ نہ کرتی"۔

"مگر ہرمین نے اُسے اِن چیزوں کا استعمال کیسے بتا دیا؟"

"ہرمین مرنا نہیں چاہتا۔ بابا نے اُسے ایسی اذیتیں دی ہیں کہ شیطان کا کلیجہ بھی پانی ہو جاتا۔ اَب وہ ایک بے بس کتے کی طرح اُس کا ہر حکم بجا لاتا ہے اور میں اب بابا کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی لیکن مَیں نے اپنی نفرت اُس پر نہیں ظاہر ہونے دی۔ اچھا۔ اُٹھو۔ تیار ہو جاؤ۔ مجھے حکم ملا ہے کہ تمہیں اُس کے سامنے پیش کروں"۔

نیلم نے ریوالور نکال لیا اور حمید نے مُسکراتے ہُوئے بائیں آنکھ دبا کر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا دیے۔

"سیدھے چلو"۔ نیلم آہستہ سے بولی۔ "میں مجبور ہُوں لیکن حتی الامکان کوشش کروں گی کہ تمہیں بچا لیا جائے"۔

"شکریہ! مَیں بچ جانے کے لیے کسی کا محتاج نہیں بن سکتا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو"۔

"بابا بہت خطرناک ہے۔ وہ کرنل فریدی کو بھی طفلِ مکتب سمجھتا ہے"۔

حمید جیسے ہی دیوار کے قریب پہنچا دروازہ نمودار ہو گیا۔

"چلو۔ چلتے رہو"۔ نیلم نے کہا۔ وہ ریوالور لیے ہُوئے اُس کے پیچھے چل رہی تھی۔

حمید خاموشی سے چلتا رہا اور پھر وہ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے۔ حمید کے داخل ہوتے ہی اُس کمرے کی دیوار بھی برابر ہو گئی اور یہ بھی ایک بہت بڑا صندوق معلوم ہونے لگا۔ یہاں کچھ آدمی نظر آئے ان میں وہ دونوں چرواہے بھی تھے جنہوں نے حمید اور فریدی کے ساتھ سفر کیا تھا۔ زخمی چرواہے کا ہاتھ ابھی تک اُسی حالت میں تھا۔ اُس کی ڈریسنگ نہیں کی گئی تھی۔

اُس نے حمید کو دیکھ کر دانت پیستے ہُوئے کہا۔ "اَب میں دیکھوں گا کہ تم لوگ کتنے چالاک اور طاقتور ہو!"

"اگر تم نے یہ الفاظ کسی کھلی جگہ پر کہے ہوتے تو مَیں تمہاری کافی قدر کرتا"۔ حمید مسکرا کر بولا۔ "صندوقوں میں مرنے یا جینے سے کوئی دِلچسپی نہیں ہے"۔

"گن گن کر سارے بدلے چکاؤں گا"۔

نیلم اُسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاروں طرف کسی ایسے پرندے کی طرح دیکھ رہا تھا جس کا پنجرہ تبدیل کیا گیا ہو۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ اُس کا ذہن فریدی میں اُلجھا ہُوا تھا۔ ان دونوں چرواہوں کی موجودگی کا مقصد تو یہی ہو سکتا تھا کہ فریدی اور اُس کے نامعلوم ساتھیوں کو شکست فاش ہُوئی۔ کیونکہ خود حمید اور قاسم نے ان دونوں چرواہوں کو باندھا تھا۔ دفعتہً سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہُوا اور دو آدمی اندر داخل ہُوئے۔ ان میں ایک معمر غیر ملکی اور دُوسرا دیسی تھا۔ دونوں ہی کے چہروں پر گھنی داڑھیاں تھیں۔ غیر ملکی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور اُس کی آنکھوں سے کرب جھانک رہا تھا۔ دیسی بُوڑھے نے حمید کو نیچے سے اُوپر دیکھا اور پھر قہر آلود نظروں سے زخمی چرواہے کی طرف دیکھنے لگا۔

"دُرجن! تم اپنے لیے خود ہی کوئی سزا تجویز کرو"۔

"کیا مطلب؟" دُرجن غصیلی آواز میں بولا۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ تمہیں بھی یہ ہمت ہُوئی کہ مجھ سے اس لہجے میں گفتگو کر سکو"۔

"شٹ اپ یُو ڈرٹی سوائین"۔ بُوڑھا غرّایا۔ "محض تمہاری وجہ سے فریدی کو علم ہُوا تھا کہ ہماری تجارت کی پُشت پر کون ہے اور اب تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اُسے پکڑ کر یہاں تک لا سکتے۔ تمہاری وجہ سے فولادی جیسی کارآمد چیز تباہ ہُوئی"۔

"میں تمہارے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔ تم اپنی زبان بند رکھو۔"

"دُرجن تجھے ضرور سزا ملے گی۔"

"کس میں ہمت ہے؟" دُرجن سینہ تان کر بولا "کل تک تو میرا ماتحت تھا۔ نمک حرام آج مجھ پہ آنکھیں نکال رہا ہے۔"

"تجھے گھٹنوں چلنا کس نے سکھایا تھا؟" بوڑھے نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"میں صرف رانا صاحب کو جواب دہ ہوں۔۔ اور تم سب میرے ماتحت ہو۔"

"اوہ کتے کے پلے۔" بوڑھا غرّایا۔ "تو ایک سرکاری سراغرساں کے سامنے رانا صاحب کا نام لے رہا ہے۔"

"شٹ اپ۔ ذلیل نمک حرام۔" دُرجن بھی اُسی انداز میں دہاڑا "کیا یہ سراغرساں اب آسمان دیکھ سکتا ہے؟"

"لیکن رانا صاحب کا نام تیری زبان پہ کیسے آیا؟ تجھے اس کی سزا ضرور ملے گی۔" بوڑھے نے آہستہ سے کہا اور پھر نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نیلم تیرے باپ کا قاتل یہی ہے۔ تیری ماں پر اسی نے گولی چلائی تھی اور تو بارش میں پڑی چیختی رہ گئی تھی۔"

"بابا۔"

"ہاں نیلم۔ بابا بُرا آدمی ضرور ہے لیکن وہ خواہ مخواہ جھوٹ نہیں بولتا۔"

"تو میرے باپ کا قاتل ہے۔" نیلم نے دُرجن کو مخاطب کیا۔

"مجھے یاد نہیں۔" دُرجن نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی "میرے پاس مقتولوں کی فہرست کبھی نہیں رہی۔"

نیلم نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور پر نظر ڈالی لیکن پھر اُسے یہ کہہ کر بوڑھے کی طرف اُچھال دیا۔ "اتنی پیاس ہے بابا کہ مزے لے لے کر پینا چاہتی ہوں۔"

بوڑھے نے ریوالور اپنے ہاتھوں پر روک لیا۔ نیلم دوسرے ہی لمحے میں اپنی پیٹی سے خنجر نکال چکی تھی۔

"کیا تمہیں اس ننھی منی سی لڑکی پر رحم نہیں آیا؟" دُرجن نے بوڑھے سے کہا۔

"نیلم۔ تیری تربیت میرے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ بابا۔۔۔" [illegible] کہا اور کسی شیرنی کی طرح دُرجن پر جھپٹ پڑی۔ دُرجن۔ [illegible] دکھائی دیا۔ وہ کسی دیوانے کی طرح ہنس رہا تھا۔ نیلم دُور ہٹ کر دوسرے حملے کی تاک میں تھی۔ اس بار اُس نے چھلانگ لگائی۔ دُرجن نے پینترا بدلا لیکن حمید متحیر رہ گیا۔ پہلے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے نیلم نے چھلانگ لگائی ہو۔ لیکن حقیقت صرف اتنی تھی کہ اُس نے دُرجن کو دھوکا دیا تھا۔ چھلانگ تو حقیقتاً اُس وقت لگائی تھی جب دُرجن پینترا بدل چکا تھا۔ نیلم خنجر کھینچ کر پیچھے ہٹ آئی۔

"بہت اچھے۔۔۔ بہت اچھے۔" بوڑھا بے ساختہ بولا۔

اِس بار دُرجن نیلم پہ جھپٹ پڑا۔ لیکن نیلم اُس کی بائیں پسلی پر وار کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

"واہ بھئی! کیا ہاتھ تھا۔۔۔ جیو۔" حمید بے ساختہ بول پڑا۔

"دیکھا دُرجن! دُشمن بھی تعریف کرتے ہیں۔" بوڑھے نے ہنس کر کہا۔ "لیکن تم میری محنت کی داد نہیں دیتے۔"

دُرجن کھڑا آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے دکھائی ہی نہ دے رہا ہو۔ وہ یک بیک بوڑھے کی طرف جھپٹا لیکن نیلم نے اُس کے بال پکڑ لیے اور جھٹکا دے کر داہنی پسلی پر بھی ایک وار کیا۔ اِس بار دُرجن اپنے پیروں پر ٹھہرا نہ رہ سکا۔ فرش پر خون پھیل رہا تھا اور دُرجن کے ہاتھ اُس پر اس طرح پھیل رہے تھے جیسے وہ دوبارہ اُسے اپنی رگوں میں بھر لینا چاہتا ہو۔

"اب تم اسی طرح سسکتے رہو۔" نیلم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "میں آخری اور فیصلہ کُن وار ہرگز نہ کروں گی۔"

"شاباش۔۔۔ تو بابا ہی کی بیٹی ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

نیلم کچھ نہ بولی۔ وہ کسی ایسے شریر بچے کی طرح زخمی دُرجن کی طرف دیکھ رہی تھی جس نے کسی تتلی کے پَر نوچ کر اُسے فرش پہ ڈال دیا ہو۔ اُس کے چہرے پہ خوشی اور حیرت کے ملے جلے آثار تھے۔ جیسے اُسے اپنے اس کارنامے پر یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

حمید خود کو بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیوں؟ کیپٹن۔ کیا تم بھی اسی لڑکی کے ہاتھوں مرنا پسند کرو گے؟" بوڑھے نے مسکرا کر حمید کو مخاطب کیا۔

"ہرگز نہیں۔" حمید بھی جواباً مسکرایا۔ "مجھے اردو شاعری کے قاتل محبوب سے ہمیشہ نفرت رہی ہے لیکن میں ایک خاص قسم کی موت زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

"وہ خاص قسم کی موت کون سی ہے؟"

"تم گانا شروع کر دو۔ میرا نام عبدالرحمان۔ پستے والا میں ہوں پٹھان۔ بس میں وہیں پھڑک پھڑک کر جان دے دوں گا۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے بچ کر نکل جاؤ گے۔" بوڑھا جھلّا گیا۔

"بس میری جان یہ جملہ نہ دُہراؤ۔ یہ جملہ ہمیشہ سے منحوس ثابت ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے دُرجن نے بھی یہی کہا تھا۔ اُس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"نیلم۔ اسے بھی ختم کر دے۔" بوڑھے نے کہا۔

نیلم چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ "میری عقل ابھی اپنی جگہ پر ہے۔ یہ ایک غیر دانش مندانہ فعل ہوگا۔"

"کیوں؟"

"اسے فریدی کو پھانسنے کے لیے چارہ کیوں نہ بناؤ۔ ویسے وہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ بڑا کائیاں ہے۔"

بوڑھا کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "تو ٹھیک کہہ رہی ہے نیلم۔"

حمید کی طرف دیکھ کر اُس نے کہا۔ "تم نے دیکھا اِس لڑکی کو۔۔۔ یہ ایسے حالات میں بھی عقلمندوں کی طرح سوچتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

✥

بھاری بھرکم دُرجن کسی مرتے ہوئے بھینسے کی طرح ڈکرا رہا تھا اور نیلم ہنس رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔ "میں نے آج تک کبھی پرندے کا بھی خون نہیں بہایا لیکن میں اس وقت اتنی مسرور ہوں جیسے میں نے کوئی بڑا کام کیا ہو۔۔۔ بابا کیا میں خوش نظر نہیں آتی؟"

"بہت زیادہ۔" بوڑھے نے کہا۔ "تم ہی نہیں میں بھی خوش ہوں کہ آج تمہیں تمہارے والدین کے قاتل سے ملا سکا۔"

"شکریہ بابا۔" نیلم نے کہا لیکن حمید نے اُس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی بھی محسوس کر لی۔ ابھی تک اُس کی نظروں سے صدہا عجیب لڑکیاں گزری تھیں۔ لیکن یہ لڑکی عجیب ترین تھی۔

دفعتہً بائیں جانب والی دیوار سے ایک دروازہ نما خلاء نمودار ہوئی اور حمید کو قاسم نظر آیا۔ جسے دو آدمی دھکیل دھکیل کر آگے بڑھا رہے تھے دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اسی کمرے میں آ گیا۔ اُس کے ہاتھ پُشت پر بندھے ہوئے تھے۔

حمید کو دیکھ کر اُس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ پتا نہیں یہ خوشی کا اظہار تھا یا حیرت کا۔

بوڑھے نے اُن آدمیوں کو مخاطب کیا جو قاسم کو لائے تھے۔

"وہ کہاں ہے؟"

"تلاش جاری ہے۔" ایک نے جواب دیا۔ "ہمیں یقین ہے کہ کچھ دیر بعد وہ بھی ہمیں نظر آ جائے گا۔"

"جاؤ۔ تلاش کرو۔" بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ سمجھا تھا شاید فریدی بھی اُن کے ہتھے چڑھ گیا۔

اُس نے قاسم کی طرف دیکھا جو آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا حمید کے قریب پہنچ گیا تھا۔ لیکن ابھی شاید اُس نے نہ تو نیلم کی موجودگی محسوس کی تھی اور نہ اُس زخمی کو دیکھ سکا تھا جو اَب بے ہوش تھا۔

"ارے باپ رے۔" نیلم پر نظر پڑتے ہی وہ اُچھل پڑا اور بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

"قیول۔ نیلم۔" وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم گھبراؤ نہیں۔ میں اِن سبھوں سے سمجھ لوں گا۔"

نیلم نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بوڑھے کی طرف دیکھ کر بولی۔ "یہ بے چارے یہی سمجھتے رہے ہیں کہ میں تم لوگوں کے مظالم کی شکار ایک بے سہارا لڑکی ہوں۔"

"اور کیا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "تم اس بے چاری کو چھوڑ دو۔ چاہے مجھے پھانسی دے دینا۔"

"قاسم ہوش میں آؤ۔" حمید بولا۔ "ہم ابھی تک دھوکا کھاتے رہے ہیں۔ یہ لڑکی اِسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔۔۔ اور وہ۔۔۔ اُدھر دیکھو۔۔۔ وہ لاش! اسے نیلم ہی نے ابھی ابھی میری آنکھوں کے سامنے قتل کیا ہے۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم نے بوکھلا کر شاید پیٹ پہ ہاتھ پھیرنا چاہا لیکن ہاتھ تو پُشت پر بندھے ہوئے تھے۔

"میں پیٹ پہ ہاتھ پھیرنا چاہتا ہوں۔" اُس نے بوکھلا کر کہا۔ لیکن شاید اُسے اپنی حماقت کا احساس ہو گیا پھر اُس نے جو جھینپی ہوئی شکل بنا کر زور لگایا ہے تو اُس کے ہاتھوں کے گرد رسّی کے بل تڑاخ تڑاخ ٹوٹ گئے اور وہ سچ مچ پیٹ پہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

"تم اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرو گے۔" بوڑھا ریوالور کا رُخ اُس کی طرف کر کے دہاڑا۔

"تمہیں قروں غا۔" قاسم بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "لیکن تم اِن لوگوں کے ساتھ کیوں دھکے کھاتے پھر رہے ہو؟ تم شاید خان بہادر عاصم کے لڑکے ہو۔"

"تم کون ہو؟"

"میں ساری دُنیا کا بادشاہ ہوں۔"

"اِنہیں مجرا کرو۔" حمید نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا۔

"مجھے مجرا کرنا نہیں آتا بھائی صاحب۔" قاسم بوکھلا کر بولا۔ "ارے بھائی بادشاہ صاحب۔"

پھر وہ حمید پر اُلٹ پڑا۔ انداز بالکل بھٹیاروں کا سا تھا۔

"اپسے تم خود مجرا کرو۔ میں رنڈی ہوں کیا کہ مجرا کرتا پھروں۔ تم خود رنڈی ہو۔"

بوڑھا ہنس پڑا۔ نیلم بھی ہنسنے لگی۔

دفعتہً وہ غیر ملکی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ جو اب تک خاموش کھڑا رہا تھا۔

"تم لوگ درندے ہو۔ بالکل درندے۔ اُسے مار ہی کیوں نہیں ڈالتے؟ ایسا برتاؤ تو جانوروں کے ساتھ بھی نہیں کرتے؟"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زخمی دُرجن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم بہت نرم دل ہو ہرمین۔" بوڑھے نے کہا "اسی لیے تو میں تم پر نازل کیا گیا ہوں۔ تم لوگ اسی لیے پیدا ہوئے کہ تمہارا علم ہم جیسوں کے کام آئے۔ تم میں ساری دُنیا پر حکومت کرنے کی طاقت ہے لیکن تم اُس طاقت کے استعمال سے ناواقف ہو۔ مجھے دیکھنا کہ میں تمہاری طاقت کو کس طرح مصرف میں لاتا ہوں۔ رحمدل آدمی دُنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ لفظ رحمدلی دراصل چالاک مجرموں کا تراشا ہوا ہے۔ جس کام کی ہمت نہیں پڑتی اُسے رحمدلی کے خانے میں ڈال دیا جاتا ہے اور جس کام کے کر گزرنے کی سکت ہوتی ہے اُسے دُوسرے خوب صورت نام دیے جاتے ہیں خواہ اس میں بربریت کی حد ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یہ بیسویں صدی ہے۔ ہرمین جہاں اَمن کے نام پر خون بہایا جاتا ہے۔ جو تم سے متفق نہ ہو نہایت اطمینان سے اُس کی گردن اُڑا کر اعلان کر دو کہ یہ امنِ عالم کے لیے بہت ضروری تھا۔ آدمیوں کی طرح سوچنا سیکھو ہرمین۔ فرشتہ بن کر آدمیوں میں رہنا مشکل ہے۔ افسوس کہ علم کی روشنی تمہارے ذہن میں اُجالا نہ کر سکی۔ تم اس لڑکی کے کارنامے کو درندگی قرار دیتے ہو۔ نہیں تم غلطی پر ہو۔ تلوار کے جوہر کسی کی گردن ہی پر آزمائے جا سکتے ہیں مگر نہیں ٹھہرو۔ میں یہ کہہ رہا ہوں۔ میں تمہیں یہ بات بیسویں صدی کے سُود و زیاں والے معیار سے کیوں نہ سمجھاؤں جس طرح کسی کی گردن اُڑا دینا امنِ عالم کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اُسی طرح اس لڑکی کا یہ فعل بھی بہت ضروری تھا۔ ورنہ آئندہ وہ اس کے بدلے ہزاروں کو بھی قتل کر سکتی تھی۔ یہ جب شیر خوار ہی تھی تو اس کا باپ قتل کر دیا گیا۔ قاتل اس کی ماں کو بھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ اُسے گود میں اُٹھا کر گھر سے نکل بھاگی لیکن قاتل کی گولی نے اُسے بھی نہ چھوڑا۔ وہ شارعِ عام پر مُردہ پڑی تھی اور یہ اُس کی چھاتی سے چمٹی ہُوئی بلک رہی تھی اور ان دونوں پر سے بارش کا طوفان گزر رہا تھا۔ یہ بچی بچپن ہی سے یہ کہانی سُنتی آئی ہے اور انتقام کی آگ اِس کے ریشے ریشے میں سُلگتی رہی ہے۔ اگر وہ قاتل اُسے نہ ملتا اور یہ اُس سے انتقام نہ لیتی تو ہو سکتا تھا کہ یہ کبھی پُورے معاشرے کے لیے خطرہ بن جاتی لہٰذا اس وقت جو کچھ بھی ہُوا ہے اُسے تم درندگی نہیں کہہ سکتے۔ یہ کل کی تباہی سے بچنے کے لیے بہت ضروری تھا۔ خیر شاؤ یہ شاید اب دم توڑ رہا ہے۔ اب تم اُسے فنا کر دو۔"

ہرمین کچھ نہ بولا۔ دُرجن بیچ بیچ تڑپ رہا تھا اور شاید یہ اُس کے اعصاب کا آخری کھنچاؤ تھا۔ دفعتہً اُس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ ڈھلک گئی اب وہ بالکل ساکت تھا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے بابا۔" نیلم نے گھبرائی ہُوئی آواز میں کہا۔

"تن کر کھڑی ہو جاؤ اور یہ سوچو کہ تمہیں اُسے ایک بار اور قتل کرنا ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے بابا۔" نیلم نے پہلے ہی کے انداز میں کہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے بوڑھے کی آواز سُنی ہی نہ ہو۔ پھر وہ اندھوں کی طرح ٹٹولتی ہُوئی آگے بڑھی اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ وہ بالکل اسی طرح کانپ رہی تھی جیسے سردیوں کی بارش میں دیر تک بھیگتی رہی ہو۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ بوڑھے نے بے پروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور ہرمین بولا۔

"کیا تم نے سُنا نہیں؟ چلو۔۔۔ اس لاش کو راکھ کا ڈھیر بنا دو۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ حمید بھائی۔" قاسم گھبرائی ہُوئی آواز میں بڑبڑایا۔ حمید کچھ نہ بولا

ہرمین آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہُوا دیوار کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے ہتھکڑی لگے ہُوئے ہاتھ اُٹھا کر دیوار پر ایک جگہ اُنگلی رکھی اور دُوسرے ہی لمحے عجیب قسم کی گھڑگھڑاہٹ سُنائی دی۔ دائیں جانب والی دیوار شق ہو گئی اور ایک بڑا سا سیاہ رنگ کا صندوق فرش پر پھسلتا ہُوا کمرے کے وسط میں آ رُکا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہُوا جیسے کوئی کمپارٹمنٹ ریلوے لائن پر دوڑتے دوڑتے رُک گیا ہو۔ ہرمین نے اُسے کھولا اور دُرجن کی لاش اُٹھا کر اُس میں رکھ دی گئی۔ ڈھکن بند ہوتے ہی صندوق پھر پہلے ہی کی طرح

پھسلتا ہُوا کمرے سے چلا گیا اور دیوار بھی برابر ہو گئی۔

حمید ہرمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب ہی خاموش تھے۔ دفعتہً حمید نے ہرمین کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے۔ اُس کی نظر ایک دیوار کے اُس حصے پر تھی جہاں ایک سوئچ بورڈ پر سُرخ رنگ کے تین بلب کبھی بُجھتے تھے اور کبھی روشن ہو جاتے تھے۔

"کیا بات ہے؟" بوڑھے نے پوچھا۔ شاید اُس نے بھی اُس کی آنکھوں میں کوئی تبدیلی پڑھ لی تھی۔

"کچھ نہیں۔" ہرمین نے کہا اور فرش پر پھیلے ہُوئے خون پر نظر جما دی۔

شاید دو منٹ بعد دیوار پھر شق ہُوئی اور صندوق پھر کمرے کے وسط میں آ کر رُک گیا۔ ہرمین نے آگے بڑھ کر ڈھکن اُٹھایا لیکن اچانک اُس کے مُنہ سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ اُچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ صندوق میں کرنل فریدی کھڑا اُنہیں گھور رہا تھا اور اُس کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی۔ وہ صندوق سے لہرا کر بولا۔ "شاید آپ لوگوں کو میری آمد گراں نہ گزرے اس لیے براہِ کرم اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا دیجیے۔"

حمید اور قاسم کے علاوہ سب نے ہاتھ اُوپر اُٹھا دیے۔ حمید بوڑھے کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیوں اب کیا ہے؟ میں نے کہا تھا نا کہ اس منحوس جملے کو نہ دُہراؤ۔"

"ہرمین۔" بوڑھے نے کہا۔ "اگر تم نے ذرہ برابر بھی کمزوری دِکھائی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

فریدی چونک کر بوڑھے کو گھورنے لگا۔ اُس نے شاید ابھی تک اُسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

نیلم بھی اَب کھڑی ہو گئی تھی لیکن اُس کے چہرے پر اضمحلال طاری تھا۔ خدوخال میں پہلی سی تازگی یا زندگی باقی نہیں رہی تھی۔

"اوہو۔ تو جناب ہیں۔" فریدی نے بوڑھے کے چہرے پر نظر جماتے ہُوئے کہا۔

"کیا آپ اِسے جانتے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"اچھی طرح حمید صاحب۔"

"ارے تو پھر بنا دُوں چٹنی سالے کی؟" قاسم بول پڑا۔

"نہیں۔ میں انہیں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"پولیس۔" ہرمین نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"اوہ۔ وہاں پولیس اسٹیشن۔ تم تو فولادی کو پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔"

"اور میں نے ہی فولادی کو اندھا کیا تھا۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "فولادی ایک شاندار ایجاد تھی۔ مجھے اعتراف ہے اور اس کی بربادی پر افسوس بھی لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ فولادی کس طرح مار کھا سکتا ہے؟ اس کی روشنی میں آئی ہُوئی ہر چیز یہاں ٹیلیویژن کے اسکرین پر نمایاں ہو جاتی تھی اور تم اُس کے بچاؤ کی تدبیر کر لیتے تھے۔ اس بناء پر بھاری توپیں بھی اُسے ختم کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ میں نے اُس کی روشنی سے بچ کر روشن حصے پر گولی چلائی اور اُسے بے کار کر دیا۔ چونکہ میں روشنی میں نہیں تھا اس لیے تمہیں یہاں اسکرین پر نہیں نظر آ سکا۔ روشنی والا حصہ شیشے کا تھا اور بہت آسانی سے توڑا جا سکتا تھا۔"

"تم بہت چالاک ہو۔ میں پہلے ہی دن سمجھ گیا تھا۔" ہرمین بولا۔

"اور آپ۔" فریدی نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ سوناگھاٹ پر نئی بندرگاہ کی تعمیر پسند نہیں کرتے تھے اسی لیے ہرمین پر قابو پاتے ہی آپ نے سب سے پہلے اسی کا تصفیہ کرنا بہتر سمجھا۔ اگر سوناگھاٹ پر بحری فوج کا اڈہ بن جاتا تو پھر آپ کی ناجائز درآمد و برآمد کا کیا ہوتا؟ ظاہر ہے کہ سوناگھاٹ اِس کام کے لیے ہمیشہ سے موزوں رہا ہے۔ کچھ تو بولیے جناب! آخر آپ خلافِ معمول اتنے خاموش کیوں ہیں؟"

"تم اپنی بکواس بند کرو تو میں بھی بولوں۔"

"چلیے! میں خاموش ہو گیا۔"

"تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"یہ مرض مجھے بہت کم ہوتا ہے۔"

"کیا ہم ایک دُوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہیں؟" بوڑھے نے کہا۔

"ایسا بھی کیا کہ اتنی پُرانی جان پہچان والے ایک دُوسرے کے لیے اجنبی بن بیٹھیں۔ نہیں میں اِس پر تیار نہیں ہو سکوں گا۔"

"اچھا تو تم میرا کیا کر لو گے؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔ پہلے کیپٹن سے آپ کا تعارف تو کرا دُوں۔ حمید صاحب آپ وہی بڑے آدمی ہیں جن کا تذکرہ میں اکثر کرتا رہا ہوں۔ رانا صاحب! ممبر آف پارلیمنٹ۔ آپ کا گروپ بہت تگڑا ہے اور آپ ایک بہت بڑے دیش

بھگت اور دیش سیوک بھی ہیں اور ملک کے حکام اعلیٰ صاحب جو دیش سیوکوں کے بھی سیوک ہیں آپ کی ذات بابرکات پر نہ صرف اعتقاد کرتے ہیں بلکہ اکثر غیروں کے سامنے فخر بھی کیا کرتے ہیں۔ شاید وہ آپ کے کرتوتوں سے واقف ہی نہیں ہیں۔ اس لیے دُوسرے بڑے حکام نہ صرف آپ سے خوف کھاتے ہیں بلکہ اس طرح آپ کے کام آتے ہیں کہ اُن کی پولیں بھی نہیں کھلنے پاتیں اور آپ بھی محفوظ ہی رہتے ہیں۔ لیکن آپ کو یاد ہوگا کہ فریدی آپ کو کئی بار۔۔۔ وارننگ دے چکا ہے اور آج وہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر یہاں سے لے جائے گا۔ رانا صاحب! آپ ہرمین پر قابو پا کر حکومت کا تختہ اُلٹنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ آپ کو شارع عام پر پھانسی دلواؤں گا۔۔۔ اسے لکھ لیجیے۔"

"جھک مار رہے ہو" بوڑھے نے قہقہہ لگایا۔ "آج رات کی کہانی تم لوگوں کے ساتھ یہیں دفن ہو جائے گی۔"

"ارے۔ اسے ہٹاؤ۔ وہاں سے" دفعتہً ہرمین چیخا۔

لیکن قبل اس کے کہ فریدی سنبھلتا بوڑھے کو زمین نگل گئی مگر وہ شاید فائر فریدی ہی پر کیا گیا تھا جس نے ہرمین کی کھوپڑی میں سُوراخ کر دیا۔

"وہ گیا" نیلم چیخی "سب یہیں دفن ہو جائیں گے۔ اُس نے جگہ جگہ ڈائنا مائیٹ لگائے ہیں اور ان کا سوئچ باہر ہے۔ بھاگو۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اُس نے جھپٹ کر ایک سوئچ بورڈ کا بٹن دبایا اور دیوار ایک طرف سرکتی چلی گئی۔ وہ سب اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور بوڑھے کے دُوسرے ساتھی اس وقت سیلاب کے سانپوں کی طرح کیچوے ہو گئے تھے۔ کوئی دُوسرا موقع ہوتا تو حتی الامکان فریدی اور حمید کو زندہ نہ جانے دیتے لیکن اس وقت وہ خود بھی اپنے بھیانک انجام سے خائف ہو کر اُنہی دونوں کا ساتھ دے رہے تھے۔

نیلم اُن کی رہنمائی کر رہی تھی اور وہ سب گرتے پڑتے بھاگے جا رہے تھے آخر وہ متعدد صندوق نما کمروں کے جال سے نکل کر سُرنگ میں دوڑنے لگے۔ سُرنگ تاریک تھی لیکن شاید نیلم کی حاضر دماغی نے کہیں سے ایک ٹارچ اُٹھا لینے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ وہ سب سے آگے دوڑ رہی تھی۔ اگر ہاتھ میں ٹارچ نہ ہوتی تو شاید اُن میں سے کئی کے ہاتھ مُنہ ٹوٹے ہوتے کیونکہ اُن کے پیروں کے نیچے زمین ناہموار تھی۔

وہ بہت جلد کھلے آسمان کے نیچے آ گئے لیکن نیلم کی رفتار اب زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا اس کے پیچھے صرف قاسم تھا اور بوڑھے کے ساتھیوں میں سے جدھر سینگ سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔ تقریباً دو فرلانگ دوڑنے کے بعد نیلم رُک گئی۔ اُس کی ٹارچ کی روشنی اندھیرے میں رینگ گئی۔

"وہ رہا۔ وہ دیکھیے" نیلم کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "شاید سوئچ تلاش کر رہا ہے جلدی میں سوئچ کا مقام بھول گیا۔"

ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی بوڑھا اُچھل کر بھاگا۔ فریدی کی ٹامی گن گولیاں اُگلنے لگی۔ بوڑھا بھی ایک چٹان کی اوٹ سے فائر کرنے لگا تھا۔ فریدی نے ٹامی گن ایک طرف ڈال کر ریوالور نکال لیا۔ دونوں طرف سے فائر ہوتے رہے۔ حمید کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ اِس لیے وہ خاموش کھڑا رہا۔ دفعتہً نیلم بولی۔

"مَیں ہی اُسے قابو میں لاؤں گی" وہ گھٹنوں کے بل چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"ٹھہرو۔ یہ کیا کرتی ہو" فریدی نے کہا۔

"ارے۔۔۔ ہائیں۔۔۔ ہائیں" قاسم ہکلایا۔

اور دُوسرے ہی لمحے میں وہ ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ حمید پر آ گری۔ حمید نے بڑی پھُرتی سے اُسے ہاتھوں پر سنبھال لیا۔

"نیلم کیا ہے۔۔۔؟ کیا ہُوا!"

"گولی۔۔۔ کیپٹن۔۔۔ میرے شانوں میں گولی لگی ہے۔۔۔ اُف۔۔۔ اوہ"

"حمید تم اسے دیکھو۔۔۔ یہ ایسے میں قابو نہ آئے گا" فریدی نے کہا اور حمید کے منع کرنے کے باوجود بھی بائیں جانب تاریکی میں رینگ گیا۔

"کیپٹن۔ یقین جانو" نیلم کراہی "ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ خود ہی آقا بھی ہے اور خود ہی غلام بھی۔ تم نے دُرجن کی گفتگو۔۔۔ سُنی۔ تھی۔ وہ بھی۔ اُف۔ نہیں جانتا تھا۔"

"تم خاموش رہو نیلم۔ قاسم ٹارچ روشن کرو۔"

"ٹارچ۔۔۔ نہیں! وہ بیلا بھوتی چلا رہا ہے۔"

"پروا مت کرو۔ مَیں زخم دیکھوں گا۔ اُسے چلانے دو گولی۔ نیلم گھبراؤ نہیں۔"

"نہیں۔ تم ٹارچ مت روشن کرنا۔ ٹھہرنا کیپٹن۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ مَیں مرنے جا رہی ہُوں۔ مَیں نے بھی ایک آدمی کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔ بابا بدطینت آدمی ہے۔ پتا نہیں۔ اُس نے جھوٹ کہا تھا یا سچ! ہو سکتا ہے۔ دُرجن نے

کر دیا۔ وہ اندھیرے میں آپس میں ہی لڑ گئے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ اُنہیں اس طرح بھڑا کر چپ چاپ نکل جاؤں اور کہیں چھُپ کر دیکھوں کہ وہ اس ہنگامے کے بعد کہاں جاتے ہیں؟ اس طرح میں ان غاروں تک پہنچنے میں کامیاب ہُوا تھا لیکن اتفاقاً میں اُدھر جا نکلا جدھر ہرمین کے ساتھی قید تھے۔ اُن سے اصل واقعات کا علم ہُوا۔ اتنے میں وہیں سے ایک سیاہ رنگ کا صندوق گزرا جس پر اُن لوگوں نے حیرت ظاہر کی پھر اُنہوں نے مجھے اُس کے روکنے کی تدبیر بتائی۔ مَیں نے اُسے روکا اُس میں ڈرجن کی لاش تھی۔ تب اُنہوں نے بتایا کہ اُسے راکھ میں تبدیل کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ وہ صندوق دراصل الیکٹرک بھٹی پر جا کر رُک جاتا اور لاش پندرہ منٹ کے اندر اندر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتی۔ ویسے اُس بھٹی اور صندوق نما کٹھالی کا مصرف دُوسرا تھا۔ وہ دھاتوں کو پگھلانے کے کام میں لائی جاتی تھیں۔ اُنہوں نے بتایا کہ اُس آدمی کو اُنہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ یقینی طور پر کوئی خاص مسئلہ درپیش ہوگا اور وہ سب بڑے آدمی ایک ہی دائرے میں اکٹھے ہوں گے جہاں سے وہ صندوق روانہ کیا گیا تھا اور اب اُسے پھر وہیں واپس جانا ہوگا۔ بس میں نے ڈرجن کی لاش نکال کر ایک طرف ڈال دی اور خود اُس صندوق میں لیٹ گیا۔"

"مگر مَیں سوچ رہا ہُوں کہ اس کیس کا ہیرو میں ہوں یا آپ ہیں؟ کیونکہ اگر نیلم نہ ہوتی تو ہم اس وقت کہاں ہوتے؟"

"ہیرو" فریدی مُسکرا کر بولا "ہیرو تو دراصل قاسم ہے۔ اگر اُس نے نیلم کی زندگی کی اطلاع نہ دی ہوتی تو اس وقت تمہارے چہرے پر پھٹکار برس رہی ہوتی۔"

"اوہ۔ مگر اب اُس بے چاری کا کیا ہوگا! اب وہ قطعی بے سہارا ہے۔"

"کیوں؟ کیا تم اُس کی ماں نہیں ہو۔ اُس کا بابا نہیں ہو؟ قاسم اس واقعے کا تذکرہ کرتے وقت مُنہ دبا دبا کر ہنس رہا تھا۔"

"قاسم۔" حمید ہنس پڑا "اُس نے تو کمال ہی کر دیا۔ بالکل اسی طرح رو رہا تھا جیسے کوئی بیوہ اپنی اکلوتی بچی کی لاش پر بین کر رہی ہو۔"

"مَیں سُن رہا ہُوں" رانا داری سے قاسم کی آواز آئی۔ "ابے تم خود بیوہ کی بچی پر بین بجا رہے تھے۔ سانپ نچا رہے تھے۔ سنپیرے کی اولاد۔ سالے نہیں تو۔"

حمید کے قہقہوں سے کمرہ جھنجھنا اُٹھا۔

کا خیال غلط نہیں نکلا۔ وہ چشمے تک پہنچ گئے۔ فریدی نے نیلم کا زخم صاف کر کے ڈریسنگ کر دی۔

نیلم کو ہوش آ گیا تھا۔ جب اُسے ساری سچویشن معلوم ہُوئی تو اُس نے مُسکرا کر کہا "مَیں اب بھی آپ کی مدد کر سکتی ہُوں۔ مجھے وہ جگہ معلوم ہے جہاں اُس کے دونوں ہیلی کاپٹر چھُپائے گئے تھے۔"

"بھئی مانتا ہُوں۔ تم واقعی بہت ذہین لڑکی ہو۔"

وہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے شکرگڑھ پہنچے۔ اپنے ساتھ وہ رانا کی لاش بھی لائے تھے۔ فریدی نے لاکھ چاہا کہ ابھی اس حادثہ کی خبر نہ مشہور ہو لیکن خبر تو پہلے ہی جنگل کی آگ کی طرح شکرگڑھ میں پھیل چکی تھی۔ فوجیوں نے اُس علاقے پر چھاپہ مارا جہاں یہ حادثات ہُوئے تھے لیکن چٹختے ہُوئے پتھروں کے ڈھیروں کے علاوہ اُنہیں اور کچھ نہ ملا۔ ہرمین تو رانا ہی کی گولی کا شکار ہو گیا تھا اور رانا کے ساتھی غالباً فریدی کے ساتھ ہی نکل بھاگے تھے جنہیں گرفتار کر لینا اب بھی مشکل نہیں تھا لیکن ہرمین کے پچیس ساتھی؟ اُن کا کیا بنا؟ کیا وہ نکل گئے ہوں گے یا انہی غاروں میں دب کر ہلاک ہو گئے تھے جن کی تخلیق خود اُنہوں نے کی تھی۔

فریدی کا یہ کارنامہ ہر فرد و بشر کی زبان پر تھا لیکن حقائق کا علم کسی کو بھی نہ ہو سکا تھا۔ رانا کی داستان اسی کے قول کے مطابق گویا سچ مچ انہی غاروں میں دفن ہو گئی تھی۔ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ اُن کی تباہ کاریوں کا ذمے دار ہرمین تھا جسے پولیس نے شکست دے دی اور وہ اپنی ہزیمت سمیت اپنے ہی ہاتھوں بربادی کے غار میں جا سویا۔ رانا کی داستان حکومت نے نہ پھیلنے دی۔ مقصد غالباً یہی تھا کہ لوگوں میں رہنماؤں کی طرف سے بددلی نہ پیدا ہونے پائے۔

نیلم اسپتال میں داخل کر دی گئی تھی۔ فریدی کو فرصت ملنے پر حمید نے سوالات شروع کر دیے۔

فریدی نے سب سے اہم سوال کا جواب دیتے ہُوئے کہا "اُس ویرانے میں صرف ہم ہی تین آدمی تھے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میری بلیک فورس بھی وہاں کام کر رہی تھی۔"

"تو پھر آپ نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے حملے کا حکم کسے دیا تھا؟"

"اوہ" فریدی مُسکرایا "مَیں جانتا تھا کہ تمام آدمیوں کے پاس ٹرانسمیٹر ضرور ہوں گے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ اگر وہ میرے ڈاج میں نہ آ جاتے تو نقشہ دُوسرا ہوتا۔ اُنہوں نے چاروں طرف سے گھیر ڈالا تھا۔ میرے اس ڈاج نے اُنہیں غلط فہمی میں مبتلا

سمجھے ہیں اس کی پرواہ نہیں ہو کہ وہ اُس پر جھوٹا الزام رکھ رہا ہے۔
مَیں نے بہت بُرا کیا کیپٹن۔ اللہ مجھے معاف کرے۔"

"وہ بُرا آدمی تھا نیلم تم اس کی فکر نہ کرو۔ تم پر آنچ نہیں آئے گی۔ مَیں تمہیں حکومت سے انعام دلواؤں گا۔"

"انعام" شاید وہ ہنسی تھی۔ "مَیں گلے میں لعنت کا طوق ڈال کر دنیا سے رُخصت ہو رہی ہوں۔ مَیں نے بہت بُرا کیا کیپٹن وہ بُرا تھا تو مَیں ہی کہاں اچھی تھی؟ میری ساری زندگی کش مکش میں گزر گئی۔ کبھی اچھی بننے کی کوشش کرتی تھی اور کبھی۔ کیپٹن۔ اچھے کیپٹن۔ مَیں نے سوچا تھا کہ ہم دونوں گہرے دوست بن جائیں گے۔ اوہ ...تم یہاں۔ ہو مونٹے۔ بھیا خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ مَیں نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے میرے بھیا۔"

قاسم دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

"نہیں۔ نہیں۔ ارے۔" اُس کے ہاتھ حمید کے گالوں پر رینگ گئے۔ "ارے تم بھی رو رہے ہو کیپٹن۔ اللہ۔ اللہ۔ مَیں اکیلی نہیں ہوں۔ میرے لیے بھی رونے والے ہیں۔ اللہ۔ اُوف۔ مجھے بھینچ لو کیپٹن۔ تم میرے باپ ہو۔ تم میرے لیے رو رہے ہو۔ میرے بابا۔ تم میری ماں ہو۔ مجھے بھینچ لو۔ میرا جسم اکڑ رہا ہے۔ بابا۔ میرے بابا۔ اوہ۔ کتنی تیز بارش ہو رہی ہے۔ ماں۔ مجھے بھینچ لو۔ ماں مجھے بھینچ لو۔ ماں۔ بارش۔ ماں۔ بارش۔"

یک بیک وہ خاموش ہو گئی۔

"نیلم... نیلم۔" حمید نے اُسے آہستہ سے ہلایا۔

لیکن نیلم کی آواز نہ سُنی جا سکی۔ حمید نے بہ آہستگی اُسے زمین پر ڈال دیا۔

"حمید... بھائی..." قاسم ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔

"ختم ہو گئی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

قاسم کی ہچکیاں پھر دہاڑوں میں تبدیل ہو گئیں۔

اس دوران میں فائر برابر ہوتے رہے تھے لیکن اب اُن کا رُخ دوسری جانب تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟

"مَیں تمہیں پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" دفعتاً اُنہوں نے بھی فریدی کی آواز سُنی۔

"مَیں تجھے کسی کیچوے کی طرح مَسل دُوں گا۔" جواب مِلا۔

اُنہوں نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سُنیں۔ ایک فائر ہُوا۔ پھر فوراً ہی ایک چیخ فضا میں اُبھری اور دُور دُور تک پھیلتی چلی گئی۔

"کرنل۔ کرنل۔" حمید چیخا۔

"ماں میں بخیریت ہوں۔" پیچھے سے آواز آئی۔ "تم ٹارچ لے کر نیچے آؤ۔"

حمید نے قاسم کو وہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور خود ٹارچ لے کر نشیب میں اُترتا چلا گیا۔ فریدی نے اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پھر حمید نے ایسا منظر دیکھا جس سے اُس کی کافی تسکین ہوئی اور وہ چند لمحے کے لیے یہ بھی بھول گیا کہ ابھی ابھی نیلم کی لاش کے پاس سے اُٹھ کر آ رہا ہے۔

بُوڑھا ایک چٹان پر چت پڑا ہُوا تھا۔ اُس کا جسم سرد ہو چکا تھا۔ گولی سر میں لگی تھی۔ فریدی اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "یہ قاسم کیوں چنگھاڑ رہا تھا؟"

"نیلم۔"

"کیا ہُوا۔ اُسے؟" فریدی کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"ختم ہو گئی؟"

"اوہ۔" فریدی کے مُنہ سے اتنا ہی نکلا اور وہ خاموش ہو گیا۔

اچانک اُنہوں نے قاسم کی چنگھاڑ سُنی۔ "حمید بھائی۔ اَبے دوڑو زندہ ہے۔ الاعظم... ابھی پانی مانگا تھا۔ زندہ ہے۔ الاعظم۔"

حمید بے تحاشا دوڑا۔ فریدی بھی دوڑ ہی رہا تھا لیکن حمید کی طرح بے سُدھ ہو کر نہیں دوڑا تھا۔

نیلم آنکھیں بند کیے کراہ رہی تھی۔

"مَیں زخم تو دیکھوں۔" فریدی اُس کے سرہانے بیٹھتا ہُوا بولا۔ بائیں شانے سے خون بہہ کر جم گیا تھا۔ اُس نے ٹارچ کی روشنی میں زخم دیکھا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "گولی شانے کی کھال پھاڑتی ہوئی دُوسری طرف نکل گئی ہے۔ یہ دراصل بے ہوش ہو گئی ہو گی۔"

* کچھ دیر بعد اُنہوں نے اپنی پُشت پر آگ کی لپٹیں اُٹھتی دیکھیں۔ آگ اتنی بلند تھی کہ دُور دُور تک کے علاقے نظر آ رہے تھے لیکن اُنہوں نے کوئی دھماکا نہیں سُنا تھا۔ آگ یقینی طور پر اُنہی غاروں سے نکل رہی تھی جن میں کچھ دیر پہلے اُنہوں نے ایک خطرناک مجرم کے چہرے سے نقاب ہٹائی تھی۔ مگر آخر یہ کیسے ہُوا؟ اگر اُنہوں نے ڈائنامائٹ استعمال کیے ہوتے تو دھماکے بھی یقینی طور پر ہوتے۔ یہ تو ایسا لگ رہا تھا جیسے پتھروں میں آگ لگ گئی ہو۔

حمید نے نیلم کو پُشت پر لادا اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے۔ فریدی کے خیال کے مطابق وہاں قریب ہی ایک چشمہ بھی تھا۔ اس

ابنِ صفی

پہلی آواز

لازوال اور سدا بہار کرداروں کا ایک اور کارنامہ

کردار کبھی نہیں مرتے۔ وقت انہیں دھندلاتا ہے نہ زمانہ انہیں فراموش کرتا ہے!
کرنل فریدی اور حمید بھی ابنِ صفی کے ایسے ہی کردار ہیں جنہیں وقت کبھی گرد آلود نہیں کر سکتا!

جاسوسی دنیا کا ایک دلچسپ اور بہترین ناول

وہ ایک معمولی سی شام تھی لیکن کیپٹن حمید کے لیے بے حد حیرت انگیز تھی۔ حیرت انگیز یوں تھی کہ اسی شام اُسے ایک حیرت انگیز فرض سونپا گیا تھا۔ ویسے تو یہ بات بجائے خود حیرت انگیز معلوم ہوگی کہ حمید جس کا سابقہ ہی حیرت انگیزیوں سے رہتا تھا اس کے لیے حیرت انگیزی کوئی معنی رکھتی ہو...!

لیکن یہ معاملہ محض اس لیے اس کی نظروں میں خاصی اہمیت رکھتا تھا کہ مضحکہ خیز تھا۔

اب اسے مضحکہ خیز ہی نہ کہیں گے تو پھر کیا کہیں گے اس کا محکمہ شادی بیاہ، اور بَر دکھاوے وغیرہ میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اسے کسی کا یہ شعر یاد آ رہا تھا اس وقت ؎

خفیہ پولیس خانۂ دل میں چھپی نہ ہو
تیرِ نظر چلائیں ذرا دیکھ بھال کر

ایک صاحبزادے اس کے حوالے کیے گئے تھے اور کہا گیا تھا کہ وہ بَر دکھاوے میں جا رہے ہیں اسے ان کے رفیق کی حیثیت سے ساتھ جانا پڑے گا۔ یہ علم محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کی طرف سے ملا تھا اور اس سے کہا گیا تھا کہ اس سلسلے میں بقیہ احکامات روانگی سے قبل ریلوے اسٹیشن پر مل جائیں گے۔

بَر دکھاوے میں جانے والے نوجوان کو کاغذی طور پر اس کے حوالے کیا گیا تھا۔ ابھی تک اس نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے لیے گھر پہنچا لیکن کھانے کی میز پر فریدی سے ملاقات نہ ہو سکی۔

فریدی آج صبح ہی صبح کہیں چلا گیا تھا۔ ناشتے پر بھی اس کا ساتھ نہیں ہو سکا تھا۔ اب اسے بقیہ احکامات کا انتظار تھا۔ کیونکہ پانچ بجے شام کو ریلوے اسٹیشن پر پہنچنا ضروری تھا۔ خالی ہاتھ نہیں بلکہ سامانِ سفر کے ساتھ۔

ساڑھے چار بجے تک وہ بڑی بے چینی سے فریدی کا انتظار کرتا رہا لیکن اس کی واپسی نہ ہونی تھی نہ ہوئی پھر وہ شدید ترین جھنجھلاہٹ کے عالم میں گھر سے ریلوے اسٹیشن کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

اسے اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ اسٹیشن پر اس نوجوان سے ملاقات کی کیا صورت ہوگی، کون تعارف کرائے گا۔ یہ تو معلوم تھا کہ نصیر آباد جانا ہوگا۔ وہ فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں داخل ہوا۔ یہاں آٹھ افراد پہلے سے موجود تھے۔ وہ ایک خالی کرسی پر جا بیٹھا اور ایک ایک کا بغور جائزہ لینے لگا۔ ان میں کوئی بھی بَر دکھاوے کے معیار پر پورا نہ اتر سکا۔ آٹھوں ادھیڑ عمر تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ ایک قوی الجثہ بڈھا آدمی اسے بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے۔ لیکن چہرے پر جوانوں کی سی توانائی تھی۔

کچھ دیر بعد ٹرین کی آمد کی اطلاعی گھنٹی بجی اور بوڑھا آدمی حمید کو گھورتا ہوا سیدھا ہو بیٹھا۔

ٹھیک اسی وقت اس کے بعد اپنے محکمے کا ایک آدمی ویٹنگ روم میں داخل ہوا۔ یہ سپرنٹنڈنٹ کا پی۔ اے تھا۔ اس نے حمید کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسی بوڑھے کی جانب اشارہ کر کے اُلٹے پاؤں باہر نکل گیا۔



حمید نے طویل سانس لی۔ ہوں تو یہ بوڑھا کھوسٹ جا رہا ہے، بڑ دکھاوے میں اور اسے اس کی رفاقت کرنی پڑے گی۔

اس نے سوچا برخوردار تم بھی کیا یاد کرو گے اگر اس رفاقت کی یاد میں تمہیں زندگی بھر نہ تڑپا ہیں تو۔

بوڑھے کے اُٹھتے ہی وہ بھی اُٹھ گیا اور پھر اس کے پیچھے ہی پیچھے ویٹنگ روم سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا تھا گاڑی ابھی نہیں آئی تھی۔ بوڑھا پلیٹ فارم کی ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔

حمید ٹہلتا رہا لیکن بوڑھے کو ایک پل کے لیے بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

ایک جگہ اچانک سارجنٹ رمیش سے مڈبھیڑ ہو گئی اور وہ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اور ایک لفافہ تھما کر رخصت ہو گیا۔

ایک سوٹ کیس وہ خود ساتھ لایا تھا پھر اس دوسرے سوٹ کیس کی کیا ضرورت تھی۔

لفافے پر اس کا نام تحریر تھا اور رائٹنگ فریدی کی تھی۔ اس نے لفافہ جیب میں ڈال لیا اور اسی جگہ واپس آگیا جہاں اپنا سوٹ کیس رکھا تھا۔ اتنے میں ٹرین آپہنچی۔ بوڑھے نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور ائرکنڈیشنڈ کوپے کے سامنے آرکا۔ پھر حمید نے اسے اس میں داخل ہوتے دیکھا۔

وہ جہاں تھا وہیں ٹھہرا رہا اور اب اس نے جیب سے لفافہ نکال کر چاک کیا۔ تحریر فریدی ہی کی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

"سپرنٹنڈنٹ کی خواہش ہے کہ تمہیں تنہا کام کرنے کے بھی مواقع دیئے جائیں۔ اس سوٹ کیس میں میک اپ کا سامان ہے۔ خود اعتمادی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔"

حمید نے طویل سانس لی اور خط پھاڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا اور خود بھی اسی کوپے کی طرف بڑھا۔

لیکن اس کے پاس نہ تو ریزرویشن کی رسید تھی اور نہ ٹکٹ تھا۔ وہ کوپے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کا پی۔ اے پھر دکھائی دیا، جو ٹرین کنڈیکٹر کے ساتھ اسی طرف آرہا تھا۔ ٹرین کنڈیکٹر نے قریب پہنچ کر حمید سے کہا "میرے ساتھ تشریف لائیے جناب"۔

اور پھر وہ بھی اس کے ساتھ اسی تھری سیٹر کے کوپے میں داخل ہوا تھا۔ بوڑھا اپنی سیٹ پر نیم دراز نظر آیا۔

کنڈیکٹر دوسری سیٹ کی طرف اشارہ کر کے باہر چلا گیا۔ حمید نے سیٹ پر بیٹھتے وقت سرہانے لگے ہوئے کارڈ پر نظر ڈالی تھی جس پر تحریر تھا "نواب زادہ ساجد حمید"۔

اس نے بُرا سا منہ بنایا اور بوڑھے کی طرف دیکھنے لگا۔ دفعتاً

بوڑھا ہنس کر بولا "میں نے آپ کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا یور ہائی نس"۔

"کیا مطلب؟" حمید کا لہجہ سخت تھا۔

"میں آپ کے خاندان کا پرانا نمک خوار ہوں۔ آپ کے دادا حضور "اعتماد الدولہ" کی خدمت میرے باپ نے کی تھی"۔

"اعتماد الدولہ"

"بس فی الحال خاموش رہیے۔ ٹرین کو چلنے دیجیے پھر اطمینان سے گفتگو ہوگی۔ میں آپ کے والد حضور کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھ پر اس حد تک اعتماد کیا"۔

"تعارف حاصل کرنے کا یہ ایک گھٹیا طریقہ ہے" حمید غرایا۔

بوڑھا مسکرا کر خاموش ہو رہا۔

ویسے اس کی گفتگو نے حمید کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔

اتنے میں ایک شعلہ جوالہ جین اور جیکٹ میں ملبوس کوپے میں داخل ہوئی اس کے پیچھے قلی سامان اٹھائے ہوئے اندر آیا تھا۔

لڑکی نے اچٹتی سی نظر ان دونوں پر ڈالی اور سامنے والی برتھ پر بیٹھ گئی۔

قلی اس کا سامان رکھ چکا تو اس نے پرس سے پانچ کا ایک نوٹ نکال کر قلی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "کیپ دی چینج"

"جی میم صاحب؟"

"باقی پیسے تم رکھ لو" وہ جھلا کر بولی "جاہل اتنی بھی انگریزی نہیں سمجھ سکتے"

"سلام میم صاحب" قلی نے بڑے ادب سے اسے سلام کیا اور باہر نکل گیا۔

تیکھے نقوش والی اس لڑکی نے حمید کو سچویشن سے بیگانہ کر دیا۔ وہ اپنی الجھن کو پس پشت ڈال کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

دفعتاً بوڑھا آدمی کھنکارا اور حمید چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ بوڑھے کی آنکھوں میں کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے وہ اسے اس دلچسپی سے باز رکھنا چاہتا ہو۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے بوڑھے کو انگریزی میں مخاطب کیا اور لڑکی بیساختہ ہنس پڑی۔ دونوں کی نظریں ملیں اور لڑکی نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

"کیا تم اپنے جاہل نہ ہونے کا ثبوت پیش کرنا چاہتے ہو؟"

"کیا مطلب؟" حمید نے بگڑے ہوئے موڈ کا مظاہرہ کیا۔

"کیا یہی بات تم اردو میں نہیں کہہ سکتے تھے"

"میں اجنبیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتا" حمید

بداخلاقی پر اتر آیا۔

اچانک بوڑھا دخل اندازی کر بیٹھا۔ اس نے لڑکی سے کہا: "محترمہ براہِ کرم بات نہ بڑھائیے۔ پرنس کی خوش مزاجی ان کی بہتر صحت کے لیے ضروری ہے۔"

"پرنس!" لڑکی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور اتنے میں گاڑی بھی چل پڑی۔

لڑکی چند لمحے حمید کو عجیب نظروں سے دیکھتی رہی اور پھر اس طرح جھک جھک کر حمید کو دیکھنے لگی جیسے بوڑھے کے بیان کی تصدیق کرنے کے لیے کسی خاص علامت کی تلاش میں ہو۔

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔" حمید جھنجھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں شہزادے صاحب تمہاری صحت کے لیے خوش مزاجی ضروری ہے۔" لڑکی ہنس پڑی۔

"محترمہ... محترمہ..." بوڑھا آدمی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"کیا محترمہ... محترمہ... کر رہے ہو۔ کھینچو زنجیر۔" حمید دہاڑا۔ "ہم اس نامعقول ٹرین سے سفر نہیں کریں گے۔"

"ایسا بھی کیا شہزادے صاحب۔ یہ اکبرِ اعظم کا زمانہ نہیں ہے۔" لڑکی بدستور ہنستی رہی۔

"خدا کے لیے محترمہ۔" بڈھا گڑگڑایا۔

"کھینچو زنجیر! اور اتار لے جاؤ اپنے شہزادے صاحب کو۔ میں اپنے آس پاس کسی سر پھرے آدمی کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔"

"اب تو تمہیں کرنا پڑے گا۔" حمید دھم سے برتھ پر بیٹھ گیا۔

"میں خود زنجیر کھینچ لوں گی۔"

"آپ کیسی ناسمجھی کی باتیں کر رہی ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"مجھے تمہاری موجودگی پر اعتراض نہیں ہے۔" لڑکی نے مڑ کر نرم لہجے میں کہا۔ "صرف اپنے شہزادے صاحب کو بیگج کیریئر یا ڈاگ کیریئر میں بند کرا دو۔"

"ڈاگ کیریئر میں ایسی اعلیٰ نسل کی کتیا کہاں ملے گی۔" حمید بولا۔

"تو تم یہیں بھونکتے رہو گے۔" لڑکی نے بے بسی سے کہا اور اپنی برتھ پر جا بیٹھی۔

حمید سوچ رہا تھا۔ سفر اچھا گزرے گا۔ اس نے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"تم کاریڈور یا باتھ روم میں تمباکو نوشی کرو گے۔ یہاں نہیں۔" لڑکی پھر بول پڑی۔

"بھونکتی رہو۔ میں عادی ہوں اس کا۔"

"میں ابھی تمہیں یہاں سے نکلوا دوں گی۔ میرے باپ ریلوے میں سب سے بڑے آفیسر ہیں۔"

"او ہو تو کیا اس محکمے میں یتیم خانے بھی ہیں؟"

"پرنس خدا کے لیے آپ ہی خاموش رہیے۔" بوڑھا بولا۔ "مناسب یہ ہوگا کہ تم ہم دونوں کو تنہا چھوڑ دو۔"

"بہت بہتر جناب! میں ڈائننگ کار میں جا رہا ہوں۔" بوڑھے نے برتھ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"م۔ میں تنہا چل رہی ہوں۔"

"تم چلی جاؤ گی تو پھر زنجیر کون کھینچے گا۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ بھی درست ہے۔" بوڑھے نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

"کیا درست ہے؟" لڑکی نے سوال کیا۔

"آپ بھی چلی گئیں تو پرنس تنہا رہ جائیں گے۔ یہ بھی ان کی صحت کے لیے مضر ہے۔"

"تو کیا میں تمہارے پرنس کے باپ کی نوکر ہوں۔" وہ جھلا کر چیخی۔

"انسانی ہمدردی محترمہ۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "آپ مجھے تنہا نہیں چھوڑ سکتیں۔ ابھی ابھی میں نے آپ کے چہرے میں یونان کی سائیکی کی جھلک دیکھی تھی۔ اب میں آپ کا احترام کروں گا۔"

"مجھے تو تم دونوں ہی فراڈ معلوم ہوتے ہو؟"

"جی نہیں! صرف میں فراڈ ہوں۔" حمید نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ان کی عمر اب اس قابل نہیں رہی۔"

"تم سچ مچ بہت بدتمیز ہو۔"

"محترمہ... محترمہ..." بوڑھا گڑگڑایا۔

"میں کنڈکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔"

"مجھ جیسے ذی عزت آدمی کو چھوڑ کر۔" حمید نے سوال کیا لیکن وہ مزید کچھ کہے بغیر بوگیوں کو ملانے والے دروازے سے نکل گئی۔

"یور ہائی نس۔"

"خاموش رہو اور بیٹھ جاؤ۔" حمید دہاڑا۔ "اور اب مجھے بتاؤ کہ اعتماد الدولہ کے بیٹے کا کیا نام ہے؟"

"حضور... حضور۔ کیا آپ اپنے والد حضور کا نام نہیں جانتے۔"

"ہم اگر اتنے بے خبر نہ ہوں تو پرنس کیوں کہلائیں۔"

"نواب اقتدار الدولہ جناب۔"

"اور ہم صرف ساجد حمید ہیں۔ ہم کوئی دولہ کیوں نہیں؟"

"آپ تو دولہا ہیں۔ میرے حضور۔"

اس پر حمید کا ماتھا پورے طور پر ٹھنکا تھا۔ تو کیا... تو کیا... اسے بیوقوف بنایا گیا ہے۔

"بڑے میاں سچ سچ بتاؤ۔ تم کون ہو۔ ورنہ اٹھا کر ٹرین سے

باہر پھینک دوں گا۔"

بوڑھے کی آنکھوں میں بدمزگی کے آثار نظر آئے اور اس نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

کارڈ پر تحریر تھا: "عبدالرؤف صمدانی۔ مینیجر بکی کارپوریشن۔"

"پھر تم میرے دادا کے نمک خوار کیسے ہوئے؟" حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"میرے باپ ان کی سرکار میں ملازم تھے۔ میں نے کچھ دنوں تک آپ کے والد حضور کی خدمت کی ہے۔ اس کے بعد وہاں سے آب و دانہ اٹھ گیا تھا۔ بزنس لائن میں پڑ گیا۔ میں دراصل اس کارپوریشن کا سب سے بڑا حصہ دار بھی ہوں۔"

"لیکن یہاں تمہاری موجودگی کا کیا مطلب؟"

"اپنے والد حضور کا یہ خط پڑھ لیجیے۔" اس نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "ہم لوگ بہت ہی خاص مواقع پر یاد کیے جاتے ہیں۔"

حمید نے لفافے سے خط نکالا جس سے ایک فوٹوگراف پھسلتا ہوا اس کی گود میں آ گرا۔ یہ خود اسی کا فوٹوگراف تھا۔

خط میں لکھا تھا:

"صمدانی میاں! اس یقین کے ساتھ کہ تمہیں بھی اپنے باپ کا عہد یاد ہوگا۔ تمہیں یہ خط لکھا جا رہا ہے۔ ہمارے عم نامدار کی حضور ہم کو تمہارے والد لے گئے تھے۔ تم ہمارے لختِ جگر کو اس کے چچا کے پاس لے جاؤ۔ افتخار الدین اس کا نام ہے۔ اس لیے تصویر بھی بھیجی جا رہی ہے کہ تم اسے پہچان سکو۔ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں وہ تمہیں ملے گا۔ کل شام پانچ بجے۔ آخر میں یہ دعا ہے کہ اللہ ہمارے درمیان اس روایت کو قیامت تک برقرار رکھے۔ آمین!

دعاگو

اقتدار الدولہ

خط پڑھ کر حمید نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "میرے باپ کا نام چوہدری حمید ہے۔ مجھے علم نہیں کہ اقتدار الدولہ ہونے کا شرف انہیں کب حاصل ہوا۔"

"واللہ۔ خوش مزاجی آپ کے خاندان کا طرۂ امتیاز ہے۔" بوڑھا صمدانی ہنس کر بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن تم لوگوں کی وفاداری کا بھی جواب نہیں۔"

"یہی عزت افزائی ہماری جاں نثاری کا سبب رہی ہے یور ہائی نس۔"

"تو ہم دولہا ہیں۔"

"یقیناً یور ہائی نس۔"

"لیکن ہمارے والد حضور نے تو ہمیں اس کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"یہ عین روایت کے مطابق ہے۔ انہیں بھی کچھ نہیں معلوم تھا۔ ان کے ساتھ میرے والد گئے تھے۔"

"گئے ہوں گے۔" حمید نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

"مناسب یہی ہے آپ بھی لاعلم ہی رہیں۔"

"لاعلمی میری جنت ہے۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "جاؤ اس لڑکی کو تلاش کرو۔"

"یہ مناسب نہ ہوگا پرنس۔"

"ہماری طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے یہ بات۔"

"آپ بر دکھاوے کے لیے جا رہے ہیں۔ یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے۔"

"جب ایک لڑکی ہمیں ناپسند کر سکتی ہے تو دوسری بھی کر دے گی۔ ہم اس سلسلے میں ذرا اپنا اطمینان کر لینا چاہتے ہیں۔"

"آپ مجھے الجھن میں ڈال رہے ہیں جنابِ عالی۔"

"مسٹر صمدانی۔"

"آپ صرف صمدانی کہہ سکتے ہیں مسٹر کہلوانے کا شوق نہیں ہے مجھے۔" صمدانی کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار تھا لیکن انداز خیر اندیشانہ ہی تھا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں خود جا رہا ہوں اس کی تلاش میں۔ تم یہیں بیٹھو۔"

"آپ کی مرضی۔"

حمید اٹھ گیا۔ خواہش چائے کی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ڈائننگ کار تک پہنچنے کے لیے اسے دو بوگیوں سے گزرنا پڑا۔

سامنے ہی کی میز پر لڑکی نظر آئی تھی۔ وہ بڑی بے تکلفی سے کرسی کھینچ کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"یہ کیا بدتمیزی!" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"میرا خیال ہے کہ میں ابھی صرف آ کر بیٹھا ہوں۔ بدتمیزی میں کافی دیر لگے گی۔"

"شٹ اپ۔"

"انگریزی میں برا نہیں مانتا۔ اگر چپ ہے! کہتیں تو زناٹیرا ہاتھ گھوم جاتا۔"

"آدمی ہو یا..."

"پرنس ہوں۔"

"شکل دیکھی ہے! فراڈ کہیں کے۔"

"کتنی بار کہوں گی؟"
"تم اُٹھ جاؤ یہاں سے۔"
"لوگ مجھے احمق سمجھیں گے۔"
"تم تو صورت ہی سے احمق معلوم ہوتے ہو۔"
"تب تو لوگ مجھے تمہارا شوہر سمجھیں گے؟" حمید خوش ہو کر بولا۔
"بکواس مت کرو۔"
"اور لوگ تمہیں جھگڑالو سمجھیں گے۔"
"تو میں ہی اٹھی جاتی ہوں۔"
"بہت زیادہ بد دماغ بیوی سمجھ کر لوگ مجھ سے ہمدردی کریں گے۔"
"خدا کرے مر جاؤ تم۔" وہ دانت پیس کر بولی۔
"آئندہ کسی مرد سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا۔" حمید اُٹھتا ہوا بولا اور دوسری میز پر جا بیٹھا۔
لڑکی کے چہرے پر پل بھر کے لیے حیرت کے آثار نظر آئے تھے اور پھر اس طرح معدوم ہو کر رہ گئے تھے جیسے اس میں کسی کوشش کو دخل رہا ہو۔
حمید نے ویٹر کو اشارے سے بلایا اور آہستہ سے بولا۔ "ان صاحبہ سے پوچھو کیا پئیں گی۔"
"میں نہیں سمجھا جناب۔" ویٹر کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار تھا لیکن حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "زن مریدی سفر میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتی۔ ابھی ابھی اچانک مجھ سے خفا ہو گئی ہیں۔"
"اوہ، میں سمجھا۔ جناب، بہت بہتر۔" کہتا ہوا وہ لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بڑے ادب سے جھک کر لڑکی سے کچھ کہا تھا اور لڑکی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ پھر وہ حمید کو گھورنے لگی تھی۔ اتنی سختی سے دانت بھینچے تھے کہ جبڑوں کی وریدیں ابھر آئی تھیں۔
دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے لڑکی پر غشی طاری ہو رہی ہو۔ قہر میں ڈوبی ہوئی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوتی جا رہی تھیں اور پھر سچ مچ اس کی گردن کرسی کی پشت گاہ پر ڈھلک گئی۔ ویٹر بوکھلا کر حمید کی طرف مڑا۔
"کک۔ کوئی بات نہیں، فکر نہ کرو۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "ان پر دورے پڑتے ہیں اکثر۔" اس کے قریب پہنچ کر پیشانی پر انگلی سے ٹھوکے دیئے لیکن اس کی آنکھیں نہ کھلیں۔ آخر اس نے اسے ہاتھوں پر اٹھایا اور ویٹر سے کہا کہ وہ اس کا وینٹی بیگ اٹھالے اور اس کے ساتھ کوپے تک چلے۔
بوڑھے صمدانی نے انہیں اس حال میں دیکھا تو بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔
حمید نے اسے برتھ پر لٹاتے ہوئے ریزرویشن کارڈ پر نظر ڈالی جس پر "خان زادی دردانہ" تحریر تھا۔
ویٹر کو پانچ روپے بطور بخشش دیتے وقت حمید نے اس کا شکریہ بھی ادا کیا اور بوڑھے کو آنکھ مار کر مسکرایا۔
ویٹر کے رخصت ہونے پر صمدانی نے بوکھلائے ہوئے لہجہ میں استفسار حال کیا تھا۔
"میرا خیال ہے کہ یہ غصے کی شدت کی بنا پر بیہوش ہو گئی ہے۔" حمید نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔
"لیکن، لیکن جناب؟"
"تم فکر نہ کرو۔ خود ہی ہوش میں آجائے گی، لیکن تم ذرا اس پر نظر رکھنا کہ زنجیر نہ کھینچنے پائے۔"
"آپ نے بڑی دشواری میں مبتلا کر دیا جناب۔"
"تم کیسے ساتھی ہو؟"
"ہمیشہ عزت کی زندگی بسر کی ہے میں نے۔ مجھ پر رحم فرمایئے۔"
اچانک خان زادی دردانہ اٹھ بیٹھی اور اس کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں لیکن اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔
"ب۔ بب۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا ہے۔" بوڑھا صمدانی کپکپاتی آواز میں بولا۔ "جیسے کوئی بھیڑیا غرا رہا ہو۔"

[.] [ ]

لڑکی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں درندگی تھی اور چمکدار دانت سچ مچ کسی بھیڑیئے ہی کے دانتوں سے مشابہہ نظر آنے لگے تھے۔
حمید نے جلدی سے اپنا سوٹ کیس کھولا اور چار سو دس بور کی دو نالی بندوق نکالی اور لڑکی کا نشانہ لے کر ایک گوشے میں کھڑا ہو گیا۔
"یہ... یہ... آپ کیا کر رہے ہیں۔ جناب عالی۔" بوڑھا صمدانی بری طرح کانپ رہا تھا۔
"خاموش رہو۔ جیسے ہی یہ تم پر حملہ کرے گی۔ میں فائر کر دوں گا۔"
پھر اچانک لڑکی پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا اور حمید نے صمدانی کو آنکھ مار کر کہا۔ "دیکھا تم نے۔"
لڑکی نے برتھ سے چھلانگ لگائی اور حمید کے قریب پہنچ کر بولی۔ "ہائے کتنی ننھی سی بندوق ہے۔ ذرا مجھے دکھاؤ۔"

"لو۔ لو... ضرور دیکھو۔"
اس نے اس کے ہاتھ سے بندوق جھپٹی اور پھر بھیڑیئے ہی کی طرح غراتی ہوئی پیچھے ہٹنے لگی۔ اس نے حمید کے دل کا نشانہ لے رکھا تھا۔
"وہ تو پہلے ہی گھائل ہے۔ یہاں کا نشانہ لو۔" حمید نے اپنی کھوپڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
لڑکی کے تیور سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ انہیں کور کیے ہوئے زنجیر تک پہنچنا چاہتی ہے۔
"وہ۔ دیکھیے جناب۔" صمدانی ہکلایا۔
"میں دیکھ رہا ہوں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "بندوق خالی ہے لہٰذا...!"
دوسرے ہی لمحہ میں اس نے نہ صرف اس کے ہاتھ سے بندوق چھین لی تھی بلکہ اسے اس کی برتھ پر جھٹک دیا تھا۔ برتھ پر گر کر وہ اسے برا بھلا کہنے لگی اور صمدانی حمید کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔
"خدارا رحم کیجیے۔ اس وقت آپ اعتماد الدولہ بہادر ہی کی طرح کھلنڈرے نظر آ رہے ہیں۔"
"اعتماد الدولہ۔" دفعتاً لڑکی اُٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے۔
"جی ہاں۔ یہ ان کے پوتے ہیں۔" صمدانی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔
"بکواس۔ وہ تو میرے دادا تھے۔" لڑکی جھنا کر بولی۔ "آخر تم لوگ میرا مذاق کیوں اڑانا چاہتے ہو۔"
"آپ خان زادی ہیں۔ اعتماد الدولہ کی اولاد نواب زادہ کہلاتی ہے۔" صمدانی جزبز ہو کر بولا۔ "وہ میرے دادا کے بھائی تھے۔"
"نہیں۔" صمدانی اچھل پڑا۔
"اور اسی لیے میں نے چاہا تھا کہ تم لوگ مجھ سے دور رہو، اگر میرے باپ کو علم ہو جائے تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"
"آپ کا مطلب ہے کہ خان ظفریاب۔"
"ہوں۔ تو تم میرے باپ کے نام سے بھی واقف ہو۔"
"اچھا لڑکی اب بکواس بند کرو۔" حمید پیر پٹخ کر بولا۔ "ہم کسی قدر غنودگی محسوس کر رہے ہیں۔"
"اگلے اسٹیشن پر تم دونوں پولیس کی حراست میں ہو گے۔"
"اگر آپ خان ظفریاب کی صاحبزادی ہیں، تو...۔" صمدانی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔
"اب کیا کہنا چاہتے ہو؟"
"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ خان ظفریاب کی بیٹی اور خان دوراں کی پوتی ہیں تو آپ کو اس کا بھی علم ہوگا کہ دونوں سلسلوں کے درمیان تعلقات کی کیا نوعیت ہے۔"
"میں پوچھتی ہوں تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"
"یہ خان دوراں کی بڑی بیٹی کے بیٹے ہیں۔" صمدانی نے حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"اگر یہ سچ ہے تو...!" وہ حمید کو خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی خاموش ہو گئی۔
"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ دارالحکومت میں کیوں تشریف لائی تھیں؟" صمدانی نے پوچھا۔
"اسی خطرہ کے امکان کا جائزہ لینے کے لیے۔"
"اسے آپ خطرہ سمجھتی ہیں۔"
"پھوپی اماں بزدل تھیں۔"
"ایسا نہ کہیے۔"
وہ پھر حمید کو گھورنے لگی اور کچھ دیر بعد بولی۔ "تو یہ بے وقوف آدمی ہمارے گھر جا رہا ہے! لیکن ٹھہرو۔ اس گھرانے میں ساجد حمید نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔"
"بزدل ماں کا بزدل بیٹا۔" وہ نفرت کا اظہار کرتی ہوئی بولی۔
اس بار حمید بھڑک اٹھا۔ اسے بالکل ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے اس نے سچ مچ اس کی اپنی ماں کو کہا ہو۔
"تم زبان بند کرو۔ ورنہ اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔"
"شٹ اپ۔"
حمید اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ صمدانی بیچ میں آ کھڑا ہوا بولا۔ "آپ صبر و سکون کے ساتھ بیٹھ جایئے جناب عالی! میرا خیال ہے کہ خان ظفریاب کی کوئی دوسری بیٹی نہیں۔"
"تم ٹھیک کہتے ہو بوڑھے خبیث۔" لڑکی آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔
"میں اس خاندان کا قدیم نمک خوار ہوں۔ آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانوں گا۔" بوڑھے صمدانی نے مسکرا کر کہا۔
لڑکی پھر کچھ نہ بولی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسے اپنی برتھ کی طرف واپس آنا پڑا تھا۔
لڑکی کی آنکھوں میں تنفر کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔
بوڑھا صمدانی گنگنانے لگا۔ "خان زادی صاحبہ مجھے بے حد افسوس ہے کہ ہماری ملاقات ان حالات میں ہوئی۔ خاندانی روایت کے مطابق پرنس افتخار الدولہ اپنے چچا کے حضور باریابی کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ خان دوراں کی گڑھی کے دعویدار

ہارون رشید کے زمانے میں بہلول نامی ایک شخص دیوانہ بنا ہوا تھا۔ ایک چالاک آدمی نے جو بہلول کو واقعی دیوانہ سمجھتا تھا ایک دفعہ دیکھا کہ بہلول کے پاس سونے کا ایک سکہ ہے اور وہ اسے اچھالتا جا رہا ہے۔ چالاک آدمی نے پیتل کے دس چمکتے ہوئے سکے نکال کر ہتھیلی پر رکھے اور بہلول سے کہا "تم اپنا سکہ مجھے دے دو اور یہ دس کے دس سکے تم لے لو۔"

بہلول نے کہا۔ "پہلے تین مرتبہ گدھے کی بولی بول کر دکھاؤ۔"

وہ شخص سمجھا کہ بہلول اس کے دام میں آگیا۔ اس نے فوراً تین مرتبہ گدھے کی آواز نکالی اور بولا۔ "لاؤ اب سکہ مجھے دے دو۔"

بہلول نے کہا۔ "تجھے اپنے گدھے پن کے باوجود یہ معلوم ہے کہ میرا سکہ سونے کا ہے تو کیا مجھے یہ علم نہیں کہ تیرے سکے پیتل کے ہیں۔"

چالاک اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔

شاہد میں کہ اقتدار الدولہ کی اولاد روایت کی پابند رہی ہے!"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ وہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

دفعتاً حمید بولا "خان دوراں۔ خان ظفریاب اور... اور غالباً تمہارے بھائی کا نام خانساماں ہوگا!"

"شٹ اپ!" لڑکی دھاڑی۔

"آواز بُری نہیں ہے!" حمید نے صمدانی کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"میں دست بستہ گزارش کروں گا کہ...!"

"تم خاموش بیٹھو!" حمید نے غصیلے لہجہ میں کہا۔

"بہتر یہی ہوگا!" لڑکی بھی صمدانی کو گھورتی ہوئی بولی "میں اس احمق سے براہِ راست گفتگو کرنا چاہتی ہوں!"

"یہ روایت کے خلاف ہوگا!"

میں لعنت بھیجتی ہوں اس روایت پر... سمجھے!"

"اب میں اس سلسلے میں قطعاً کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا!"

"لیکن میں گفتگو کرنا چاہتی ہوں!"

"میں پرنس کو خان ظفریاب کی خدمت میں پیش کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا!" صمدانی بولا۔

"اب یہ شخص زندگی بھر ان کی خدمت میں پیش نہیں ہو سکے گا!" لڑکی نے کہا اور اچھل کر برتھ سے اُٹھ گئی۔ وہ پھر بلوگیوں کو ملانے والے دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ حمید استفہامیہ انداز میں صمدانی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں کیا بتاؤں پرنس!" صمدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"خود میری عقل چکرا کر رہ گئی ہے! سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ دونوں ایک ساتھ سفر کریں گے!"

"او، اچھا۔ جو کچھ بھی کہنا ہے ایک ہی بار کہہ جاؤ۔ کیوں مجھے بھی مخبوط الحواس کر رہے ہو!" حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

"یہ طرزِ تخاطب آپ کے شایانِ شان نہیں ہے!"

"اچھا تو میں پھر جا رہا ہوں اس کے پیچھے!"

"اب یہ آپ کا فرض ہے کہ اپنی منگیتر کی نگہداشت خود کریں!"

"منگیتر! کیوں حواس باختہ ہو رہے ہو بڑے میاں!"

"آپ کی تیز مزاجی ہی کی بنا پر اقتدار الدولہ بہادر نے آپ کو اصل معاملے سے لاعلم رکھا ہوگا۔ آپ دنیا کے کسی حصہ میں بھی پلے بڑھے ہوں لیکن آپ کی شادی اسی دستور کے مطابق ہوگی جو سینکڑوں سال سے آپ کے خاندان میں چلا آ رہا ہے!"

"بھلا میں دنیا کے کس حصہ میں پلا بڑھا ہوں!"

"فرانس میں جنابِ عالی۔ کیا... کیا آپ مجھے اس قدر لاعلم سمجھتے ہیں۔ آپ صرف پانچ سال کے تھے جب اقتدار الدولہ نے آپ کو ایک ہمدرد فرانسیسی کے حوالے کر دیا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں!"

"ٹھیک ہے!" حمید بولا۔

اور آپ پچھلے مہینے تشریف لائے ہیں۔ آپ کے اعزہ آپ کو اس وقت تک نہیں پہچان سکتے جب تک کہ انہیں آپ کی شخصیت سے آگاہ نہ کیا جائے!"

"قدرتی بات ہے!" حمید نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"اب باعثِ تشویش یہ ہے جنابِ عالی کہ صاحبزادی ادھر

کیوں تشریف لائی تھیں۔ اور پھر تنہا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ خان دوراں کی اولاد آتنی آزاد خیال ہو سکتی ہے!"

"تو یہ ہمارے یہاں کیوں نہیں گئی!"

"مجھے افسوس ہے کہ اقتدار الدولہ نے آپ کو حالات سے اس حد تک بے خبر رکھا!"

"مجھے حالات کی پروا نہیں۔ صمدانی صاحب! ہر قسم کے حالات سے نمٹنا میری ہابی ہے۔ خواہ پہلے سے ان کا علم ہو یا نہ ہو!" حمید بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

جواب میں صمدانی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ آندھی اور طوفان کی طرح کوپے میں داخل ہوئی۔

"تو یہ حضرت میرے منگیتر ہیں!" وہ حمید کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

"ڈائننگ کار کا ویٹر بھی سخت نامعقول واقع ہوا ہے۔ وہ تمہیں میری بیوی سمجھا تھا!" حمید بولا۔

"تم خاموش رہو۔ میں ان سے گفتگو کر رہی ہوں!" لڑکی نے صمدانی کی طرف اشارہ کیا۔

"مناسب یہی ہوگا محترمہ!" صمدانی نے کہا۔ اس بار اس کا لہجہ سرد تھا۔

کیا تمہیں اپنے آقا اقتدار الدولہ کے بیٹے کی زندگی عزیز ہے!"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں!"

"تو پھر اگلے اسٹیشن پر اتر جاؤ اور یہیں سے اپنے شہر واپس چلے جاتا!"

"جی نہیں!" حمید بول پڑا "اب تو اپنے چچا حضور کی خدمت میں ضرور پیش کیا جاؤں گا!"

اس سے پہلے ہی آپ کی گردن کٹ جائے گی!" لڑکی ہنستا کر بولی۔ اس پر حمید نے صمدانی کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی اور سوال کیا "اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ انکل صمدانی!"

"آپ بزدل تو نہیں ہیں پرنس!"

"میں تمہیں بزورِ شمشیر حاصل کروں گا!" حمید نے لڑکی کو گھورتے ہوئے کہا اور اپنے داہنے بازو کی مچھلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"میں نے آگاہ کر دیا خطرے سے۔ اب تم جانو!" لڑکی نے کہا اور برتھ پر نیم دراز ہو گئی۔

صمدانی حمید کے قریب آ بیٹھا اور آہستہ آہستہ کہنے لگا "میں سخت الجھن میں پڑ گیا ہوں پرنس! پتہ نہیں ایسے حالات میں اقتدار الدولہ بہادر کیا کرتے!"

"جاؤ، اپنی برتھ پر جاؤ۔ اس وقت تم اقتدار الدولہ کے حضور میں نہیں ہو۔ اب تمہیں میرے احکامات کا پابند رہنا ہوگا!"

"بجا۔ ارشاد ہوا!" صمدانی نے کہا اور اٹھ کر اپنی برتھ پر جا بیٹھا۔

لڑکی نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن اس کے نتھنے پھولے ہوئے تھے اور چہرہ سرخ تھا۔ غالباً اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔

حمید نے سوچا خاصی دلچسپی رہے گی لیکن آخر یہ ہے کیا چکر۔ محکمہ سراغرسانی کے سپرنٹنڈنٹ کو شادی بیاہ سے کیا سروکار۔ نواب اقتدار الدولہ کا نام اس نے سنا تھا۔ کبھی رہے ہوں گے نواب اب تو ایکسپورٹ امپورٹ کے چکر میں پڑے ہوئے تھے۔

کچھ بھی ہو معاملہ گمبھیر معلوم ہوتا ہے۔ حمید سوچتا اور لڑکی کو گھورتا رہا، جو بدستور آنکھیں بند کیے برتھ پر نیم دراز تھی۔

دفعتاً حمید نے صمدانی کو اشارہ کیا کہ وہ وہاں سے چلا جائے۔ اس نے بالکل مشینی طور پر اس کے اس حکم کی تعمیل کی تھی۔ اتنی آہستگی سے دوسری طرف چلا گیا کہ لڑکی کو علم نہ ہو سکا۔

"محترمہ!" کچھ دیر بعد حمید نے اسے آواز دی اور وہ آنکھیں کھول کر سیدھی ہو بیٹھی!

"کیا بات ہے!" وہ غرائی۔

"گزارش یہ ہے کہ مجھے روایات سے نفرت ہے! میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ میں اس قدیم خاندانی روایت کو توڑ دوں گا!"

"سچ سچ!" دفعتاً لڑکی کا چہرہ کھل اٹھا۔

"ہاں۔ لیکن تمہیں دیکھ لینے کے بعد میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا ہے!"

"کیا مطلب؟"

"اگر اب میں نے اس روایت کو توڑ دیا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی خوبصورت ہوگی!"

"شٹ اپ!"

"بُرا نہیں مانتا۔ فرانس کی بیویاں اپنے شوہروں کی پٹائی تک کر دیتی ہیں اور میں اسی ماحول میں پلا بڑھا ہوں!"

"اس خیال کو دل سے نکال دو کہ مجھے حاصل کر سکو گے۔ لاشیں گر جائیں گی!"

"کیا کوئی جن عاشق ہو گیا ہے تم پر!"

"میں کہتی ہوں بکواس بند کرو۔ تم کوئی فراڈ ہو۔ جس کی زندگی بچپن سے اب تک فرانس میں گزری ہو۔ وہ اتنی بامحاورہ اُردو

نہیں بول سکتا۔"

"یہ ناممکن نہیں ہے دردانہ بیگم۔ میں جرمنوں کے سے لہجے میں جرمن بول سکتا ہوں اور فرانسیسیوں کی طرح فرانسیسی۔"

اُردو کا ماحول وہاں تمہیں کیسے ملا ہوگا۔

"وہ خاتون جو میری اتالیق تھیں ان کا سسرالی سلسلۂ نسب لکھنؤ کے ایک میر صاحب سے ملتا جلتا تھا۔"

"بکواس۔"

"مادام پونڈری میر کہلاتی ہیں۔ ان کے شوہر میر طارق علی اُردو کے ایک بلند پایہ ادیب ہیں۔ اپنی اُردو کے لیے میں انہی کا رہینِ منت ہوں۔ مادام پونڈری میر اکثر کہا کرتی ہیں کہ شوہر کی وجہ سے ان کی مادری زبان چوپٹ ہوگئی ہے اور وہ فرانسیسی بولتے وقت اوچ۔ اوئی اللہ اور ہائے میں مرگئی وغیرہ کہنے لگی ہیں۔"

لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ کی ہلکی سی لہر نظر آئی تھی جس کا گلا اس نے فوری طور پر گھونٹ دیا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے کہا: "میں تمہیں پھر سمجھاتی ہوں کہ ہماری گڑھی میں قدم بھی نہ رکھنا۔"

"اگر چچا حضور اس قسم کی کوئی پابندی لگائیں تو سر آنکھوں پر۔"

"اچھی بات ہے۔ خود بھگتو گے۔ یہ زنانہ بندوق جو ساتھ لیے پھرتے ہو کام نہ آئے گی۔ میں نے تھری ناٹ تھری پر نشانے کی مشق کی ہے۔"

ارے وہ چار سو دس بور تو میں لڑکیوں کو خوش کرنے کے لیے ساتھ رکھتا ہوں۔ اتنی چھوٹی سی بندوق دیکھ کر وہ بے قابو ہو جاتی ہیں۔"

"ہونہہ۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "ہمارے اسلحہ خانے میں بھانت بھانت کی بندوقیں اور رائفلیں ہیں۔"

"میں توپ سے بھی نہیں ڈرتا۔ تم سے شادی کر کے رہوں گا۔"

"بکواس بند۔ میں اس سلسلے میں اب اور کچھ نہیں سننا چاہتی۔"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے لڑکی کی باتوں سے ذرہ برابر بھی متاثر نہ ہوا ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے پائپ کا کش لے کر کہا: "اقتدارالدولہ بہادر مجھے گولی مار دیں گے اگر میں چچا ظفریاب کے حضور پیشی سے پہلے ہی بھاگ نکلا۔"

"تم ابا حضور تک نہیں پہنچ سکو گے۔ ان تک پہنچ جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ میری شکست ہوگی۔"

"کیا میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔"

"میں اب تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گی۔"

"تم اتنی اچھی ہو کہ تمہارا دل نہیں دکھانا چاہتا۔"

"تو پھر؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"اگر تم سنجیدگی سے سنو تو میں اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"ضرور کہو۔ میں سنوں گا۔"

"تم ابا حضور کے سامنے پہنچ کر انکار کر سکتے ہو۔ کہہ سکتے ہو کہ تم فرانسیسی لڑکی سے شادی کرو گے۔ دیسی لڑکیوں سے تمہارا نباہ نہیں ہو سکے گا۔"

"تدبیر تو ٹھیک ہے لیکن یقین کرو اے میری بنتِ عم۔ تم پر سے درجنوں فرانسیسی لڑکیاں نثار کی جا سکتی ہیں۔"

اس بار اس نے حمید کو بناوٹی غصے سے گھورا تھا لیکن کچھ بولی نہیں تھی۔ گاڑی کے باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد صمدانی واپس آ گیا اور اس نے دونوں ہی پر متحیرانہ نظریں ڈالیں کیونکہ وہ اپنی اپنی برتھ پر سکون سے نیم دراز تھے۔ لڑکی انگریزی کا کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی اور حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ نصیر آباد کے اسٹیشن پر اترنا تھا۔

رات کے نو بج رہے تھے اور دس منٹ بعد وہ نصیر آباد پہنچنے والے تھے۔ دفعتاً لڑکی نے حمید کو مخاطب کر کے کہا: "میں اسٹیشن پر رک کر ریل کار کا انتظار کروں گی جس ڈاکٹر کے لیے دارالحکومت گئی تھی۔ وہ میرے بعد ریل کار سے روانہ ہوا ہوگا۔"

"ڈاکٹر، کیوں؟"

"ابا حضور کے لیے۔ وہ علیل ہیں۔"

"تو کیا ہم بھی ٹھہریں گے تمہارے ساتھ؟"

"ہرگز نہیں، تم دوراں نگر جاؤ گے۔ اسٹیشن پر باہر ٹیکسیاں موجود ہوں گی۔"

"لیکن ہم تو تمہارے ساتھ ہی جانا چاہتے ہیں۔"

"نوابزادہ ساجد حمید یہ ناممکن ہے۔" لڑکی نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"بات بڑھانے کی ضرورت نہیں پرنس۔ وہی کیجیے جو صاحبزادی کہہ رہی ہیں۔" صمدانی بول پڑا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا اور سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

ٹرین کی رفتار کم ہوتی جا رہی تھی۔ لڑکی اپنا سامان اکٹھا کرنے لگی۔ صمدانی اپنے اور حمید کے سامان کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔

"دوسری بات۔" دفعتاً لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی: "اگر کوئی مجھے ریسیو کرنے آئے تو ایسے بن جانا جیسے ہم ایک دوسرے کے لیے قطعی اجنبی ہوں۔ اس سے ہرگز نہ کہنا تمہیں بھی دوراں نگر جانا ہے اور تم لوگ کون ہو؟"

"بہت بہتر محترمہ۔" صمدانی نے بڑے ادب سے کہا۔ ٹرین رک گئی۔ وہ نیچے اترے۔ دردانہ کو ریسیو کرنے کئی آدمی آئے تھے۔ صمدانی حمید سمیت الگ جا کھڑا ہوا۔

دردانہ ان لوگوں سے کچھ کہہ رہی تھی جو اسے لینے آئے تھے، پھر حمید نے انھیں ویٹنگ روم کی طرف جاتے دیکھا۔

"اب کیا خیال ہے جناب صمدانی صاحب۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

"اب ہمیں باہر چلنا چاہیے جناب عالی۔ دوراں نگر یہاں سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ٹیکسیاں اور بسیں چلتی ہیں۔"

"رات اتنی خوشگوار ہے کہ ہم اونٹ گاڑی پر سفر کرنا پسند کریں گے۔"

"اونٹ گاڑیاں تو یہاں نہیں ہوتیں جناب۔" لہٰذا پیدل۔

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں جناب۔ مم... مطلب یہ کہ پندرہ میل۔"

"ایسی خوبصورت لڑکی کے لیے ہم پندرہ ہزار میل بھی پیدل چل سکتے ہیں۔"

"ہاں، لیکن میں بوڑھا آدمی ہوں جناب۔"

"کیا تمہیں کبھی کسی سے محبت ہوئی ہے۔"

"کک، کیوں آپ مجھ بوڑھے کا مذاق اڑا رہے ہیں۔"

"محبت کے بغیر ہی پہاڑ سی زندگی گزار آئے ہو۔"

"پرنس مجھ پر رحم کیجیے۔"

"اگر پہلے کبھی اتفاق نہیں ہوا تو اب ٹرائی کرو۔"

"واقعی آپ مجھ بوڑھے کا مضحکہ اڑا رہے ہیں لیکن یقین کیجیے کہ اقتدارالدولہ بہادر اسے پسند نہیں فرمائیں گے۔ وہ بزرگوں کا ادب کرتے ہیں۔ خواہ وہ ان کے خادم ہی کیوں نہ ہوں۔"

اس بار صمدانی کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار ہو گیا تھا۔ اس نے جھک کر اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور دوسرا ہاتھ حمید کے سوٹ کیس کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ حمید نے کہا: "اس حد تک بوڑھوں کا لحاظ ضرور کرتا ہوں کہ انھیں زیادہ وزن نہ اٹھانے دوں۔"

اس نے خود ہی اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور دونوں گیٹ کی طرف بڑھے۔

باہر متعدد ٹیکسیاں موجود تھیں اور ٹیکسی ڈرائیور بالکل تانگے والوں کے سے انداز میں آوازیں لگا رہے تھے۔

حمید نے دیکھا کہ کئی ڈرائیور ان کی طرف جھپٹے ہیں اور جیسے ہی وہ قریب آئے اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور اس لمبے تڑنگے ڈرائیور پر اس کی نظر جم گئی جو دونوں ہاتھ بڑھا کر ان دونوں سے سوٹ کیس لے رہا تھا۔

"ہو... دوراں نگر... بچ جائیں گے۔" حمید ہکلایا۔

"بہت بہتر جناب! میری گاڑی آرام دہ ثابت ہوگی۔" اس نے نرم لہجے میں کہا اور وہ دونوں اس کے پیچھے چل پڑے۔ اس نے ڈگی میں ان کے سوٹ کیس رکھ دیئے اور پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

حمید گرتا پڑتا ٹیکسی میں داخل ہوا تھا۔ صمدانی ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر جا بیٹھا۔

گاڑی چل پڑی اور حمید اپنی پیشانی کا پسینہ خشک کرنے لگا۔ ٹیکسی ڈرائیور کی پشت پر اس کی نظر جمی ہوئی تھی کیونکہ ڈرائیور کی وردی میں یہ کرنل فریدی تھا۔ میک اپ کے بغیر۔

*

حمید کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے فریدی کو میک اپ کے بغیر کسی پیشہ ور ٹیکسی ڈرائیور کے روپ میں دیکھا۔ حالات کچھ بھی رہے ہوں لیکن وہ کوئی اہم معاملہ ہی ہو سکتا تھا جس کی بنا پر فریدی نے اپنے طریقِ کار میں کسی حد تک تبدیلی کی تھی۔

حمید عجیب سی گھٹن میں مبتلا ہو گیا! صمدانی کی موجودگی شدت سے کھل رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ کون تھا۔ اس کی موجودگی میں فریدی سے گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔

دفعتاً اس نے اسے صمدانی سے پوچھتے سنا: "دوراں نگر میں کہاں تشریف لے جائیں گے جناب؟"

"قصرِ دوراں۔"

"اوہو۔"

اس کے بعد اس نے پھر کچھ نہیں پوچھا تھا۔

قصرِ دوراں ایک قلعہ نما عمارت ثابت ہوئی جس کے عظیم الشان گیٹ پر دو مسلح سنتری پہرہ دے رہے تھے۔ جیسے ہی ٹیکسی پھاٹک کے قریب پہنچی۔ ایک سنتری رائفل سیدھی کر کے اس کی طرف مڑا۔ ٹیکسی اس سے پہلے ہی رک چکی تھی۔ سنتری قریب آیا۔

"کون؟" اس نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"ہم خان کے مہمان ہیں۔" صمدانی نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر؟"

"نہیں مہمان۔"

"ہمیں کسی مہمان سے متعلق اطلاع نہیں دی گئی۔"

"خان علیل ہیں۔ ہم ان کی عیادت کو آئے ہیں۔"

"ذرا ٹھہریئے۔" سنتری نے کہا اور پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔ پھر وہ اپنے ساتھی سے کچھ کہتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔

صمدانی ٹھنڈی سانس لے کر بولا "سمجھ میں نہیں آیا یہ انتظام!"

"کیسا انتظام؟" حمید نے پوچھا۔

"خان ظفریاب کی ڈیوڑھی میں لفظ "مہمان" خاص اہمیت رکھتا تھا۔ ملازمین بحث نہیں کرتے تھے۔ مہمان کو خاموشی سے مہمان خانے تک پہنچا دیا جاتا تھا۔"

"کس صدی کی بات کر رہے ہیں جناب" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے جناب"

"تب کوئی جوان لڑکی گھر میں نہ رہی ہوگی۔ کم از کم فرانس میں تو ایسا نہیں ہوتا"

"مجھے تو اب اجازت دیں جناب" فریدی نے صمدانی سے کہا "ٹیکسی اندر نہیں جاسکے گی۔ ان کی اپنی گاڑی آپ کو یہاں سے لے جائے گی۔"

"میاں ایسی بھی کیا جلدی" صمدانی بولا "کم از کم اندر سے جواب تو آجانے دو"

"صاحب میں معافی چاہتا ہوں۔ کئی بار پہرہ داروں سے تکرار ہوچکی ہے"

"اچھی بات ہے بھائی" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور جیب سے پرس نکال کر میٹر ریڈنگ کی ادا کرایہ فریدی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

ڈگی سے ان کے سوٹ کیس نکالتے وقت فریدی نے ایک چھوٹا سا پیکٹ حمید کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

حمید نے چپ چاپ اسے جیب میں ڈال لیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں اپنے اپنے سوٹ کیس اٹھائے پھاٹک کے سامنے کھڑے تھے اور ٹیکسی جاچکی تھی۔

"اب مجھے شدت سے بھوک لگ رہی ہے جناب صمدانی صاحب" حمید بڑبڑایا۔

"میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہاں ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا پرنس"

"کیا حالات دگرگوں ہیں؟"

"خدا جانے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا"

دفعتاً وہ سنتری آتا دکھائی دیا جو اندر گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔

سنتری پھاٹک پر ہی رک گیا اور دوسرا آدمی تلے تلے قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف بڑھتا چلا آیا۔

"کہیے جناب" اس نے سوال کیا۔

"ہم خان کی عیادت کو آئے ہیں اور ہمیں اقتدار الدولہ بہادر نے بھیجا ہے"

"اوہ" وہ آدمی غالباً پس و پیش میں پڑ گیا تھا۔ کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد اس نے کہا "آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔ میں ابھی حاضر ہوا"

وہ تیزی سے مڑا اور پھاٹک سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

"لاحول ولاقوۃ" حمید جھنجھلا کر بولا "کم از کم فرانس میں تو ایسا نہیں ہوتا؟"

"یہاں بھی نہیں ہوتا تھا جناب"

"تو پھر کیا یہ ہمارے قدموں کی برکت ہے؟" حمید نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

"قطعی بے دست و پا ہوں جناب"

"بے سرو پا باتیں نہ کرو۔ یہ بتاؤ کہ میں کون سا دولہ ہوں؟"

"ابھی آپ صرف افتخار الدولہ ہیں۔ اقتدار الدولہ بہادر کے بعد آپ افتخار الدولہ کہلائیں گے"

"مزید لاحول ولاقوۃ"

"اب آپ ہی تو جلا رہے ہیں"

"خبردار۔ جو ایسی باتیں کیں۔ تم ہی تو مجھے یہاں لائے ہو"

"جناب جناب۔ خدارا مجھے مزید پریشان نہ کیجیے"

"لیکن میری بھوک!"

"کسی بیوہ ماں کی طرح جھنجھلا کر اس وقت یہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھے کھا لیجیے"

حمید کو ہنسی آگئی اور صمدانی تقدیر کا شکوہ کرنے لگا۔

اتنے میں ایک چھوٹی سی کار اندر سے آتی دکھائی دی۔ وہ ان کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ ایک خونخوار شکل کا آدمی اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ" وہ انھیں گھورتا ہوا غرایا۔ وہ خود گاڑی سے نہیں اترا تھا۔

حمید کو اس کا انداز جارحانہ لگا لیکن وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر چپ چاپ اندر بیٹھ گیا لیکن جب صمدانی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے قریب بیٹھنے لگا تو اس نے غرا کر کہا "تم بھی پیچھے جاؤ"

"میں اس کی جرأت نہیں کرسکتا"

"کیوں؟"

لیکن قبل اس کے کہ صمدانی اس "کیوں" کا جواب دیتا حمید

نے تحکمانہ لہجے میں کہا "تم میرے پاس آجاؤ"

"بب بہت بہتر جناب" صمدانی ہکلاتا ہوا پچھلی سیٹ پر آبیٹھا۔ گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے گزرتی چلی گئی۔

واقعی حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی قلعے میں داخل ہوا ہو۔ چاروں طرف عمارتوں اور باغات کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ گاڑی جس سڑک پر جارہی تھی۔ بہت سلیقے سے بنائی گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پانی پر تیر رہی ہو۔ جلد ہی اس سفر کا خاتمہ ہوا۔ گاڑی ایک چھوٹی سی خوبصورت عمارت کے سامنے رک گئی تھی۔

ڈرائیور نے عمارت کی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا "مہمان خانہ" حمید اس اندازِ گفتگو کا مطلب بخوبی سمجھتا تھا۔ اس نے صمدانی سے اتر چلنے کو کہا۔

"سخت توہین کی جارہی ہے" صمدانی کا لہجہ غصیلا تھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے سوٹ کیس سنبھالے ہوئے نیچے اتر گئے۔

"ٹھہرو" ڈرائیور غرایا "یہ کارڈ لیتے جاؤ"

صمدانی نے مڑ کر کارڈ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا تھا۔

پھر حمید نے اس سے لے کر دیکھا۔ جلی حروف میں اس پر تحریر تھا "مہمان۔ دعاگوئے دولت واقبال"

"حد ہوگئی" صمدانی پیر پٹخ کر بولا۔

گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ حمید نے صمدانی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "دماغ ٹھنڈا رکھو" اس کے بعد وہ عمارت کی طرف بڑھے تھے۔ صدر دروازے پر انھیں روک کر کارڈ دیکھا گیا۔

صمدانی کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کارڈ دیکھنے والے نے انھیں اندر پہنچایا۔ کمرہ بہت سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ یہاں دو بستر تھے۔

"آپ دونوں کو اسی کمرے میں قیام کرنا پڑے گا کیونکہ دوسرے کمرے پہلے سے گھرے ہوئے ہیں" ہمراہی نے ان سے کہا۔

"اندازاً کتنے مہمان ہوں گے؟" حمید نے سوال کیا۔

"آپ کو اس سے کیا سروکار" اس کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

"آئی ایم سوری" حمید نے معذرت کی۔

"کیا آپ لوگ کھانا کھا چکے ہیں؟"

"نہیں"

"اچھا تو پھر دس منٹ بعد آپ کو ڈائننگ روم میں پہنچا دیا جائے گا"

"بہت بہتر جناب عالی" حمید نے بڑے ادب سے کہا۔

جب وہ آدمی چلا گیا تو صمدانی غصیلے لہجے میں بولا "آپ کو اپنے رتبے کا خیال رکھنا چاہیے"

"پیٹ بھر لینے کے بعد اپنے رتبے کے متعلق سوچوں گا" حمید نے بے پروائی سے کہا اور صمدانی ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لہجے میں بولا "کاش آپ کی تربیت خود اقتدار الدولہ بہادر کے زیر نگرانی ہوئی ہوتی"

"بس خاموش رہو۔ ورنہ سچ مچ تمھیں ہی کھا جاؤں گا"

دس منٹ بعد ایک باوردی بیرا انھیں ڈائننگ روم میں لے گیا تھا۔ کھانے کے دوران میں حمید محسوس کرتا رہا کہ صمدانی زبردستی حلق سے نوالے اتار رہا ہے۔ خود اس نے خوب ڈٹ کر معدے کی تواضع کی اور پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے ویٹر سے سوال کیا "کیا کھانے کے بعد کافی نہیں پیش کی جاتی"

"اگر کوئی مہمان فرمائش کرے تو ضرور پیش کی جاتی ہے جناب"

"تم بہت شائستہ آدمی ہو۔ تم سے مل کر خوشی ہوئی"

"خدمت ہی مسلک ہے" ویٹر نے کسی قدر جھک کر کہا۔

"ہم کھانے کے بعد کافی پینے کے عادی ہیں"

"ابھی پیش کی جاتی ہے جناب" ویٹر نے کہا اور برتن سمیٹ کر چلا گیا۔

"آپ ان بدبختوں کو منہ نہ لگائیے جناب" صمدانی نے بہت برا سا منہ بنا کر کہا۔

"ارے اب تم میری فکر نہ کرو۔ میں عوامی زندگی گزارنے کا عادی ہوں۔ میری تربیت جاگیردارانہ ماحول میں نہیں ہوئی"

"اب پھر سے آپ کی تربیت کرنی پڑے گی۔ ورنہ۔۔"

"پلیز صمدانی۔۔۔ بس مجھے بور نہ کرو"

دفعتاً ویٹر نے آکر اطلاع دی کہ تھوڑی دیر بعد کافی بیڈ روم ہی میں سرو کردی جائے گی۔

وہ بیڈ روم میں واپس آگئے اور حمید نے باتھ روم کی راہ لی۔ اب اسے اس پیکٹ کا دھیان آیا تھا جو چلتے وقت فریدی نے صمدانی سے چھپا کر اس کے حوالے کیا تھا۔

باتھ روم میں پہنچ کر اس نے پیکٹ نکالا اور اسے کھولنے لگا۔ "اوہ" اس نے طویل سانس لی۔ یہ ایک چھوٹا سا جیبی ٹرانسمیٹر تھا شکل سگریٹ لائٹر کی سی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک تحریر بھی تھی۔

"تم جس وقت بھی چاہو اس ٹرانسمیٹر پر مجھ سے رابطہ قائم کرسکتے ہو۔ اور بہتر یہی ہوگا کہ خود ہی کرید کرید کر اس بوڑھے آدمی سے ان حالات سے متعلق معلومات حاصل کرو جس سے اس وقت دوچار ہو"

حمید نے اس پرچے کو نذرِ آتش کردینے کے بعد ٹرانسمیٹر کو جیب میں ڈال لیا اور بیڈ روم میں واپس آگیا۔

صمدانی آنکھیں بند کیے آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔ حمید کی آہٹ پر چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

حمید بستر پر بیٹھتا ہوا بولا: "ہم چچا حضور کی خدمت میں کب پیش کیے جائیں گے؟"

"کیا عرض کروں جناب! میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ ان حالات کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔"

"صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے۔ ابا حضور نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔ مجھ سے صرف اتنا کہا گیا تھا کہ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں ایک آدمی مجھے ملے گا جس کے ساتھ مجھے سفر کرنا ہے۔"

"غالباً اقتدار الدولہ بہادر کو پہلے ہی سے شبہ تھا کہ کہیں آپ انکار نہ کردیں۔" صمدانی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اگر میرا مشورہ شامل حال ہوتا تو آپ کبھی فرانس نہ جاسکتے۔ آپ کی تعلیم و تربیت یہیں ہوتی۔"

"مجھے الجھن میں نہ ڈالو پیارے صمدانی۔ بتاؤ کہ کس قسم کے حالات سے میرا سابقہ ہے۔ لاعلمی میں کہیں کوئی ٹھوکر نہ کھاؤں۔"

"مناسب ہے۔ ضروری بھی ہے کہ آپ کو حالات سے آگاہ کردیا جائے۔"

"اور اب تم اسی طرح آرام سے لیٹ جاؤ جیسے پہلے لیٹے ہوئے تھے۔ حفظِ مراتب کا خیال ترک کردو، ورنہ دونوں ہی تکلیف اٹھائیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔ بڑھاپا بُری چیز ہے۔" صمدانی نے کہا اور آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔

کچھ دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولا: "اعتماد الدولہ اور خان دوراں جڑواں بھائی تھے۔ دونوں کے درمیان بے انتہا محبت تھی۔ ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ یہ قلعہ ان کی آبائی جائے رہائش تھی۔ اس زمانے میں اعتماد الدولہ صرف اعتماد الدین تھے اور خان دوراں عباد الدین کہلاتے تھے۔ اس وقت ان دونوں کے باپ خان دوراں کہلاتے تھے۔ کیونکہ یہ خاندانی خطاب شیر شاہ سوری کے زمانے سے چلا آرہا تھا۔ دونوں بھائیوں کو شکار کا بےحد شوق تھا۔ خصوصیت سے بھیڑیوں کا شکار ان کی مرغوب ترین تفریح تھی۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے اور ان کے پیچھے بے شمار شکاری کتے شور مچاتے ہوئے چلتے۔ میں نے اپنے باپ سے سنا تھا کہ دوسری جاگیروں میں یہ دونوں دو دیوانوں کے نام سے مشہور تھے۔ نکڑ کے لوگ ان کے نام سے کانپتے تھے۔ بہرحال اس چپقلش کی کہانی بھیڑیئے کے شکار ہی سے شروع ہوتی ہے۔ ایک بار یہ دونوں جھنڈ سے بچھڑے ہوئے ایک بھیڑیئے کے تعاقب میں تھے جو ان کے کئی کتوں کو زخمی کرچکا تھا۔ اعتماد الدولہ کا کہنا تھا کہ اسے کتوں ہی سے زیر کرایا جائے اور خان دوراں کو ضد تھی کہ جیسے ہی وہ نظر پڑا وہ اسے رائفل کا نشانہ بنادیں گے۔ بات اتنی بڑھی کہ دونوں نے ایک دوسرے پر رائفلیں تان لیں۔ کوئی بیچ بچاؤ کرانے والا بھی نہیں تھا۔ اسی دوران میں بھیڑیا بھی جھاڑیوں میں نظر آگیا۔ خان دوراں نے اپنی رائفل کا رُخ اس کی طرف کرکے فائر کردیا۔ گولی نشانے پر بیٹھی تھی۔ اعتماد الدولہ نے خان دوراں پر فائر کردیا۔ گولی اتفاقاً گھوڑے کے سر پر لگی۔ اس طرح خان دوراں نے اپنا بچاؤ کرلیا۔ دونوں نے جھاڑیوں میں پوزیشن لے لی تھی اور اس وقت تک ایک دوسرے پر فائر کرتے رہے تھے جب تک کارتوس ختم نہیں ہوگئے تھے۔

اس کے بعد شاید دونوں ہی کو ہوش آیا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے سے منہ چھپائے ہوئے جنگلوں میں بھٹکتے پھرے تھے۔ اعتماد الدولہ نے پھر کبھی اس گڑھی کی صورت نہ دیکھی جو آج قصرِ دوراں کہلاتی ہے۔ وہ کافی عرصہ تک اِدھر اُدھر بھٹکتے رہنے کے بعد ایک بڑی ریاست میں جا پہنچے تھے۔ وہاں انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ایک بڑے عہدے پر فائز ہوئے اور باپ کی زندگی ہی میں خطاب یافتہ ہوگئے۔ اعتماد الدولہ کہلائے۔ یہ اس ریاست کا سب سے بڑا اعزاز تھا اور صرف شاہی خاندان کے افراد ہی تک محدود تھا۔ ان دونوں کے باپ خان دوراں نے اپنی زندگی میں بڑی کوشش کی تھی کہ دونوں بھائی مل جائیں لیکن اعتماد الدولہ نے تو انھیں بھی شکل دکھانے سے انکار کردیا تھا۔ معذرت طلب کی تھی۔ خان دوراں یعنی ان کے باپ نے ان کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنے اس مطالبے کو دہرانا چھوڑ دیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ شرط لگائی تھی کہ خواہ دونوں بھائی زندگی بھر ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھیں لیکن وہ اپنے بچوں کی شادیاں آپس ہی میں کریں گے۔ یا پھر اسی صورت میں کرسکیں گے جب دونوں بھائیوں کی اولادوں میں جوڑ نہ ملے۔ لہٰذا تمھارے والد اقتدار الدولہ کی شادی تمھارے چچا جو باپ کے مرنے کے بعد خان دوراں کہلاتے تھے۔ ان کی بیٹی سے ہوئی۔ تمھارے دادا کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لیے خان ظفریاب کی شادی خاندان سے باہر ہوئی تھی۔ اب یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تم اپنے باپ کی واحد اولاد ہو اور خان ظفریاب کے بھی صرف ایک ہی بیٹی ہے۔"

صمدانی خاموش ہوگیا اور حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اتنے میں کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ۔" حمید نے بلند آواز میں کہا اور ویٹر دروازہ کھول کر

اندر داخل ہوا۔

جب وہ کافی کی ٹرے رکھ کر واپس جانے لگا تو حمید نے اسے دس کا ایک نوٹ دیتے ہوئے کہا: "تم بہت باسلیقہ آدمی ہو۔"

"شکریہ جناب۔" اس نے نوٹ وصول کرکے حمید کو تعظیم دی اور باہر چلا گیا۔

"اور اب۔" صمدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا: "میں اسی لیے تمھیں یہاں لایا ہوں کہ تمھاری شادی ظفریاب کی بیٹی سے ہوسکے۔ مجھے معاف کرنا میں تمھیں تم کہہ کر مخاطب کررہا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جاگیردارانہ نظام والی تہذیب کو تہہ کر رکھو، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"ہوں۔ اوں لیکن کیا تم اس بدتمیز لڑکی سے نباہ کرسکو گے؟"

"بدتمیزوں کو باتمیز بنانا میری ہابی ہے۔ ٹھہرو، تمھیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود تمھارے لیے کافی بناؤں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ میں بہت تھک گیا ہوں پرنس، اور یہاں کے لوگوں کے اطوار نے میرے اعصاب پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ ہر تکلیف کا ازالہ ہوجائے گا۔" حمید نے کہا اور اٹھ کر کافی بنانے لگا۔

صمدانی نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا: "کاش میں کسی ذریعے سے اقتدار الدولہ بہادر کو یہاں کے حالات سے آگاہ کرسکتا۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھ پر کسی قسم کا الزام آئے۔"

"میں کہتا ہوں ہر اندیشے کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ پورے حالات کا علم ہوجانے کے بعد سب کچھ مجھے کرنا ہے۔"

"تو پھر میں بری الذمہ۔"

"قطعی۔" حمید نے کافی کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "تم کافی پی کر سونے کی کوشش کرو۔"

اس کے بعد پھر کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی اور کافی ختم کرکے صمدانی بستر پر جا لیٹا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد حمید نے اس کے خراٹے سنے۔

وہ فریدی سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اچھی طرح اطمینان کرلینے کے بعد کہ صمدانی بے خبر سو رہا ہے وہ پھر باتھ روم میں داخل ہوا اور عقبی کھڑکی کھول کر ایسی پوزیشن میں آگیا کہ باہر سے دیکھا نہ جاسکے۔ پھر جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر اس کا سوئچ آن کیا اور ہلکی آواز میں فریدی کو پکارنے لگا۔

"ہیلو۔۔ ہارڈ اسٹون۔۔۔ ہارڈ اسٹون۔"

"یس۔۔ ہارڈ اسٹون۔"

"میں نے بوڑھے سے ضروری معلومات حاصل کرلی ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق ہمارے ساتھ یہاں سرد مہری کا برتاؤ ہوا ہے۔ اس مہمان خانے میں ہمیں جگہ ملی ہے جہاں دولت و اقبال کے دعاگو ٹھہرائے جاتے ہیں اوور۔"

"صبر سے کام لو۔ تمھارے لیے دلچسپیاں ہوں گی اوور۔"

اس کے بعد حمید نے اسے بتایا کہ کس طرح اتفاقاً لڑکی سے ٹرین ہی میں ملاقات ہوگئی تھی۔

"اچھی علامت ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ویسے وہ ابھی تک ریلوے اسٹیشن ہی پر ریل کار کی منتظر ہے اگر تم اسی وقت خان تک پہنچنا چاہتے ہو تو باہر نکلو اور مہمان خانے سے بائیں طرف چل پڑو۔ تقریباً دو سو قدم کے فاصلے پر داہنی جانب ایک اور راستہ ملے گا جس کا اختتام ایک چھوٹے سے پارک پر ہوا ہے۔ پارک کے پھاٹک پر جو آدمی ملے اس سے اتنا کہہ دینا کہ تم مہمان ہو۔ وہ تمھارے لیے کوئی تدبیر کردے گا۔ ذرا ٹھہرو۔ ہاں تم آدھے گھنٹے بعد وہاں سے روانہ ہوسکتے ہو۔ اوور۔"

"کیا میرا ہونے والا خسر بہت زیادہ بیمار ہے؟ اوور۔"

"خفقان کا مریض ہے۔ وہ لوگ اسے باہر نہیں نکلنے دیتے۔ تم اگر کسی طرح اس تک پہنچ سکو تو بہتر ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

دوسری طرف سے آواز آنی بند ہوگئی اور حمید نے طویل سانس لے کر سوئچ آف کردیا۔ کمرے میں واپس آکر اس نے لباس تبدیل کیا اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد مہمان خانے سے نکل ہی رہا تھا کہ دربان نے اُسے ٹوکا۔

"پیٹ میں کچھ گرانی سی محسوس کررہا ہوں اس لیے کچھ دیر ٹہلنے کا ارادہ ہے۔" حمید بولا۔

"کیا آپ کے پاس رات کو باہر نکلنے کا اجازت نامہ ہے؟"

"ہے تو بھائی، لیکن میرے ساتھی کے پاس ہے اور وہ بے خبر سو رہا ہے۔"

"تب تو مجھے افسوس ہے جناب۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ مہمان پر اس قسم کی پابندی آج تک نہ دیکھی نہ سنی۔"

"آپ براہِ کرم اندر تشریف لے جائیے۔" دربان نے سخت لہجے میں کہا۔ صورت سے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"اچھا میرے مہربان دوست۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ کمرے میں پہنچ کر دس منٹ بعد پھر ٹرانسمیٹر پر فریدی سے رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر تھک ہار کر اس نے لباس تبدیل کیا اور سونے کے لیے

لیٹ گیا۔ دن بھر کی تھکن غنودگی کی گود میں جا لیٹی لیکن نیند کے غلبے سے قبل ہی کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی۔

وہ اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دروازے کو گھورتا رہا۔ پھر اونچی آواز میں پوچھا "کون ہے؟"

جواب میں غراہٹ سنائی دی۔ یقیناً وہ کسی خونخوار بھیڑیے کی غراہٹ تھی۔

*

غراہٹ ہی کے ساتھ لڑکوں کی چیخیں بھی سنائی دینے لگیں۔ شور اتنا بڑھا کہ صمدانی کی نیند بھی اچٹ گئی۔

حمید کو نہایت آرام سے آرام کرسی پر نیم دراز دیکھ کر بولا "آپ نے شاید یہ بھی معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ معاملہ کیا ہے؟"

"کچھ بھی ہو ہمارے آرام میں خلل پڑا ہے۔ ہم ان نالائقوں کو ہرگز معاف نہ کر سکیں گے۔"

"میں گزارش کر رہا ہوں کہ باہر نکل کر دیکھئے تو کیا معاملہ ہے۔"

"آپ خود ہی تکلیف فرمائیے۔" حمید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"اللہ میرے بڑھاپے پر رحم کرے۔"

حمید نے سوٹ کیس سے چار سو دس بور کی دو نالی بندوق نکالی اور کارتوسوں کی پیٹی گلے میں ڈال کر دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پھر کسی نے دروازہ پیٹا۔

اب نہ بھیڑیے کی غراہٹ سنائی دی تھی اور نہ کوئی چیخ۔

"کون ہے؟" حمید نے دروازے کے قریب پہنچ کر اونچی آواز میں پوچھا۔

"دروازہ کھولیے جناب۔" باہر سے ہی ہوئی سی آواز آئی۔ یہ اسی شریف النفس ویٹر کی آواز تھی جسے حمید نے دس روپے ٹپ کے دیے تھے۔

اس نے جلدی سے بندوق سلیپنگ پاجامے میں اڑس کر اوپر سے قمیض چھوڑ دی اور کارتوس کی پیٹی پلنگ کے نیچے ڈال کر دروازہ کھول دیا۔

ویٹر بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوا اور خود ہی اس طرح دروازہ بند کرنے لگا جیسے ملک الموت تعاقب میں ہو۔ پھر مڑ کر ہکلایا "آپ... لل... لوگ بخیریت ہیں نا؟"

"بیٹھ جاؤ۔" حمید نے اس کا بازو پکڑ کر آرام کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا "تم بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتے ہو؟ ذرا دم لے لو۔"

ویٹر بری طرح ہانپ رہا تھا۔ حمید کھڑا رہا۔ بندوق کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتا تھا۔

"کیا قصہ تھا؟" صمدانی نے ویٹر کو مخاطب کیا۔

> ایک خاتون کو نیویارک پولیس نے اطلاع دی کہ اس کا خاوند ایک ہوٹل کی بالائی منزل کی ایک کھڑکی میں بیٹھا ہے اور خودکشی کی دھمکی دے رہا ہے۔
>
> خاتون فوراً وہاں پہنچی اور اس نے اپنے خاوند کی منت کی کہ وہ ابھی خودکشی نہ کرے۔ اس نے کہا ابھی تمہیں دنیا میں بہت کچھ کرنا ہے۔ مثلاً ابھی تم نے کار کی قسطیں ادا کرنی ہیں، ٹیلی ویژن کی قیمت بھی ادا کرنی باقی ہے، کپڑے دھونے کی مشین کی اقساط باقی ہیں... اور...
>
> "بس اتنا ہی کافی ہے۔" اس کا خاوند بولا اور پھر ہوٹل کی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی۔

"خاموش رہو۔ اسے دم لینے دو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

دو تین منٹ تک گہری خاموشی رہی پھر ویٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "اس مہمان خانے پر پہلی بار اس کا حملہ ہوا تھا۔ میرے خدا کتنا بھیانک تھا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار بھیڑیا دیکھا۔"

"بھیڑیا!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جناب عالی۔ کیا آپ نے آواز نہیں سنی تھی؟"

"میں سمجھا تھا شاید کوئی لڑکی ہے؟"

"لڑکی!" ویٹر کی خوفزدگی حیرت میں تبدیل ہو گئی۔

"ہاں ہاں۔ ہماری طرف لڑکیاں اسی طرح غراتی ہیں۔"

"آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں جناب؟"

"پہاڑوں کے دیس سے جہاں کی لڑکیاں بھیڑیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔"

"وہ بھیڑیا ہی تھا جناب۔ منحوس بھیڑیا۔ جو ایک سو سال سے اس خاندان پر مسلط ہے۔"

"کیا مطلب؟"

لیکن ویٹر حمید کے سوال کا جواب دینے کی بجائے خود کلامی میں مبتلا نظر آیا۔

"لیکن، اس نے مہمان خانے کا رخ کیوں کیا؟ وہ تو صرف محل سرا میں دیکھا جاتا تھا۔"

"میرے دوست تم مجھے الجھن میں مبتلا کر رہے ہو۔"

"جی۔" ویٹر چونک پڑا۔

"پردیسیوں سے ادھوری باتیں نہیں کی جاتیں۔"

"صاحب یہ ایک لمبی کہانی ہے۔"

"کچھ بھی ہو، میں ضرور سنوں گا۔"

اور پھر ویٹر نے اعتماد الدولہ اور خان دوراں کی کہانی شروع کر دی۔

حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ وہ اب بھی اسی جگہ کھڑا تھا۔

وہ کہانی ختم کر چکا تو صمدانی نے کہا "میں نے پہلے تو کبھی یہ نہیں سنا کہ قصر دوراں میں کوئی بھیڑیا دکھائی دیا ہو۔"

"پچھلے سال تک یہ بات ڈھکی چھپی رہی تھی جناب! لیکن جب محل کے باہر کا ایک آدمی اس کا شکار ہوا تو سب کو معلوم ہو گیا۔"

"ہوں، تو تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ وہی بھیڑیا ہے جسے خان دوراں نے گولی ماری تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"صرف میرا نہیں سب کا یہی خیال ہے جناب۔ ویسے محل سرا والے اس کی تردید ہی کرتے رہتے ہیں۔"

"خیر ہو گا۔ یہ بتاؤ یہاں بھیڑیے نے کسی کو زخمی تو نہیں کیا؟"

"بس باورچی بال بال بچ گیا۔ وہ باورچی خانے کی کھڑکی میں سے اندر داخل ہوا تھا اور ادھر ہی سے بھاگ بھی گیا۔"

"چلو۔ میں دیکھوں گا۔"

"نہیں جناب مجھے یہیں رہنے دیجیے۔ جب تک محل سرا سے کوئی یہاں نہ پہنچ جائے۔ فون کیا گیا ہے۔"

"اوہو۔ کیا یہاں فون بھی موجود ہے۔"

"اس چھوٹے سے قلعے میں کیا نہیں ہے جناب! خان نے اسے ایک چھوٹا سا شہر بنا دیا ہے۔"

حمید نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔ انھیں وہیں چھوڑ کر باتھ روم میں داخل ہوا اور بندوق کاسمیٹکس کی الماری میں چھپا دی۔ رات کے دو بجے تھے۔ اس نے سوچا ضروری نہیں کہ اس وقت بھی ٹرانسمیٹر کے ذریعے فریدی سے رابطہ قائم کیا جا سکے۔ وہ پھر کمرے میں واپس آ گیا اور اب اس فکر میں تھا کہ ویٹر کی نظر بچا کر کسی طرح کارتوسوں کی پیٹی بھی مسہری کے نیچے سے نکال لے۔

دفعتاً کسی پولیس کار کے سائرن کی آواز سنائی دی۔

"کک۔ کیا یہاں پولیس بھی ہے؟" صمدانی نے ویٹر سے پوچھا۔

"خان کی اسپیشل پولیس جس کے سربراہ ان کے بھتیجے سردار ضیغم ہیں۔"

"خان کے بھتیجے۔" صمدانی اچھل پڑا "لل... لیکن ان کے تو کوئی دوسرا بھائی نہیں ہے؟"

"بیوی کے بھتیجے کو آپ کیا کہیں گے۔ جناب سردار ضیغم خود ہی تشریف لائے ہوں گے۔ وہ خود ہی ہر معاملے کو دیکھتے ہیں۔ اب مجھے باہر نکلنا چاہیے۔"

"ضرور، ضرور۔" حمید بستر سے اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے ویٹر کو باہر نکال کر دروازہ بولٹ کر دیا۔ باتھ روم سے بندوق لا کر کارتوسوں کی پیٹی سمیت سوٹ کیس میں رکھ دی اور ایش ٹرے میں پائپ کی راکھ جھاڑ کر لیٹ گیا۔

"پتہ نہیں ہم کس مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔" صمدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"لیٹ جاؤ، لیٹ جاؤ۔ دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا اور کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔

پھر شاید تقریباً دس منٹ بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" حمید جھلا کر چیخا۔

"دروازہ کھولو۔" گونج دار آواز اور سخت لہجے میں کہا گیا۔

حمید نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے ایک قد آور نوجوان کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر چیتے کی کھال کے سے کپڑے کی قمیض اور سیاہ پتلون تھی۔ بھاری جبڑے سفاک طبیعت کی غمازی کر رہے تھے۔ آنکھوں میں سرخی کے ساتھ ساتھ وحشت بھی تھی۔ اس کے پیچھے دو مسلح آدمی کھڑے تھے۔

"تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟" اس نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"دارالحکومت سے۔"

"کیوں آئے ہو؟"

"بتاؤ۔" حمید نے صمدانی کو للکارا۔

صمدانی لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے آگے آیا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا "ہمیں اقتدار الدولہ بہادر نے بھیجا ہے۔"

"اوہو، اچھا۔"

"یہ پرنس افتخار ہیں۔"

"اوہ۔ ہیلو۔" اس نے آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے حمید سے مصافحہ کیا۔

یقیناً وہ خاصا طاقتور آدمی تھا۔ حمید نے محسوس کیا۔

"لیکن، آپ لوگ یہاں کیسے۔ کیا آپ نے افسر مہمان داری کو نہیں بتایا تھا کہ آپ کون ہیں۔"

"یہ تو نہیں بتایا تھا۔ بس اتنا کہا تھا کہ ہمیں اقتدار الدولہ بہادر نے خان کی عیادت کو بھیجا ہے۔"

"تب تو اس بیچارے کا کوئی قصور نہیں۔ اب آپ دونوں حضرات براہ کرم میرے ساتھ چلیے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کے

شایانِ شان استقبال نہ ہو سکا۔"

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔" حمید نے کہا۔ اب وہ خالص فرانسیسی انداز میں اُردو بول رہا تھا۔

دونوں مسلح آدمیوں نے ان کا سامان اٹھایا اور وہاں سے چل پڑے۔

"چچا حضور کی اب کیسی طبیعت ہے؟" حمید نے سردار ضیغم سے پوچھا۔

"اس وقت ایک ڈاکٹر دارالحکومت سے آیا ہے۔ صبح ہی معلوم ہو سکے گا کہ اب کیسی طبیعت ہے۔ وہ ڈاکٹر کے علاوہ اور کسی کو اپنے کمرے میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ دیکھ بھال کے لیے تین نرسیں ہیں اور دو فیملی ڈاکٹر۔"

"مرض کیا ہے جناب؟" صمدانی نے پوچھا۔

"ابھی تک مرض کی تشخیص نہیں ہو سکی۔"

وہ کار میں بیٹھ گئے جسے ضیغم ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ دونوں مسلح آدمی وہیں رہ گئے۔

حمید ضیغم کے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

"آخر یہ کیسا ہنگامہ تھا موسیو ضیغم؟" اس نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

"کہیں سے ایک بھیڑیا آگیا ہے۔"

"بھیڑیا کیا؟"

"وولف، وولف۔ میں نہیں جانتا کہ اسے فرانسیسی میں کیا کہتے ہیں۔"

"وولف میں سمجھتا ہوں۔ بائی گاڈ۔ میں اس کا شکار کروں گا۔"

"اوہو۔ شکاری بھی ہیں آپ۔"

"ہاں۔ مجھ کو شکار کا شوق ہے۔"

"آپ اردو تو قریب قریب خالص بول سکتے ہیں۔"

"ہاں، میری گورنس کا میاں لکھنوی تھا۔"

"بہت خوب۔"

گاڑی اب ایک بڑی عمارت کے سامنے رکی تھی۔

"یہ خصوصی مہمان خانہ ہے۔ معززین کے لیے۔" سردار ضیغم نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ جناب عالی۔" صمدانی گڑگڑایا۔ "بیچ جناب والا کی خوش اخلاقی نے بیحد متاثر کیا ہے۔"

"میں اس ملک خواجہ کا بیٹا ہوں جو آقدار الدولہ بہادر کو خان دوراں کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لایا۔"

"اوہ۔ اچھا اچھا۔" سردار ضیغم نے پُرمعنی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔

"مگر یہ بھیڑیا جناب عالی۔"

"آپ لوگ فی الحال اندر چلیے۔ یہ ہمارا دردِ سر ہے۔ آپ لوگ فکر نہ کریں۔ عنقریب اسے ختم کر دیا جائے گا۔"

"مجھے نہ بھولیے گا موسیو۔

اس کے شکار پر مجھے بھی ساتھ لے چلیے گا۔"

"ضرور۔ ضرور۔" لہجہ طنزیہ تھا۔

وہ اندر آئے اس بار وہیں کے دربان نے ان کے سوٹ کیس اٹھائے تھے۔

"کیا یہاں اور بھی مہمان ہیں؟" حمید نے سردار ضیغم سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تب تو ہم وہیں بہتر تھے۔ یہاں تنہائی ہے۔"

"آپ کی تنہائی رفع کر دی جائے گی۔" خان ضیغم نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اب مجھے اجازت دیجیے۔ صبح ملاقات ہوگی۔"

سردار ضیغم کے چلے جانے پر صمدانی نے کہا۔ "یہ جگہ معقول معلوم ہوتی ہے لیکن جناب عالی مجھ پر ایک کرم فرمائیں۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سوئیں گے۔"

"کیوں؟"

"ایسے حالات میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"آخر بھیڑیا ہی کیوں؟ شیر، چیتا، یا ریچھ کیوں نہیں۔ ان اطراف کے جنگلوں میں ان کی بھی کمی نہیں ہے۔"

حمید نے اس پر مزید بات نہیں بڑھائی تھی اور وہ ایک ہی کمرے میں سوئے تھے۔

دوسری صبح بھاری بھرکم ناشتے سے سابقہ پڑا۔ یہاں کے ملازمین ان کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔

قریباً دس بجے سردار ضیغم پھر دکھائی دیا۔ بڑے تپاک انداز میں حمید سے ملا اور بولا۔ "عجیب بات ہے کہ پھوپی حضور! بے بی خان آپ لوگوں سے ملنے پر رضامند نہیں۔"

"خدارا آپ اپنا تعارف بھی تو کرائیے۔" صمدانی نے کہا۔

"میں خان ظفریاب کا بھتیجا سردار ضیغم ہوں۔"

"مطلب یہ کہ چچا حضور کے بھتیجے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"میں چچا حضور سے ملنے آیا ہوں۔"

"ان پر تین بجے شب سے غشی طاری ہے۔"

"ہوش میں آنے کا انتظار کیا جائے گا۔" حمید نے بے پروائی سے کہا۔

"یہاں نہ ماننے سے یہ نہیں کہا جاتا کہ اب وہ تشریف لے جائیں جب تک آپ لوگوں کا دل چاہے قیام کیجیے۔"

"اوہ۔ اچھا۔" حمید نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "یہ بے بی خان کون ہیں؟"

اس پر ضیغم نے قہقہہ لگایا اور حمید کو آنکھ مار کر صمدانی کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا۔

"ہم نہیں سمجھے جناب عالی۔"

"جن کے لیے آپ چچا حضور کی خدمت میں پیش ہونے آئے ہیں۔ ان کا نام دردانہ ہے لیکن محل میں بے بی خان کہلاتی ہیں۔"

"اور وہ مجھ سے نہیں ملیں گی؟" حمید نے بے بسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ان کا خیال تو یہی ہے۔"

"آپ اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتے؟"

"بھلا میں ان لوگوں کو کس طرح آمادہ کر سکوں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں لیکن وہ بھیڑیا کا شکار۔"

"اس میں آپ ضرور شامل ہوں گے۔"

"بس کافی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ کچھ دیر بعد آپ کی تنہائی رفع ہو جائے گی۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دیجیے۔"

"نہیں کچھ نہیں۔ شکریہ۔"

وہ چلا گیا اور صمدانی بے حال ہو کر آرام کرسی پر گر گیا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے بھائی؟ شادی میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔" حمید نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔

"اس سے بڑی توہین اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ بہو بیگم آپ سے ملنے سے انکار کر دیں۔"

"یہ بہو بیگم کیا چیز ہے؟"

"آپ کی چچی حضور۔"

"میں چچا حضور سے ملنے آیا ہوں۔"

"یہ لوگ ہرگز نہیں ملنے دیں گے۔ میں سمجھ گیا۔ صاحبزادی کو ماں کی حمایت حاصل ہے۔ پرنس یہ بہت برا ہوا۔ بہت برا۔"

"فرانس میں میری تین چار محبوبائیں ہیں۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتے ان معاملات کو۔"

"میں صرف ایک ہی معاملہ سمجھتا ہوں۔ شادی کے سلسلے میں بس خاموش۔ میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا ہوں۔ کسی دوسرے کمرے میں چلے جاؤ۔"

صمدانی کو کمرے سے نکال کر اس نے دروازہ بند کیا اور عقبی باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے قریب پہنچ کر جیب سے ٹرانسمیٹر نکالا اور فریدی سے فوری طور پر رابطہ قائم ہوا تھا۔

حمید نے اسے پچھلی رات سے کر اب تک کی داستان سنائی اور بولا۔ "اس بار تو آپ نے بالکل ہی اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا ہے۔" "اوور۔"

"کب تک میری انگلی پکڑ کر چلتے رہو گے۔ خیر اب یہ معلوم کرو کہ اس عمارت سے باہر نکلنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اس کے بعد پھر مجھے کال کرنا۔ پھر کوئی مشورہ دے سکوں گا۔" "اوور اینڈ آل۔"

حمید نے دوبارہ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے اسے جیب میں ڈال لیا۔ لباس تبدیل کر کے باہر نکلا ہی تھا کہ سامنے سے ایک لڑکی آتی دکھائی دی جس نے آدھی آستین کی سفید قمیض اور براؤن رنگ کی جین پہن رکھی تھی۔ بڑی اسمارٹ اور دلکش تھی۔

"پرنس افتخار۔" اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

"ہاں، ہاں۔"

"کیا آپ باہر جا رہے ہیں؟"

"ارادہ تو یہی ہے۔"

"مجھے سردار ضیغم نے بھیجا ہے تاکہ آپ تنہائی محسوس نہ کر سکیں۔"

"اپنے طلسم میں یہ پہلا اچھا آدمی ملا ہے۔" حمید مسکرایا۔

"چلیے۔ میں آپ کو قلعے کی سیر کراؤں گی۔"

"ابھی آپ بیٹھیے۔ میں باتھ روم تک جانا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا اور اس کے ساتھ سٹنگ روم تک آیا اور پھر اپنے بیڈ روم میں واپس آکر دوبارہ فریدی سے رابطہ قائم کیا۔ نئی سچویشن کا ذکر کرتے ہوئے مشورہ مانگا۔

"مزے کرو۔ ہر جگہ تمہاری نامعقول طبیعت کے بہلنے کا سامان ہو جاتا ہے۔ ضرور سیر کرو قلعے کی۔" "اوور اینڈ آل۔"

"بہت اچھا سرکار۔" حمید نے بڑبڑاتے ہوئے ٹرانسمیٹر جیب میں ڈالا اور سٹنگ روم میں واپس آگیا۔

لڑکی چھوٹا سا آئینہ ہاتھ میں لیے اپنا میک اپ درست کر رہی تھی۔ حمید اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"آپ کا لہجہ بہت پیارا ہے۔" وہ آئینے کو وینٹی بیگ میں ڈالتی ہوئی بولی۔

"شکریہ۔"

"میں نے سنا ہے کہ آپ کی پرورش فرانس میں ہوئی ہے۔"

"ہاں مامزشیل۔"
"اللہ۔ کتنا پیارا۔"
حمید مسکراتا رہا۔ وہ باہر نکلے، روش پر سرخ رنگ کی اسپورٹ کار نظر آئی۔
"آپ ڈرائیو کریں گے۔" لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔
"مامزشیل کی مرضی۔"
"میرا نام رخشی ہے۔"
"رکشی۔ بہت پیارا نام ہے۔"
"ہائے رکشی کہہ کر تو آپ نے اسے اور بھی پیارا کر دیا۔"
جیسے ہی کار پھاٹک سے نکلنے لگی۔ ایک دوسری لمبی سی کار نے اس کا راستہ روک لیا جس پر ایک جناد ہی قسم کا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حمید کو گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ خود اس کی گاڑی بھی رک گئی تھی۔ ڈرائیور نے اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ بڑے ٹھسے سے نیچے اترا تھا۔ عمر ساٹھ کے قریب ہی ہوگی لیکن قویٰ مضبوط تھے اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں عجیب سی مکارانہ چمک تھی۔
اسپورٹ کار کے قریب پہنچ کر اس نے غرائی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔ "تم اقتدار کے بیٹے ہو۔"
"ہاں میں اقتدار الدولہ کا بیٹا ہوں اور ان کے بعد افتخار الدولہ کہلاؤں گا۔"
"تم خصوصی اجازت نامے کے بغیر مہمان خانے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ واپس جاؤ۔"
لڑکی آہستہ سے بولی۔ "واپس چلیے پرنس۔ یہ سردار ضیغم کے باپ سردار قاہر ہیں۔ خدارا واپس چلیے۔ واپس چلیے۔"
حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈال دیا۔

*

عمارت کے اندر پہنچ کر لڑکی نے کہا۔ "مجھے بے حد افسوس ہے پرنس۔"
"افسوس تو مجھے بھی ہے لیکن۔"
"لیکن کیا؟"
"مجھے بالکل افسوس نہ ہونا چاہیے۔ تم اتنی خوبصورت ہو کہ میں تمہاری آنکھوں میں ساری دنیا دیکھ سکتا ہوں۔"
"ہائے اللہ کو بصورت۔ ہائے پرنس۔ کتنا پیارا تلفظ۔"
"یہ بوڑھا ناراض کیوں ہو رہا تھا؟"
"مجھے خود بھی حیرت ہے۔ آپ کے ساتھ یہ سلوک میری سمجھ میں نہیں آیا۔"
"بہت خوفناک تھا۔"
"ہاں پرنس وہ بہت خوفناک ہے۔ بیچارے خان تو ہمیشہ بیمار رہتے ہیں۔ قلعے پر اس کی حکومت ہے۔ سردار ضیغم جو اس کا بیٹا ہے اسے بالکل پسند نہیں کرتا۔"
"تو یہ بے بی کان کا ماموں ہے؟"
"ہاں۔ پرنس۔"
"اچھا۔ اچھا۔ ذرا میں باتھ روم تک جاؤں گا۔"
"کتنی بار جاؤ گے باتھ روم میں؟"
"نروس ہوتا ہوں تو بار بار ضرورت پیش آتی ہے۔"
"تم نروس کیوں ہو پرنس؟"
"اتنی خوبصورت لڑکی سامنے ہو تو نروس ہونا ہی پڑے گا۔"
اسے ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر وہ پھر سونے کے کمرے میں آیا اور ٹرانسمیٹر پر فریدی سے رابطہ قائم کر کے موجودہ سچویشن بتائی۔
"لڑکی رات کو وہاں نہ رہنے پائے۔" ادھر۔ فریدی کی آواز آئی۔
"اگر وہ اس پر اڑ گئی تو؟"
"احمق۔ کیا تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکے گا کہ اسے کسی طرح ٹال دو۔"
"آپ مجھے احمق ہی رہنے دیجیے۔"
"حمید سنجیدہ ہو جاؤ۔ یہ مذاق نہیں ہے۔"
"بہت بہتر جناب۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ اوور اینڈ آل۔
ڈرائنگ روم میں واپس آ کر اس نے دیکھا کہ سردار قاہر جس نے اسے باہر جانے سے روکا تھا لڑکی پر برس رہا تھا۔
"تجھے جرأت کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی۔ کتیا کہیں کی۔"
"مم۔ مجھے سردار ضیغم نے بھیجا تھا۔" لڑکی نے جواب دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپائے بری طرح کانپ رہی تھی۔
"شریف آدمی۔" حمید بے حد نرم لہجے میں بولا۔ "اس پھول کو شبنم چاہیے۔ آگ برسانے والا سورج نہیں۔"
"تم خاموش رہو۔" سردار قاہر اس پر الٹ پڑا۔
"کسی سہمی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر میں خاموش نہیں رہ سکتا میں ایک اداس تنہا آدمی ہوں۔ اس لڑکی کو یہیں میرے پاس رہنے دو۔"
"میں کہتا ہوں خاموش رہو۔" سردار قاہر پھر چیخ کر بولا۔
اتنے میں صمدانی دکھائی دیا۔ وہ دروازے میں کھڑا سردار قاہر کو گھورے جا رہا تھا۔
"اوہ تم۔" سردار قاہر بے ساختہ چونک کر بولا۔
"مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا۔ سردار قاہر لیکن اسے

برداشت نہیں کر سکتا کہ تم پرنس کی شان میں گستاخیاں کرو۔ یہ لڑکی یہیں رہے گی۔"
"تم شاید نشے میں ہو۔" سردار قاہر کا لہجہ طنزیہ تھا۔
"نہیں میں ہوش میں ہوں اور اب دیکھوں گا کہ تمہاری جھولی میں کتنے شعبدے ہیں۔"
"تمہاری موت تمہیں یہاں لائی ہے۔"
"تم بھول رہے ہو۔ اس بھیڑیے کی موت مجھے یہاں لائی ہے۔"
"بھیڑیا۔ کس بھیڑیے کی بات کر رہے ہو۔"
"وہی جو دونوں بھائیوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنا تھا۔"
"تم پاگل ہو گئے ہو تم۔ بکواس بند کرو اور خود کو زیر حراست سمجھو۔"
"ضرور سمجھوں گا اگر تم میرے ہاتھوں سے بچ گئے۔" صمدانی نے کہا اور دفعتاً جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول نکال لیا جس کا رخ سردار قاہر کی طرف تھا۔
حمید اپنا سر سہلاتا ہوا لڑکی سے بولا۔ "تم ادھر آ جاؤ میرے پاس۔ یہ دونوں آگ کی زبان میں گفتگو کرنے والے ہیں۔"
"ہاں لڑکی۔ تم ادھر آ جاؤ۔ پرنس کے پاس۔" صمدانی غرایا۔ اس کی پوری شخصیت بدل کر رہ گئی تھی۔ خوش اخلاقی کا پیکر شعلہ بداماں بن گیا تھا۔
لڑکی دوڑتی ہوئی حمید کے پاس آ پہنچی اور وہ اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "یہ دونوں پتہ نہیں کس بات پر ڈوئل لڑ رہے ہیں۔"
"مجھے کہیں اور لے چلو پرنس۔ لڑائی جھگڑا نہیں دیکھ سکتی۔"
"منقت بھی نہیں۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔
حمید سردار قاہر کی طرف دیکھے جا رہا تھا جس کے چہرے پر کچھ دیر قبل پائی جانے والی درندگی اس طرح غائب ہوئی تھی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔
اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور کسی قدر بے اطمینانی کی جھلکیاں بھی پائی جاتی تھیں۔
"ہم پورے آٹھ سال بعد ملے ہیں۔ سردار قاہر۔" صمدانی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا اور حمید سے بولا۔ "پرنس آپ اس کو میرے پستول سے کور کیے رہیے۔ میں ابھی آیا۔"
حمید نے بڑی مستعدی دکھائی۔ سردار قاہر کے دل کا نشانہ لے کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی اب اس سے دور کھسک گئی تھی۔
صمدانی کے چلے جانے کے بعد سردار قاہر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہاری شادی بے بی خان سے ہو سکتی ہے۔ اگر میں چاہوں۔ تو کیسے آدمی۔ میں تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گا۔ میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔"
"پستول جیب میں رکھ لو بیٹے۔ میں بے بی خان کا ماموں ہوں۔"
"ماموں کیا ہوتا ہے؟"
"اس کی ماں کا بھائی۔"
"بوڑھا آدمی میرا گارجین بن کر آیا ہے۔ میں اس کا کہا مانوں گا۔"
"بڑے نقصان میں رہو گے۔"
"اب تم خاموش کھڑے رہو۔"
اتنے میں صمدانی واپس آ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر تھے۔ چند لمحے دروازے میں کھڑا سردار قاہر کو گھورتا رہا۔ پھر لڑکی سے بولا۔ "تمہاری گاڑی باہر موجود ہے۔ فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔"
"ٹھہرو۔ نہیں۔" سردار قاہر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"جاؤ۔" صمدانی اتنے زور سے دہاڑا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔ لڑکی دوڑتی ہوئی چلی گئی۔
"اور اب پرنس آپ اسے کور کیے رکھیے۔ میں اس کے بازو میں ایک انجکشن دوں گا۔ اور وہ انجکشن ہی اسے انسانیت کے جامے میں لائے گا۔ ہم جیسے مہمانوں کی یہاں بڑی توہین ہوئی ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ تم انجکشن لگاؤ۔ اگر یہ اپنی جگہ سے ہلا بھی تو میں فائر کر دوں گا۔"
"بالکل... بالکل۔"
"بے بی کان کا ماموں۔" حمید نے کہہ کر طنزیہ قہقہہ لگایا۔
سردار قاہر دم سادھے کھڑا تھا لیکن انجکشن لگتے ہی اس کے حلق سے گھٹی گھٹی کراہ نکلی اور وہ چکرا کر گر پڑا۔
"سان فرانسسکو۔" حمید نے متحیر رہ جانے کی ایکٹنگ کی اور صمدانی نے قہقہہ لگا۔
"میں آپ کا خادم ہوں پرنس۔" وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور قریب پہنچ کر اس کے ہاتھ سے پستول لینا چاہا۔
"پہلے تم یہ سیرنج... ادھر میز پر رکھ دو۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔
وہ پھر ہنس پڑا اور بولا۔ "میں آپ کا خادم ہوں جو کچھ میں نے کیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد یہ ہمیں اپنے سر پر بٹھائے گا۔"
"تم بہت گہرے نکلے مسٹر صمدانی۔"
"میرے باپ کو آپ کے دادا حضور کا باڈی گارڈ ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔"
"بہت کوب۔"
"بہت خوب کہیے۔ میرے سامنے بننے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے اچانک فرانسیسی انداز میں اردو بولنی شروع کر دی ہے۔"

"صرف اس لڑکی کے لیے موسیو۔ وہ جسے تم نے بھگا دیا ہے اس لیجیے پر سُنّر ماریاں جان دیتی ہیں۔"

"اوہو۔ آپ لنگوٹ بندیاں بھی بول سکتے ہیں۔"

"میری آتا لیق سسرالی لکھنؤی تھی۔"

"سسرالی!" صمدانی اسے گھورتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کہا "براہِ کرم آپ لڑکیوں کو دیکھ کر رشتہ غلطی نہ ہو جایا کیجیے۔ یہاں اب بھی سسرال والے اسے پسند نہیں کرتے۔"

"مجھے لفظ سسرال ہی پسند نہیں۔ عجیب سی بدبو محسوس کرتا ہوں نام سن کر۔"

"خدارا خاموش رہیے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" اس نے چاروں طرف دیکھ کر کہا اور اچانک پستول حمید کے ہاتھ سے جھپٹ کر کہا "آپ کے ہاتھ میں گلدستہ زیادہ حسین لگے گا جو آپ اپنی بیوی کو پیش کریں گے۔"

حمید نے ذرہ برابر بھی اظہار نہ ہونے دیا کہ اس طرح پستول چھین لینے کا اس پر کیا اثر ہوا ہے۔

"وہ کونا کیسا ہے۔"

"کون؟"

"بے بی کان۔"

صمدانی ہنس کر رہ گیا۔ اس کی تو شخصیت ہی حیرت انگیز طور پر بدل گئی تھی۔

اچانک سردار قاہر کے جسم میں جنبش ہوئی اور صمدانی اس کے قریب پہنچ گیا۔

وہ جھکا ہوا بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد سردار قاہر کراہ کر اُٹھ بیٹھا۔ چند لمحے آنکھیں ملتا رہا۔ پھر جیسے ہی صمدانی پر نظر پڑی "ارے صمدانی بھائی!" کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"آپ کب آئے؟"

"تمھاری طبیعت اب کیسی ہے۔" صمدانی نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ل... لیکن... م... میں... یہاں کہاں؟" وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا ہکلایا۔

"بھئی... میں نے تمھیں اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ تم آئے اور اس کمرے میں قدم رکھتے ہی بے ہوش ہو گئے۔"

"مجھے کچھ یاد نہیں صمدانی بھائی۔" سردار قاہر نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کب سے بیمار ہو؟"

"میں نہیں جانتا صمدانی بھائی۔"

"بیٹھ جاؤ۔" صمدانی اس کا بازو پکڑے ہوئے صوفے کی طرف لے جاتا ہوا بولا "میں ایک خاص مشن پر آیا ہوں۔"

"مجھے ضرور بتاؤ۔ صمدانی بھائی۔" سردار قاہر نے کہا اور صوفے پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

"یہ شہزادہ افتخار ہیں۔ اقتدار الدولہ بہادر کے بیٹے۔" صمدانی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"زہے عز و شرف۔" سردار قاہر اٹھ کر کسی قدر جھکتا ہوا بولا اور پھر بیٹھ گیا۔

"جس طرح میرے باپ اقتدار الدولہ کو یہاں لائے تھے۔ اسی طرح میں شہزادہ افتخار کو لایا ہوں۔"

"تو پھر محل میں تشریف لے چلیے آپ لوگ۔ یہاں کیوں مقیم ہیں؟"

"تمھارے بیٹے ضیغم نے ہماری یہ توقیر کی ہے۔"

"میں اسے گولی مار دوں گا صمدانی بھائی۔ آپ دونوں چلیے میرے ساتھ۔"

"پرنس۔" صمدانی، حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"میں پہلے باتھ روم جاؤں گا۔"

"ضرور۔ ضرور۔"

انھیں وہیں چھوڑ کر پھر اپنی خواب گاہ میں آیا اور دروازہ بولٹ کر کے ٹرانسمیٹر نکالا۔ فریدی سے رابطہ قائم ہونے میں دیر نہ لگی۔ سنے حالات سے آگاہ ہونے کے بعد فریدی نے کہا "بہت اچھی خبر ہے۔"

"خدارا۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا "اب تو مجھے اصل حالات سے آگاہ کر دیجیے۔ کہیں بے خبری میں کوئی غلطی نہ کر بیٹھوں۔ اوور۔"

"پروا مت کرو۔ اوور اینڈ آل۔"

فریدی کی آواز پھر نہ سنائی دی۔ حمید اسے پکارتا ہی رہ گیا۔ وہ پھر ڈرائنگ روم میں واپس آیا۔ یہاں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کو ایسی پُرشوق اور محبت آمیز نظروں سے دیکھے جا رہے تھے کہ حمید کو چکر آ گیا۔

حمید کی آہٹ پر چونکے اور سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"آپ بھی تشریف رکھیے پرنس۔" صمدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

دفعتاً سردار قاہر اٹھتا ہوا بولا "اچھا صمدانی بھائی۔ اب اجازت دو۔ محل جا کر آپ لوگوں کے شایانِ شان استقبال کا انتظام کروں گا۔"

"بہت اچھا قاہر بھائی۔" صمدانی نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید کی طرف دیکھ کر سردار قاہر احتراماً جھکا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

صمدانی نے اپنی گھڑی دیکھی اور مسکرا کر بولا "آٹھ گھنٹے تک یہ مجھے اسی طرح صمدانی بھائی کہتا رہے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ساتواں گھنٹہ گزرتے ہی اسے دوسرا انجکشن دیا جائے۔"

"صمدانی چچا میں انجکشن کے بغیر ہی کہنے پر تیار ہوں۔" حمید نے بوکھلاہٹ کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا غلام ہوں پرنس۔ آپ ہی کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔ آپ کی توہین ہوئی تھی اس لیے غصہ آ گیا۔"

پھر دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ سردار ضیغم دکھائی دیا اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ دو مسلح سپاہی بھی تھے جن کے ہاتھوں میں ریوالور نظر آئے۔

"میرے باپ سردار قاہر کہاں ہیں؟" وہ پیر پٹخ کر دہاڑا۔

"قاہر بھائی ابھی ابھی تشریف لے گئے ہیں۔" صمدانی نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم نے ان پر ریوالور تانا تھا۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔ لڑکے میں تمھارے باپ کا دوست ہوں۔ میرا احترام کرو۔ وہ مجھے صمدانی بھائی کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے موسیو ضیغم۔ میں نے بھی سنا تھا۔" حمید بولا۔

"تم خاموش رہو۔" ضیغم کا لہجہ اہانت آمیز تھا۔

"موسیو ضیغم مجھے بھی جلد حرارہ آ جاتا ہے۔"

"بکواس بند کرو۔ لڑکی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی موسیو ضیغم۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ "تمھارے فادر کہہ گئے ہیں وہ ہمیں جلد ہی محل میں لے چلیں گے۔ دیکھوں بے بی کان کیسی ہے۔"

"شٹ اپ۔ اس کا نام نہ لینا ورنہ سر توڑ دوں گا۔"

"کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟"

"لڑکے۔" دفعتاً صمدانی غرّایا "میں پرنس کی شان میں گستاخی نہیں برداشت کر سکتا اب تمھاری زبان سے کوئی ناروا جملہ ادا ہوا تو میرا تھپڑ تمھارے منہ پر پڑے گا۔"

ضیغم غرّاتا ہوا صمدانی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ حمید بیچ میں آ گیا۔ ضیغم نے اسے دھکا دینا چاہا، لیکن حمید نے جوڈو کے ایک داؤ کے ذریعے اسے منہ کے بل گر جانے پر مجبور کر دیا۔

اس کے دونوں محافظ "خبردار، خبردار" کہتے ہوئے آگے بڑھے۔ اتنے میں ضیغم بھی دوبارہ اُٹھ کر حمید پر جھپٹا۔ حمید اگر ایک طرف ہٹ نہ جاتا تو اس بار اسے خاصی چوٹ کھانی پڑتی۔ ضیغم فولاد کی طرح ٹھوس تھا۔

باڈی گارڈز نے فائرنگ شروع کر دینے کی دھمکی دی ہی تھی کہ صمدانی نے قہقہہ لگا کر کہا "سردار قاہر کا بیٹا اتنا بے بس ہے کہ وہ دو بندوقچی ساتھ لیے پھرتا ہے۔"

"نکل جاؤ۔ چلے جاؤ۔" ضیغم باڈی گارڈز کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔ وہ جہاں تھے وہیں تھم گئے اور کھڑے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتے رہے "باہر جاؤ" وہ پھر گرجا۔ انھوں نے اس بار مشینی انداز میں تعمیلِ حکم کی تھی۔

ضیغم پھر حمید کی طرف جھپٹا لیکن اس بار صمدانی نے جیب سے دوبارہ پستول نکالتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "ٹھہر جاؤ۔"

"یہ بدعہدی ہے۔" ضیغم نے رک کر ہانپتا ہوا بولا "اب تم نے پستول نکالا ہے، بزدل بوڑھے۔"

"لیکن میری نیت میں فتور نہیں ہے۔ میں تمھیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ابھی ابھی علم ہوا ہے کہ پرنس جوڈو کے ماہر ہیں۔ تم ان سے پار نہ پا سکو گے۔ دماغ ٹھنڈا رکھو۔ دیوانگی اچھی چیز نہیں ہے۔"

قبل اس کے کہ ضیغم کچھ کہتا سردار قاہر کمرے میں داخل ہوا اور انھیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

پھر ضیغم سے بولا "یہاں سے چلے جاؤ بدتمیز۔ کیا تم صمدانی بھائی سے جھگڑا کر رہے ہو۔ یقیناً تم نے گستاخی کی ہوگی.... ورنہ ہرگز پستول نہ نکالتے۔ تمھیں بھتیجا سمجھ کر شفقت سے پیش آتے۔"

حمید نے ضیغم کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے اور صمدانی نے مسکرا کر پستول پھر جیب میں ڈال لیا۔

اب ضیغم اپنے باپ کو گھورتا ہوا واپس جا رہا تھا۔

"صمدانی بھائی اسے معاف کر دیجیے۔" سردار قاہر گڑگڑایا...

آدھے گھنٹے بعد وہ محل کے ایک خوبصورت حصے میں فروکش تھے۔ اور سردار قاہر بڑی لجاجت سے کہہ رہا تھا "صمدانی بھائی۔ بیگم ظفریاب یعنی میری چھوٹی بہن... یعنی بے بی خان کی والدہ ہرچند کہ اس رشتہ پر متفق نہیں لیکن میں انھیں راضی کر لوں گا۔ دونوں خاندانوں کی بہتری اسی میں ہے۔"

شام تک حمید بور ہوتا رہا۔ اپنے کمرے سے نکلا تو سردار قاہر کو پھر بے ہوش دیکھا۔ وہ ایک آرام کرسی پر پڑا ہوا تھا اور صمدانی اس کے قریب ہی اخبار بینی میں مصروف تھا۔ اس کی پشت... حمید کی طرف تھی۔ حمید خاموش کھڑا رہا۔ صمدانی کو اس کی آہٹ نہیں مل سکی تھی کیونکہ چاروں طرف یہاں فرش پر موٹے موٹے قالین

پڑتے ہوئے تھے۔

حمید دبے پاؤں چلتا ہوا ایک بہت بڑے آرائشی گلدان کے پیچھے جا چھپا۔ پوزیشن ایسی تھی کہ اگر وہ دونوں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع بھی کر دیتے تو انھیں حمید نہ دکھائی دیتا۔

پھر دیر بعد اس نے سردار قاہر کی بھرّائی ہوئی سی آواز سنی۔

"صمدانی بھائی... ہم... مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں بار بار اس طرح سوتے کیوں لگا ہوں؟"

"موسم کا اثر ہے۔ فکر نہ کرو۔"

"وقت۔ تمھیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ صمدانی بھائی!"

"بالکل نہیں۔"

"پرنس کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں۔ وہ بے کاری میں زیادہ تر سوتے رہتے ہیں خیر اب تم اصل معاملے کی طرف آجاؤ۔"

"دشش۔ شادی۔ ضرور ہوگی صمدانی بھائی۔"

"وہ تو ہوگی ہی۔ میں تم سے اس آدھے سرخ ٹکڑے کی بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"خ... خطرہ ہے صمدانی بھائی۔"

"فضول باتیں نہیں۔ آدھا ٹکڑا مجھے ہر حال میں چاہیے۔"

"وہ تو نہیں ہے میرے پاس۔" قاہر کی آواز آئی۔

"وہ تو ہر حال میں مجھے چاہیے۔ ورنہ بڑا خون خرابہ ہوگا۔"

"تت تلاش کرنا پڑے گا۔ صمدانی بھائی۔"

"ضرور تلاش کرو۔ دس بجے رات تک مجھے مل جائے۔"

"لل لیکن صمدانی بھائی۔ اگر وہ مل بھی گیا تو!"

"تمھیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔ تمھارا ہر حال میں خیال رکھا جائے گا۔"

"میں کہہ رہا تھا صمدانی بھائی کہ وہ پرانی باؤلی کا قصہ ہے اور اب وہاں قدم رکھنا مشکل ہے۔"

"کیوں؟"

"بھیڑیا... بھیڑیا... باؤلی ہی سے نمودار ہوتا ہے۔"

"بکواس ہے۔"

"یقین کرو صمدانی بھائی۔ وہ اسی بھیڑیئے کی روح ہے جو خان وراں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔"

"میں کہتا ہوں بکواس مت کرو۔"

"تمھاری مرضی۔ میں تلاش کرنے جا رہا ہوں لیکن اگر وہ ٹکڑا نہ ملا تو۔"

"تمھارے پرخچے اڑ جائیں گے۔"

> ایک دفعہ شوکت تھانوی سخت بیمار پڑ گئے۔ یہاں تک کہ ان کے سر کے بال جھڑ گئے۔ احباب ان کی عیادت کو پہنچے اور بات چیت کے دوران ان کے سر کی طرف دیکھتے رہے۔ سب کو متعجب دیکھ کر شوکت تھانوی بولے۔
>
> "ملک الموت تشریف لائے تھے، صورت دیکھ کر ترس آگیا، بس سر پر ایک چپت رسید کر کے چلے گئے۔"

"بات دراصل یہ ہے صمدانی بھائی کہ وہ ضیغم کے پاس ہے! ضیغم بڑا گستاخ لڑکا ہے اور مجھے بھی خاطر میں نہیں لاتا!"

"میں کچھ نہیں جانتا لیکن دیکھو ضیغم کو اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میں نے اس کا مطالبہ کیا ہے۔"

"ارے بور۔" دفعتاً حمید نے اپنی پشت پر کسی لڑکی کی چیخ سنی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"او ہو۔ بے بی کان۔ ویل کم، ویل کم۔" وہ سیدھا کھڑا ہو کر کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

قاہر اور صمدانی بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دردانہ نے انھیں مخاطب کر کے کہا۔ "یہ شہزادے صاحب ادھر چھپے ہوئے آپ لوگوں کی گفتگو سن رہے تھے۔"

"میں ہر وقت اُردو سیکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ میں نے سوچا شاید یہ لوگ گفتگو میں نئے نئے محاورے استعمال کریں۔ اس لیے مجھے فائدہ اٹھانا چاہیے۔" حمید نے کہا اور ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

❋

حمید ہنسے جا رہا تھا اور وہ سب دم بخود کھڑے تھے۔ دردانہ کی نظر اچٹ اچٹ ماموں سردار قاہر کی طرف تھی اور وہ کسی قدر متحیر بھی دکھائی دیتی تھی۔

دفعتاً سردار قاہر نے حمید سے کہا "پرنس۔ ایسی بات تھی تو آپ کو ہمارے پاس بیٹھنا تھا!"

"او ہو۔ تم سمجھتے نہیں سردار قاہر۔ پرنس دوسروں کو متحیر کر دینے میں بیحد لذت محسوس کرتے ہیں اسے ان کی ہابی سمجھ لو۔"

"اچھا بات ہے صمدانی بھائی۔" سردار قاہر ہنسنے لگا اور حمید نے محسوس کیا جیسے دردانہ اسے پاگل سمجھ رہی ہو۔

اچانک دردانہ بولی "مجھے حیرت ہے ماموں حضور!"

"کس بات پر حیرت ہے بیٹی؟"

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ کی پوری شخصیت بدل کر رہ گئی ہو۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں بیٹی۔ میں اور صمدانی بھائی بچپن سے ایک دوسرے سے واقف ہیں۔"

"تو کیا یہ واقعی پرنس افتخار ہیں؟"

"ہاں بیٹی۔ بھلا اس میں شبہہ کی گنجائش کہاں؟"

پھر وہ مزید کچھ کہے سنے بغیر واپس مڑ گئی۔ حمید اس موقع کو ضائع نہیں کر سکتا۔ بڑی مشکل سے تو دوبارہ سامنا ہوا تھا۔

وہ اس کے پیچھے چل پڑا اور لان پر پہنچ کر ہی دردانہ کو معلوم ہو سکا کہ کوئی اس کے پیچھے آ رہا ہے۔

وہ رک کر مڑی اور پُر تنفر لہجے میں بولی "تم کوئی بھی ہو۔ مجھے تم سے قطعاً دلچسپی نہیں۔"

"کم از کم فرانس میں تو ایسا نہیں ہوتا۔ لڑکیاں اتنی بے مروتی سے پیش نہیں آتیں۔"

"تو پھر یہاں مرنے کیوں آئے ہو۔ فرانس ہی واپس جاؤ۔"

"مرنا تو نہیں ہے۔ لڑکیاں لفٹ دیں یا نہ دیں۔"

"میرے پیچھے مت آؤ۔"

"کم از کم چچی حضور سے تو مل ہی لوں۔"

"وہ نہیں ملنا چاہتیں۔"

"چچا حضور کی کیسی طبیعت ہے؟"

"پہلے سے بہتر ہیں، لیکن کوئی ان سے مل نہیں سکتا۔"

"اچھا تو میری تصویر ہی ان تک پہنچا دو۔"

"کیوں؟"

"انھیں اطمینان ہو جائے گا کہ میں بھی بہت خوبصورت ہوں۔"

"تم۔" وہ تحقیر آمیز انداز میں ہنس پڑی۔

"نہیں ہوں؟"

"گھسیارے معلوم ہوتے ہو۔"

"یہ کیا ہوتا ہے؟ میں گھسیارے کے معنی نہیں جانتا۔"

"اپنی کسی مقامی گرل فرینڈ سے پوچھ لینا۔"

"بے بی کان! میں نے سادھوؤں کی سی زندگی گزاری ہے۔ میری کوئی گرل فرینڈ نہیں۔"

"حالانکہ تم صورت سے ہی بدمعاش لگتے ہو۔"

"تمھارے ہی پردادا میرے بھی تھے۔"

"شٹ اپ۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ضیغم آتا دکھائی دیا۔ دردانہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

ضیغم حمید کو گھورتا چلا آ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر دہاڑا۔ "یہاں قیام کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ تم جہاں چاہو آزادی سے گھومتے پھرو۔"

"میرے چچا حضور کا محل ہے۔" حمید نے سرد لہجے میں کہا۔

"چلے جاؤ۔" وہ اس کے اقامتی حصے کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

"موسیو زیگم۔ بدتمیزی نہیں۔"

بس اتنا ہی کافی تھا۔ ضیغم دوپہر کی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے حمید پر جھپٹ پڑا۔ حمید پہلے ہی سے اس کے لیے تیار تھا۔ کنائی کاٹ کر اس کا وار خالی دیا اور پھر ایک داؤ جو دے کر لگایا تو ضیغم اچھل کر دور جا گرا۔ بھاری بھر کم آدمی تھا اس لیے پھرتی سے اٹھ نہ سکا اور حمید دردانہ کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہ بہت بیوقوف آدمی ہے۔ اسے یہاں سے جاؤ ورنہ میرے ہاتھوں سے مارا جائے گا۔"

"میں تجھے پیس کر رکھ دوں گا۔" ضیغم اٹھتا ہوا چیخا۔ پھر پچاس بار جھپٹنے کا ایسا ہی انداز تھا جیسے مرنے مارنے کی ٹھان لی ہو۔

حمید پھرتی سے جھکا اور اسے اپنی پشت پر اٹھا کر پھر دور پھینک دیا۔

دردانہ کھڑی حیرت سے پلکیں جھپکا رہی تھی۔ سورج ابھی ابھی غروب ہوا تھا۔ دھندلکا پھیلنے لگا تھا، لیکن ابھی اتنی روشنی تھی کہ وہ دور سے بھی پہچانے جا سکتے۔

اس بار ضیغم اٹھا تو خالی ہاتھ نہیں تھا اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔ ہانپتا ہوا بولا "اب تم زمین پر ناک رگڑو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"ضیغم بھائی، یہ بزدلی ہے!" دفعتاً دردانہ بولی۔

"تم چپ رہو۔ اندر جاؤ۔"

اتنے میں برآمدے سے صمدانی کی للکار سنائی دی۔ "دیکھو قاہر تمھارے لڑکے نے پرنس پر ریوالور تان رکھا ہے۔ یہ اتنا جھگڑالو کیوں ہے؟"

اس کے بعد وہ دونوں جھپٹتے ہوئے لان پر پہنچے تھے۔ "ضیغم تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ریوالور ہولسٹر میں رکھ لو۔" قاہر نے کہا۔

"آپ اندر جائیے۔ میں یہاں کے نظم و نسق کا ذمہ دار ہوں!" ضیغم کا جواب تھا۔

"ضض... ضیغم بیٹے۔" قاہر نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہم... مجھ سے ایسے لہجے میں گفتگو۔"

"تھپڑ رسید کیجیے۔ ماموں جان۔ یہ خود کو سمجھتے کیا ہیں!" دردانہ بپھر گئی۔

"شٹ اپ۔" ضیغم دہاڑا "تم سب اندر جاؤ۔ ورنہ اپنی بے عزتی کے خود ہی ذمہ دار ہو گے۔ چلے جاؤ۔"

اس نے بڑے درد ناک انداز میں اپنے ریوالور والے ہاتھ کو جنبش دی تھی۔

"چلو چلو" صمدانی نے مغموم لہجے میں کہا۔ "اس وقت اسی کا کہنا کر دو۔ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔"

"تم سے تو میں ابھی نمٹتا ہوں" ضیغم نے صمدانی کو دھمکی دی۔ "بزرگوں کے منہ نہیں آیا کرتے بیٹے۔ معلوم نہیں تمہاری تربیت کیسے ہوئی ہے۔"

"چ چ چلو۔ صمدانی بھائی" قاہر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے اس سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

وہ سب ضیغم کو وہیں چھوڑ کر اندر آ گئے تھے۔

دردانہ قاہر کو گھورے جا رہی تھی اور قاہر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا فرش کو دیکھ رہا تھا۔

"شاید میں خواب دیکھ رہی ہوں" دردانہ بڑبڑائی۔

"جاگتے میں" حمید نے پوچھا۔

نہیں میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے زمین اپنے محور سے ہٹ گئی ہو۔ یہ ماموں جان ہیں۔ انھیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ تو اس وقت ضیغم بھائی کی کھال اتار دیتے۔"

"اللہ جب چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے" صمدانی نے کہا۔

"ناممکن۔ مجھے یقین نہیں آتا" دردانہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر ہاتھ اٹھا کر کہا "تم بھی بالکل بدلے ہوئے نظر آتے ہو۔ جب میں نے تمھیں ٹرین میں دیکھا تھا تو تم کچھ اور تھے۔"

قبل اس کے کہ صمدانی کچھ کہتا حمید باتھ روم کے بہانے وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ اسے پھر فریدی سے رابطہ قائم کرنا تھا۔

حالات گھمبیر ہو گئے تھے۔ صمدانی حد درجہ پُراسرار ثابت ہوا۔ اس کی شخصیت ہی بدل کر رہ گئی تھی۔

حمید نے فریدی کو تازہ ترین حالات سے آگاہ کرتے ہوئے پوچھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

"دونوں پر کڑی نظر رکھو" فریدی نے جواب دیا۔ "یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ ان دونوں کے درمیان اس گفتگو کا مقصد کیا تھا۔ تم یہ سوال براہِ راست صمدانی سے بھی کر سکتے ہو" اوور۔

"آخر یہ بھیڑیا کیا بلا ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"بے صبری اچھی چیز نہیں۔ جلد معلوم ہو جائے گا" اوور اینڈ آل۔

حمید گفتگو ختم کر کے پھر ڈرائینگ روم میں واپس آیا۔ صمدانی تنہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور مسکرا کر بولا "پرنس چھپ کر ہماری گفتگو سننے کی ضرورت نہیں تھی مجھے آپ کے ساتھ بھیجنے میں اقتدار الدولہ بہادر کی کچھ مصلحت اور بھی تھی۔"

"اگر کچھ حرج نہ ہو تو میں بھی ان کے بارے میں جاننا چاہوں گا۔"

حمید نے کسی ننھے بچے کی طرح منہ ہلایا۔ صمدانی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دردانہ خان کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

"آپ لوگ۔ یہاں سے فوراً چلے جائیے" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

صمدانی اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا، لیکن حمید نہیں اٹھا تھا۔ اس نے سرد لہجے میں سوال کیا "کیوں؟"

"ضیغم بھائی بیحد خطرناک آدمی ہیں۔ انھوں نے ماموں حضور کو ایک کمرے میں بند کر دیا ہے اور آپ لوگوں کی فکر میں ہیں۔"

"آخر کیوں؟" صمدانی بولا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"مجھے چچی حضور کے پاس لے چلو" حمید نے اس سے کہا۔

"یہ بھی ناممکن ہے۔"

"تو پھر میں یہیں مر جاؤں گا۔ اقتدار الدولہ کا بیٹا اتنا بزدل نہیں ہو سکتا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔"

"اچھا تو پھر میرے ساتھ چلو۔"

"یہ ہو سکتا ہے" حمید نے صمدانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ جائیے پرنس۔ میں یہیں رہوں گا اور اپنے دوست قاہر کو اس ظالم کے پنجے سے رہائی دلاؤں گا۔"

"اچھا۔ اچھا" حمید سر ہلا کر بولا اور دردانہ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اس تبدیلی کی اطلاع بھی فریدی کو دینی پڑی تھی۔ دردانہ نے اسے عمارت کے ایک دور افتادہ حصے میں چھوڑا تھا اور کچھ دیر کے لیے غائب ہو گئی تھی واپس آئی تو پہلے سے بھی زیادہ پریشان تھی۔

"مجھے تو... اس ضیغم سے نفرت ہو گئی ہے۔ تم واقعی بہت بہادر ہو۔ میں تمھاری عزت کرتی ہوں" اس نے کہا۔

"دل دکھانے کی باتیں نہ کرو۔ میں تو بہت بُرا ہوں۔"

"ضیغم کی طرح بزدل تو نہیں ہو۔ اس نے صمدانی صاحب کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ کسی طرف نکل گئے۔"

"اوہو۔ اچھا" حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ "وہ ان سے کسی چیز کا مطالبہ بھی کر رہا تھا؟"

"کس چیز کا؟"

"یہ تو میں نہیں جانتی۔ میں نے دونوں کی گفتگو سنی ضرور تھی، لیکن دونوں ہی مبہم انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ مثلاً ضیغم نے صمدانی صاحب سے کہا تھا۔ "میں نے ابا جان سے سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔" "تم زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے لاؤ آدھا لاؤ میرے

حوالے کر دو۔"

"اوہو۔ پھر کیا ہوا؟"

"ایسا پھرتیلا بڈھا آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ اس نے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگائی اور غائب ہو گیا۔ ضیغم کے آدمی اسے چاروں طرف ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔ میں تنہا رہ گیا۔"

"تم میرے چچا کے بیٹے ہو۔ تمھیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔"

"اے۔ تم بھی تو بھیڑیے کی طرح غراتی ہو۔"

دردانہ ہنس پڑی۔ پھر بولی: "وہ تو مذاق تھا، لیکن مجھے اس غراہٹ کے لیے بڑی پریکٹس کرنی پڑی تھی۔"

"ایسا کیوں کرتی ہو؟"

"آپ مجھے صبح دیر تک سونے کی عادت ہے امی حضور اس کی مخالف ہیں میری خادمہ کو حکم ہے کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے مجھے اٹھا دیا کرے۔ اب عالم یہ ہے کہ جہاں اس نے مجھے جگانے کی کوشش کی میں نے غرانا شروع کر دیا۔ بھاگ کھڑی ہوتی ہے اور امی حضور سے کہہ دیتی ہے کہ وہ ان کا حکم بجا لائی ہے۔"

"بہت چالاک ہو" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"اور میری خادمہ یہ سمجھتی ہے کہ اس غراہٹ کا تعلق پرانی باؤلی والے بھیڑیے سے ہے۔"

"یہ باؤلی والا بھیڑیا کیا مصیبت ہے؟"

"لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اسی بھیڑیے کا بھوت ہے جو دادا حضور کی رائفل کا نشانہ بنا تھا اور تمھارے دادا خواہ مخواہ ولی ہو گئے تھے سچ کہتی ہوں مجھے اس کہانی پر بہت ہنسی آتی ہے۔"

"ہنسی کیوں آتی ہے؟"

"آخر یہ لوگ اتنے احمق کیوں ہوا کرتے ہیں۔ اتنی ذرا سی بات پر اس حد تک ناچاقی۔"

"نہیں انھیں کچھ نہ کہو۔ وہ بہت پیارے اور سچے لوگ تھے۔ کھل کر نفرت کرتے تھے اور پاگلوں کی طرح ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ اب تو کچھ بھی نہیں رہا۔ نہ نفرت نہ محبت۔ لوگ مصلحتاً ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہیں اور زندگی بھر اداکاری کرتے رہتے ہیں۔"

"تم بہت گہری باتیں بھی کر سکتے ہو" وہ دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں صمدانی کے لیے کیا کروں" حمید نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"اگر ان کے مقدر میں موت لکھی ہے تو ضیغم کے ہاتھ سے ضرور مارے جائیں گے۔ مجھے حقیقتاً اپنے ماموں اور ضیغم سے بے اندازہ نفرت ہے، لیکن امی حضور کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔"

"تمھیں ان دونوں سے نفرت کیوں ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"اچھا... بھیڑیے کے بارے میں بتاؤ اور یہ پرانی باؤلی کیا چیز ہوتی ہے؟"

"ہاں یہ بات ہوئی" وہ اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر ہنسی اور پھر بولی "یہاں دھری رہ گئی اُردو کی ساری قابلیت اب بلاؤ اپنی اتالیق کے لکھنوی میاں کو۔"

"تم ہی بتا دو۔ اے میری بنتِ عم۔"

"پرانے زمانے میں بڑے بڑے کنویں بنوائے جاتے جن کے اندر چاروں طرف پانی سے کچھ اوپر کمرے اور دالانیں تعمیر کی جاتیں تھیں جن میں گرمیوں کی دوپہریں گزاری جاتی تھیں۔"

"اوہو۔ تو یہاں کوئی ایسی چیز موجود ہے۔"

"ہاں۔ آں۔ وہی پرانی باؤلی کہلاتی ہے، لیکن عرصہ دراز سے اسے استعمال نہیں کیا گیا پہلے ہی سے آسیب زدہ تھی۔ اب وہاں کسی بھیڑیے کا بھوت بھی آ بسا ہے۔"

"وہ کب سے آیا ہے؟"

"غالباً پچھلے تین سال سے۔"

"کیا محل والوں پر بھی اس نے کبھی حملہ کیا ہے؟"

"نہیں تو۔"

"پھر وہ اس بھیڑیے کا بھوت کیسے ہو سکتا ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔ قلعے کے عوام یہی کہتے ہیں کہ وہ بھوت ہے اور محل والے اس کی تردید کرتے پھرتے ہیں تاکہ لوگوں کا خوف دور ہو سکے۔ ہمارے سپاہیوں نے کئی بار اس کا تعاقب کر کے اس پر گولیاں بھی چلائی ہیں لیکن وہ اب بھی زندہ ہے۔"

"میں اس کو ماروں گا۔"

"اپنے چار سو دس کے کھلونے سے۔"

"اس کی ہنسی نہ اڑاؤ وہ بہت کوفناک چیز ہے۔"

"اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ یہاں سے نکلنا نہیں ورنہ تم خود ہی کسی حادثے کے ذمہ دار ہو گے۔"

"نہیں نکلوں گا۔"

وہ چلی گئی اور حمید نے پھر ٹرانسمیٹر نکالا لیکن اس بار فریدی سے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔

آدھے گھنٹے تک تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ اسے کال کرتا رہا مگر ناکامی ہی ہوئی۔

اس کے بعد دردانہ پھر آگئی اور اسے یہ سلسلہ ختم کرنا پڑا۔ وہ اس کے لیے ایک برتن سے ناشتہ دان میں کھانا لائی تھی۔

"صمدانی کا پتہ چلا؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

"ضیغم بھی غائب ہو گیا ہے۔ تم جلدی سے کھانا کھا لو پھر میں تمہیں یہاں سے بھی لے چلوں گی۔"

"او ہو۔ اب میں چوروں کی طرح زندگی بسر کروں گا!"

"جو میں کہوں کرتے رہو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"اچھا۔ اچھا۔ کیا تم نہیں کھاؤ گی میرے ساتھ؟"

"چلو۔ میں بھی کھا لوں گی۔ جلدی کرو۔" کھانے کے دوران میں خاموشی رہی۔ اس کے بعد حمید نے تمباکو نوشی کے لیے پائپ نکالا ہی تھا کہ وہ بول پڑی۔ "نہیں۔ یہاں نہیں۔"

"تمہاری مرضی۔" حمید نے پائپ کو جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں عقبی دروازے سے باہر نکلے۔ باہر گہرا اندھیرا تھا۔ اس حصے میں کہیں بھی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔

حمید نے اپنی چھوٹی سی دو نالی بندوق کوٹ کی داہنی آستین میں چھپا رکھی تھی۔

وہ عمارات کے سلسلے سے دور ہوتے گئے۔ اچانک انھوں نے کسی مرد کے رونے کی آواز سنی جو ان کے چلنے ہی کی سمت سے آ رہی تھی۔ دونوں رک گئے۔ آواز قریب ہوتی جا رہی تھی۔

"میرے مہمان۔ میرے مہمان... ہائے میرے مہمان۔ خداوندا میں کیا کروں۔ ہائے دو سیاہ ہو گیا۔"

اور پھر دہاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا گیا۔

"یہ... یہ ضیغم بھائی کی آواز ہے۔" دردانہ آہستہ سے بولی۔

"ہمیں پھانسنے کے لیے جال پھیلایا ہے۔ اس نے۔"

"خدا جانے۔" دردانہ کا لہجہ پُر تشویش تھا۔

وہ ایک درخت کے موٹے سے تنے کی اوٹ میں ہو گئے اور ضیغم دہاڑیں مار مار کر روتا ہوا ان کے قریب ہی سے گزر گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں صمدانی کا داؤ نہ چل گیا ہو... لگا دیا ہو اس کے بھی انجکشن... آدمی تھا یا بھوت۔ لیکن اب وہ خود کہاں ہوگا۔ باپ بیٹے دونوں ہی قابو میں آ گئے۔ لیکن وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کیا چکر ہے۔ باؤلی اور ریشم کے ٹکڑوں کا کیا قصہ ہے۔

ضیغم کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ دفعتاً اسی نے دردانہ سے کہا۔

"ہم کب تک یہاں کھڑے رہیں؟"

"شش۔ کیا تم نہیں سن رہے؟"

"وہ بہت دور نکل چکا ہے۔"

"غغ... غراہٹ کی آواز۔"

حمید نے ضیغم کی آواز کی طرف سے توجہ ہٹائی ہی تھی کہ غراہٹ بھی سن لی۔ یہ غراہٹ بھی قریب کی نہیں تھی! سمت کا اندازہ بھی نہ ہو سکا۔

"بہتر ہوگا کہ اب ہم یہیں ٹھہر کر اس کا بھی انتظار کریں۔" حمید نے کہا۔

"مم۔ مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔"

"بالکل نہ ڈرو۔ چار سو دس بور کا کھلونا میرے پاس موجود ہے۔"

غراہٹ قریب ہوتی جا رہی تھی اور اب حمید سمت کا تعین بھی کر سکتا تھا۔ آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تیزی سے دوڑتا ہوا انھی کی سمت آ رہا ہے۔

حمید نے پھرتی سے بندوق نکالی اور آواز کی سمت فائر کر دیا۔ غراہٹ کا سلسلہ یکلخت ٹوٹ گیا۔ ایسا لگا جیسے فائر کی آواز نے بھیڑیے کے قدم روک دیے ہیں، لیکن حمید کی چھٹی حس پوری طرح بیدار ہو گئی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب وہ بے آواز آئے گا۔ اس نے اسی سمت دوسرا فائر بھی کر دیا۔ اس بار بھیڑیے کی آواز غراہٹ سے مختلف تھی اور یہ مسلسل آواز تیزی سے دور ہوتی چلی گئی۔

"اس بار گھائل ہو کر بھاگا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"مجھے تو نہیں دکھائی دیا تھا۔ تم نے کیسے دیکھ لیا؟"

"میں آواز پر نشانہ لگاتا ہوں۔"

اچانک دوڑتے ہوئے قدموں کی آہٹ ہوئی اور وہ چونک پڑے۔ دوڑنے والا چیخنے لگا تھا۔ "کون فائر کر رہا ہے۔ سامنے آئے۔ پرنس۔ صمدانی صاحب۔"

"ضیغم بھائی۔" دردانہ آہستہ سے بولی۔ "شاید فائروں کی آواز سن کر پلٹ آئے ہیں۔"

"صمدانی صاحب۔ پرنس! خدا کے لیے مجھے معاف کر دیجیے۔ میں شرمندہ ہوں! مجھے مہمانوں کا احترام کرنا چاہیے تھا۔" ضیغم بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔

"میں تو اب اس سے ملوں گا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"کہیں دھوکا نہ ہو۔"

"کچھ بھی ہو۔ دھوکا ہوا تو گولی مار دوں گا۔" حمید نے کہا اور ضیغم کو آوازیں دینے لگا۔

"پرنس آپ کہاں ہیں؟"

"میں یہاں ہوں۔"

"کیا آپ نے فائر کیے تھے؟"

"ہاں۔ بھیڑیا میرا پیچھا کر رہا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ وہ میرا پالتو بھیڑیا ہے۔" ضیغم کی آواز آئی۔

"خداوندا۔" دردانہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "میں تصور بھی نہ کر سکتی۔"

"اچھا اب تم چپ چاپ یہاں سے چلی جاؤ۔" حمید نے اس سے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ وہ تمہیں میرے ساتھ دیکھے۔"

"میرے خیال سے بھی یہی مناسب ہے، لیکن تم ہوشیار رہنا۔" دردانہ نے کہا اور اس کے پاس سے ہٹ گئی۔

اتنے میں ضیغم اسی درخت کے قریب پہنچ گیا جس کے پیچھے حمید کھڑا تھا۔ ضیغم نے ٹارچ روشن کی اور حمید پر نظر پڑتے ہی گڑگڑانے لگا۔ حمید نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں میں تمہیں اپنا عزیز سمجھتا ہوں۔"

اچانک بائیں جانب سے صمدانی کی آواز آئی۔ "ضیغم۔ میرے بچے میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ خدا سب کو نرم دلی عطا کرے۔"

قریب پہنچ کر اس نے ضیغم کا ہاتھ پکڑا اور بولا۔ "چلو میرے ساتھ اور پرنس آپ جا کر آرام کیجیے۔"

پھر حمید وہیں کھڑا رہ گیا تھا اور وہ دونوں آگے بڑھ کر اندھیرے میں گم ہو گئے تھے۔

⁂

پھر حمید اندھیرے میں راستہ بھول گیا تھا اور آدھے گھنٹے تک اِدھر اُدھر بھٹکتے رہنے کے بعد جائے رہائش تک پہنچ سکا تھا۔

صمدانی نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ "مجھے افسوس ہے پرنس کہ آپ کو تھوڑی سی تکلیف اٹھانی پڑی۔" اس نے کہا۔ "اب آپ سچ مچ آرام کیجیے۔ بقیہ معاملات میں خود ہی دیکھوں گا۔ آخر ہمارے گھرانے پر اسی لیے تو آپ کے اجداد اتنا اعتماد کرتے تھے۔"

حمید کراہتا ہوا آرام کرسی میں گر گیا۔ صمدانی نے تالی بجائی اور ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"بلیک کافی۔ تیز گرم۔" اس نے اس سے کہا اور وہ تعظیماً جھک کر واپس چلا گیا۔

"اس طرح آپ کی تھکن دور ہو جائے گی اور آپ آرام سے سو سکیں گے۔" صمدانی، حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"بچا صمدانی۔" حمید اٹھ کر سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔ "آخر ضیغم کیسے سیدھا ہو گیا؟"

"وہی انجکشن پرنس! اگر شیر کو دے دیا جائے تو اسے بکریاں سینگوں پر رکھ لیں گی۔"

"کس طرح؟"

"کنپٹی پر پڑنے والے ایک گھونسے نے اسے بے ہوش کیا تھا اور پھر انجکشن دینے میں آسانی ہو گئی تھی۔"

"تم حیرت انگیز ثابت ہوئے ہو چچا صمدانی۔"

"آپ کے اجداد جوہر شناس تھے۔"

"اوہ۔" حمید پیٹ دباتے ہوئے اٹھا اور صمدانی سے بولا۔ "میرا معدہ... پتہ نہیں یہ لوگ کیا کھاتے کھلاتے ہیں... میں ابھی آیا۔"

وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چل پڑا۔ ایک بار پھر اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعہ فریدی سے رابطہ قائم کرنا چاہا، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

جھلاہٹ میں اس نے سوئچ آف کیا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔

پہلی نظر میں کمرہ خالی دکھائی دیا لیکن اسے ایسا محسوس ہوا جیسے قدِ آدم گلدان کے پیچھے کوئی چھپا ہوا ہو۔ غالباً اس نے نیلے رنگ کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی۔

وہ گلدان کی طرف جھپٹا اور دردانہ اچھل پڑی پھر فوراً ہی سنبھل کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"بوڑھے نے کافی پاٹ میں ایک کیپسول ڈالا تھا۔" دردانہ آہستہ سے بولی۔ "پھر اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔ کیا تم کافی پینے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"اس نے میرے ہی لیے کافی منگوائی تھی۔ میں ذرا باتھ روم تک گیا تھا۔"

"کیا تمہیں بوڑھے پر اعتماد ہے؟"

"ابا حضور کو تو ہے۔ پھر مجھے بھی ہونا چاہیے۔"

"وہ بے حد خطرناک آدمی ہے۔"

"اچھا میں دیکھ لوں گا۔ تم اب یہاں سے چلی جاؤ۔"

"پھر کہتی ہوں۔ کافی کو ہاتھ نہ لگانا۔"

"اچھا اچھا۔ اب تم جلدی سے چلی جاؤ۔ کرخناک باپ، کرخناک بیٹا... دونوں بکری بن گئے۔ مجھے بھی تشویش ہے۔ صمدانی کو میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔"

"اوہ۔" دردانہ نے طویل سانس لی اور مسکرا کر بولی۔ "اب میں مطمئن ہوں۔ جا رہی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ حمید اس میز کی طرف متوجہ ہوا جس پر کافی پاٹ اور دو تین کپ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک کپ میں کافی انڈیلی اور اسے قدِ آدم گلدان میں الٹ دیا۔ تھوڑی سی کپ میں باقی رہنے دی اور کپ کو دوبارہ کافی پاٹ کے قریب رکھ کر خود سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ جسم ڈھیلا چھوڑا اور آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد اس نے تین آوازیں سنیں۔

صمدانی کہہ رہا تھا۔ "اوہو پرنس کرسی ہی پر سو گئے۔ ایسا ہی پڑا

اور حیوٹ کا جوان آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" ضیغم نے کہا۔ "مجھے بھی تیلے پن پر حیرت ہوتی ہے۔ کوندے کی لپک ہیں پرنس۔"

"لیکن تم بہت نالائق ہو۔" یہ سردار قاہر کی آواز تھی۔

"مجھے ندامت ہے۔ زندگی بھر رہے گی۔" ضیغم کی آواز آئی۔

حمید بدستور آنکھیں بند کیے گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔

"اب ہمیں یہاں سے فوراً چل دینا چاہیے۔" صمدانی بولا۔

"لل... لیکن پرنس۔" یہ ضیغم کی آواز تھی۔

"نہیں... انھیں مت چھیڑنا۔ بس روشنی بند کر کے چل نکلو۔ خود ہی جاگیں گے اور اپنے بیڈ روم میں چلے جائیں گے۔ سونے سے جگایا جانا بالکل پسند نہیں کرتے، خواہ کہیں سو گئے ہوں۔"

پھر حمید نے سوئچ آف ہونے کی آواز سنی اور آنکھوں میں خفیف سا درز کر کے دیکھا۔ کمرہ تاریک تھا۔ اس کے بعد کوئی آواز نہ سنائی دی۔ حمید نے آنکھیں کھول دیں، لیکن اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

بہرحال اسے توان کا تعاقب کرنا تھا۔ اس لیے زیادہ دور اندیشی کو بھی راہ نہیں دی جا سکتی تھی۔ وہ اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی۔ "پرنس... تم کہاں ہو؟"

"میں بے ہوش پڑا ہوں۔" حمید نے بھی سرگوشی ہی میں جواب دیا۔ "چپ چاپ باہر نکل آؤ۔ دور تک اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔"

وہ اندازے سے باہر نکل آیا۔ برآمدے میں پہنچ کر اس نے پیروں کی چاپ سنی تھی۔

یہاں بھی اندھیرا تھا اور دردانہ اس کے قریب کھڑی آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ "تم نے تو کمال کر دیا۔ بڑی خوبصورتی سے بے ہوش ہوئے تھے۔ وہ لوگ پرانی باؤلی کی طرف گئے ہیں۔"

"پرانی باؤلی تک میری رہنمائی کرو۔" حمید بولا۔

"یقیناً کروں گی۔ میں ڈرپوک تو نہیں ہوں۔ وہاں بھیڑیا بھی ہوگا۔ خدا کی پناہ ضیغم نے کہا تھا کہ وہ اس کا پالتو بھیڑیا ہے۔"

"ہاں کچھ لوگ بھیڑیئے بھی پالتے ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے وہ اب تک کئی لوگوں کی جانیں لے چکا ہے۔ تم خود سوچو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرا ماموں زاد بھائی اتنا اذیت پسند ہوگا۔"

"ہمیں جلد از جلد ان کا پیچھا کرنا چاہیے۔ تم بس دور سے باؤلی دکھا کر واپس آجانا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میں بھی چلوں گی پورے انتظام کے ساتھ آئی ہوں۔ میرے تھیلے میں ٹارچ، پستول اور وافر تعداد میں کارتوس موجود ہیں۔"

"بے بی کان... وہاں گولیاں بھی چل سکتی ہیں۔"

"پستول اور کارتوس نمائش کے لیے نہیں لائی۔ چلو جلدی کرو۔ میری اسپورٹس کار باہر موجود ہے۔ وہ عام راستے سے گئے ہوں گے میں دوسری طرف سے لے چلوں گی۔"

"یہ اور بھی اچھا ہوگا۔"

کچھ دور چل کر اسپورٹس کار کچے راستے پر اتار دی گئی۔ دردانہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی اور حمید سوچ رہا تھا کاش وہ سچ مچ اس کی چچازاد بہن ہوتی... ڈرائیونگ کے معاملے میں بھی بڑی نڈر لڑکی تھی۔

"اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ضیغم بڑا کمینہ آدمی ہے اور ماموں جان کو کیا کہوں، لیکن یہ بُری بات ہے کہ ضیغم نے بھیڑیا پال رکھا ہے اور یہ مشہور کرا دیا ہے کہ وہ دادا جان والے بھیڑیئے کی روح ہے۔"

"آخر اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"دیکھو جگنو کی ٹوپی سے کیا برآمد ہوتا ہے؟ پتہ نہیں باؤلی میں کیا ہے جسے محفوظ رکھنے کے لیے وہاں ایک بھیڑیا ضروری سمجھا گیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہاں ضرور کچھ ہے؟"

"اور وہ بڑھا مردود میری شادی کرانے نہیں آیا۔ باؤلی ہی کی کچھ بات معلوم ہوتی ہے۔"

"شادی کی بات نہ کرو۔" دردانہ غرائی۔

"محبت کی کروں؟"

"بالکل خاموش بیٹھو۔"

"کیا تم اب تک مجھ سے ناراض ہو؟"

"میں سارے مردوں سے ناراض ہوں۔"

حمید پھر نہ بولا۔ گاڑی کچھ دیر بعد رک گئی اور دردانہ نے حمید سے اترنے کو کہا۔

ویسے اس کے لہجے سے حمید نے اندازہ کر لیا کہ وہ اس کے اس طرح خاموش رہ جانے پر کسی قدر ناراض ہے۔

"تم مجھے باؤلی تک پہنچا کر واپس جاؤ گی۔" حمید نے اس سے کہا۔

"بیوقوفی کی باتیں نہ کرو۔ تمھیں وہاں قدم قدم پر میری رہنمائی کی ضرورت پڑے گی۔"

"تمھیں بھیڑیئے سے خوف نہیں معلوم ہوتا؟"

"تمھاری موجودگی میں خوف نہ معلوم ہوگا۔ اچھا اب خاموشی سے چلو۔" دردانہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک سمت گھسیٹتے ہوئے کہا۔ باؤلی کے قریب پہنچ کر وہ پھر رکے تھے۔ یہاں دُور تک

مدِآدم جھاڑیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے اور باؤلی بھی انھی کے درمیان کہیں پوشیدہ تھی۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ جھینگروں کی جھائیں جھائیں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

دردانہ نے ٹارچ روشن کی اور حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی ہوئی جھاڑیوں میں گھس پڑی۔ کچھ دور چلنے کے بعد جھاڑیوں کے درمیان ہی انھیں ایک چھوٹی سی کار دکھائی دی جو خالی تھی۔

"یہ ضیغم کی گاڑی ہے۔" دردانہ نے آہستہ سے کہا۔

"مارو گولی۔ تم آگے چلتی رہو۔" حمید شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

کچھ دور چل کر اچانک وہ پھر رک گئی اور مڑ کر حمید سے بولی۔

"بھیڑیا۔"

"کہاں؟"

"مر چکا۔"

حمید نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ بھیڑیئے کی کھوپڑی میں بڑا سا سوراخ تھا اور اس کی ایک ٹانگ بھی چوٹ کھائی ہوئی تھی۔

"اوہو۔ اسے مارا کس نے۔ میری گن کے چھرے اس کے پاؤں میں لگے ہوں گے، لیکن یہ بڑی گولی؟"

"ہو سکتا ہے ضیغم ہی نے اسے ختم کر دیا ہو۔ ایک اجنبی بھی تو ساتھ ہے اس کے ہو سکتا ہے۔ اس نے بوڑھے صمدانی پر حملہ کیا ہو۔"

"اسے بوڑھا صمدانی نہ کہو، جوان صمدانی کہو۔ بہت تاکتور ہے۔"

"ہونہہ۔ چلو آگے بڑھو۔ اب تمھیں آگے چلنا چاہیے۔ میں پیچھے سے روشنی دکھاؤں گی۔"

"فرانس میں عورتیں آگے چلتی ہیں۔ مجھ سے یہ بے ادبی نہیں ہو سکتی۔"

"باتیں نہ بناؤ... چلو۔" وہ پیچھے ہٹ کر اسے آگے دھکیلتی ہوئی بولی۔ حمید پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ اس کی چوڑائی دو فٹ سے زیادہ نہیں تھی اور دونوں جانب ان کے سروں سے اونچی جھاڑیاں تھیں۔

دفعتاً حمید نے جیب سے وہ اسپرنگ نکالے جنھیں نتھنوں میں فٹ کر لینے سے دہانے کی بناوٹ میں تبدیلی ہو جاتی تھی۔

باؤلی کے قریب پہنچ کر دردانہ نے ہوشیار رہنے کو کہا۔ وہ بہت بڑے قطر کا کنواں تھا۔ جس کی جگت کی اونچائی کم از کم تین فٹ ضرور ہی ہوگی۔ چار سیڑھیاں طے کر کے وہ اوپر پہنچے، انھی سیڑھیوں کی سیدھ میں نیچے جانے والے زینے تھے۔

شاید اسی دوران میں دردانہ کی نظر حمید کے چہرے پر پڑ گئی تھی۔ "اوہو۔ یہ کیا؟" وہ چونک پڑی۔

"کیا ہوا؟"

"تمھاری شکل۔"

"فکر نہ کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ صمدانی مجھے پہچان سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھے اس مہم پر ساتھ نہیں لانا چاہتا تھا اسی لیے اس نے کافی میں بے ہوشی کا کیپسول ڈالا تھا۔ اباحضور کی ہدایت تھی کہ صمدانی کی مرضی پر چلوں جو کچھ کہے وہی کروں۔"

"آخر تم میں کتنے کمالات ہیں۔ اس طرح مسلسل اوپری ہونٹ اوپر اٹھائے رکھ کر گفتگو کرتے رہنا آسان کام تو نہیں ہے اور یہ ناک بھی تو اوپر اٹھ گئی ہے۔" دردانہ نے اس کی ناک کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہ پیچھے ہٹ کر بولا۔ "ابھی نہیں... بعد میں۔"

"تو اب میں ٹارچ نہیں روشن کروں گی۔" دیوار کے سہارے آہستہ آہستہ نیچے اترتے رہے۔ زینوں کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے دریچوں کے سلسلے نیچے تک چلے گئے تھے۔ ان سے ہوشیار رہنے کے لیے خاص طور پر دردانہ نے ہدایت کی تھی۔ کچھ ہی زینے طے کیے تھے کہ داہنی جانب والے ایک دریچے میں روشنی دکھائی دی اور دردانہ نے حمید کا شانہ دبا کر رک جانے کا اشارہ کیا۔ یہ زینے پر وہ کھڑے ہوئے تھے۔ دریچہ اس سے قریباً دو ڈھائی فٹ اونچا تھا اور کمرے میں پہنچنے کا راستہ بھی یہی تھا۔ حمید آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا۔ دریچے کے ایک پہلو سے جا لگا۔ خود اس کے پس منظر میں تاریکی تھی اور کمرے کی روشنی اتنی محدود تھی کہ اندر سے اس کے دیکھ لیے جانے کا امکان نہیں تھا۔

اس نے ان تینوں کو دیکھا جو ایک موم بتی کی روشنی میں بڑے غور سے سامنے والی دیوار کا جائزہ لے رہے تھے۔

دردانہ اس کی پشت پر لدی ہوئی کمرے میں جھانک رہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے۔" دفعتاً صمدانی کی آواز آئی۔ "ابھی تک ہم بھیڑیا ہی نہیں تلاش کر سکے۔"

حمید نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ دیوار پر بنے ہوئے ایک پیٹرن کا جائزہ لے رہے ہیں۔ یہ فرش سے دو فٹ کی اونچائی تک دیوار پر چاروں طرف بنا ہوا تھا۔ مختلف جانوروں کی تصویریں اس طرح ترتیب دی گئی تھیں کہ گل بوٹے سے معلوم ہوتے تھے۔

"اوہو۔ یہ رہا۔ پھر سے دیکھ لو پورے پیٹرن میں اس بھیڑیئے کے علاوہ کوئی دوسرا بھیڑیا موجود نہیں۔" صمدانی نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا اور وہ دونوں باپ بیٹے ایک بار پھر چاروں طرف گھوم کر اس کے بیان کی تصدیق کر آئے۔

"کوئی دوسرا نہیں ہے۔" سردار قاہر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اچھا تو پھر کام شروع کر دو۔" صمدانی نے ضیغم کے شانے پر

ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے کہا۔

حمید کو قطعاً دلچسپی نہیں رہی تھی کہ کمرے کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ بس وہ ایک غیر جانبدار تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھے جا رہا تھا۔

ضیغم نے چرمی تھیلے سے کچھ اوزار نکالے اور بھیڑیے کی تصویر پر سے پلاسٹر ادھیڑنا شروع کر دیا۔ ذرا ہی دیر میں اس نے دیوار میں خاصا بڑا گڑھا بنا دیا تھا۔

دفعتاً صمدانی ہاتھ اٹھا کر بولا "ٹھہر جاؤ" اور قاہر کے ہاتھ سے موم بتی لے کر گڑھے کے قریب لایا۔ اس کے بعد اس نے داہنا ہاتھ گڑھے میں ڈالا تھا اور ایک صندوقچی نکال لی تھی۔

"اوہو۔ اوہو" دونوں کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

"اسے کھولیے۔ اسے کھولیے" ضیغم نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"نہیں" صمدانی کا لہجہ بے حد سخت تھا "اب تم دونوں کو اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے"

"یہ... یہ... تو زیادتی ہے... صمدانی بھائی" قاہر گھگھیایا۔

"جی ہاں... جناب" ضیغم کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

ٹھیک اسی وقت چھت کی تاریکی سے ایک سیاہ فام آدمی صمدانی پر آ کودا اور اس کے ہاتھ سے صندوقچی چھینتا ہوا دور جا کھڑا ہوا۔

حمید نے طویل سانس لی۔ یہ چوتھا آدمی سرتاپا سیاہ پوش تھا۔ لباس کھال کی طرح پورے جسم پر منڈھا ہوا تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے اور چمکدار آنکھیں ان سے صاف نظر آ رہی تھیں۔

"صندوقچی زمین پر ڈال دو" صمدانی نے گرج کر کہا۔

"بکواس مت کرو۔ ورنہ ہڈیاں توڑ دوں گا" سیاہ پوش بولا۔ حمید کی جان میں مزید جان آئی۔ آواز فریدی ہی کی تھی۔

صمدانی نے فائر کر دیا۔

"ہیں" سیاہ پوش نے قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد صمدانی نے بقیہ پانچ کارتوس بھی خالی کر دیے تھے، لیکن سیاہ پوش اب بھی اسی طرح کھڑا حقارت سے ہنس رہا تھا۔

اچانک قاہر اور ضیغم "بھوت بھوت" چیختے ہوئے اس دریچے کی طرف بھاگے جس کی دوسری طرف حمید اور دردانہ کھڑے تھے۔

حمید نے مکے مار مار کر ان دونوں کو پھر کمرے کے وسط میں پہنچا دیا۔ ادھر صمدانی سیاہ پوش سے لپٹ پڑا تھا۔ صندوقچی اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی، لیکن ان دونوں میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اسے اٹھا لیتے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے بری طرح کانپ رہے تھے اور ان کی خوفزدہ چیخیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

حمید بھی کمرے میں کود جاتا لیکن دردانہ نے اس کی کمر تھام لی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"میں تمہیں اندر نہیں جانے دوں گی۔ تم نے دیکھا نہیں کہ چھ گولیاں کھانے کے بعد بھی وہ صمدانی سے چمٹا ہوا ہے"

"میرا... بھائی ہے۔ مجھے جانے دو" حمید نے کہا اور ناک سے اسپرنگ نکال کر جیب میں ڈال لیے۔

اس کے بعد وہ دردانہ سمیت کمرے میں کود گیا تھا۔ وہ اسے برا بھلا ہی کہتی رہ گئی تھی۔

"پرنس؟" صمدانی پُرمسرت لہجے میں چیخا "میری مدد کرو"

"میں بھوتوں سے چہل نہیں کرتا" حمید نے بے پروائی سے کہا اور صندوقچی فرش سے اٹھا لی۔

"اچھا۔ اسے لے کر یہاں سے چلے جاؤ"

"نہیں تمہاری کشتی میں مزا آ رہا ہے۔ میں یہیں رک کر تماشا دیکھنا چاہتا ہوں"

دردانہ دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی تھی۔

"بھیو... بھاگو... بیٹی... بھوت" قاہر کانپتا ہوا چیخا "پرنس بھاگو۔ مم... مجھے بھی نکال لے چلو"

"بھوت ہی معلوم ہوتا ہے" صمدانی سیاہ پوش سے گتھا ہوا بڑبڑایا "پتھر کا ہے... پتھر"

اور پھر اس پتھریلے بھوت نے صمدانی کو سر سے اونچا اٹھا کر فرش پر پٹک دیا۔

صمدانی کی چیخ بڑی کربناک تھی۔ اس کے بعد وہ نہیں اٹھ سکا تھا۔

"برادرم بھوت کیا یہ مر گیا؟" حمید نے سیاہ پوش سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ خود دیکھ لو" اس نے جواب میں کہا اور حمید کے ہاتھ سے صندوقچی چھین کر دریچے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ عجیب سا سناٹا کمرے کی فضا پر مسلط تھا۔

بھوت کی روانگی کے بعد ہی دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے سے الگ ہٹ گئے تھے اور خاموش کھڑے گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

حمید صمدانی پر جھکا ہوا تھا۔ وہ بے ہوش تھا۔ شاید اپنے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی کیونکہ داہنا ہاتھ تیزی سے متورم ہوتا جا رہا تھا۔

جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تو قاہر نے پوچھا "کک کیا مر گئے صمدانی بھائی؟"

"بے ہوش ہو گیا ہے۔ بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے"

"ہمیں یہاں سے نکال لے چلیے پرنس۔ جتنی جلدی ممکن ہو" بڑی لجاجت سے کہا۔

اچانک ضیغم چونک کر بولا "مم... میرا بھیڑیا"

"تمہارا بھیڑیا۔ تم نے تو اسے گولی مار دی تھی"

"نن... نہیں" ضیغم ہکلا کر بولا۔

"ہم نے راستے میں اس کی لاش دیکھی تھی" دردانہ نے سخت لہجے میں کہا "مجھے نفرت ہو گئی ہے تم سے"

"ہم دونوں کو معاف کر دو بیٹی" قاہر نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھے بتائیے یہ۔ یہ سب کیا ہے"

"یہ ہماری کمینگی کی کہانی ہے بیٹی۔ گھر چلو میں سب کچھ بتا دوں گا"

اتنے میں ضیغم "میرا بھیڑیا... میرا بھیڑیا" چیختا ہوا دریچے کی طرف جھپٹا اور باہر کود گیا۔

"اوہ جہنم میں جائے بھیڑیا" قاہر بڑبڑایا "پرنس خدا کے لیے یہاں سے چلو۔ وہ صندوقچی تمہارے باپ کی ملکیت تھی"

"کیا مطلب" دردانہ چونک پڑی۔

"گھر چلو۔ وہیں سب بتاؤں گا"

اتنے میں کئی لوگ دریچے سے اندر کود آئے۔ ان کے جسموں پر ریاستی پولیس کی وردیاں تھیں۔

"اوہو۔ ولی خان" قاہر ایک آدمی کی طرف ہاتھ اٹھا کر چہکا۔

"میں خان کے حکم سے آپ کو گرفتار کرتا ہوں" اس نے ہتھکڑیاں نکالتے ہوئے کہا۔

"کک... کیوں... خ... خان تو لیل بھی نہیں سکتے"

"بحمداللہ وہ اس وقت کوتوالی میں تشریف رکھتے ہیں اور سردار ضیغم کو برخواست کر کے مجھے پولیس کا سربراہ بنایا گیا ہے"

"اللہ رحم" قاہر نے کہا اور چکرا کر گر پڑا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ سپاہیوں نے قاہر اور صمدانی کو اٹھایا۔

"تشریف لے چلیے آپ بھی" ولی خان نے حمید اور دردانہ سے مؤدبانہ کہا۔

دونوں خاموشی سے باہر آئے۔ کنویں کی جگت پر پہنچے ہی تھے کہ انہوں نے ایک فائر کی آواز سنی۔ حمید اور ولی خان آواز کی طرف جھپٹے تھے اور پھر جب وہ اس جگہ پر پہنچے جہاں بھیڑیے کی لاش دیکھی تو سناٹے میں آ گئے۔ بھیڑیے کے قریب ہی ضیغم خون میں نہایا ہوا تڑپ رہا تھا۔

"خودکشی جناب" ولی خان ٹارچ کی روشنی میں اس پر جھکتا ہوا بولا "ریوالور اس کے ہاتھ میں موجود ہے۔ داہنی کنپٹی پر فائر کیا تھا۔ ظالموں پر اللہ ہے"

محل پہنچ کر حمید اپنے کمرے میں تنہا رہ گیا تھا۔ دفعتاً پہلی بار اسے اپنے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ فریدی اس سے کہہ رہا

میں نے لاہور میں بیشتر لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ پیسہ ہاتھ کا میل اور عورت پاؤں کی جوتی ہے۔ تاہم حیرت کی بات یہ ہے کہ میں نے یہاں لوگوں کی کثیر تعداد کو اس جوتی اور میل کے لئے ذلیل و خوار ہوتے دیکھا ہے۔ یہ میل تو کچھ لوگوں کے ہاتھ آ جاتا ہے بیشتر اس کے لئے ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ البتہ شادی کی بدولت جوتی سب کا مقدر بنتی ہے بلکہ کئی ایک تو جوتی کے بجائے جوتیوں کی خواہش کرتے ہیں اور یہ خواہش اس وقت پوری ہو جاتی ہے جب وہ مزید شادیاں کرتے ہیں

عطاالحق قاسمی کی کتاب "خندہ مکرر" سے اقتباس

محمد ابراہیم جیلانی نیو کراچی

••••••••••••••••••••••

تھا کہ وہ بہت احتیاط سے اسی جگہ پہنچ جائے جہاں اس نے بھیڑیے پر فائر کیا تھا۔ احتیاط کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ چھپ کر محل سے نکلے۔ حمید نے اس حصے کی لائٹ آف کر دی اور سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی قبرستان سے گزر رہا ہو۔ بس وہ اندازے سے چلا جا رہا تھا ورنہ اس اندھیرے میں یہ پتہ چلانا بے حد مشکل تھا کہ اس نے کس جگہ سے بھیڑیے پر فائر کیا تھا۔

اچانک کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی کی زد میں آ گیا۔ گاڑی اس کی طرف آ رہی تھی کچھ فاصلے پر وہ رک گئی اور انڈیکیٹنگ لائٹ کے ذریعہ اشارہ ملنے لگا کہ "ادھر آ جاؤ"

ایسے حالات میں یہ فریدی کا مخصوص انداز تھا۔ حمید گاڑی کی طرف جھپٹا اور اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر فریدی کے برابر بیٹھ گیا۔ صمدانی پچھلی سیٹ پر پڑا کراہ رہا تھا۔ اچانک اس نے کہنا شروع کیا "میری نیت بخیر تھی۔ میں اعتماد الدولہ کی امانت ان کے بیٹے تک پہنچا دیتا"

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار تیزی سے آگے بڑھ گئی اس کے بونٹ پر چھوٹی سی جھنڈی لہرا رہی تھی۔ غالباً وہ اسی جھنڈی کا اعجاز تھا کہ قلعہ کے پھاٹک کے پہرہ داروں نے انہیں تعظیم دی تھی اور گاڑی پھاٹک سے نکلتی چلی گئی تھی۔

صبح تک وہ شہر پہنچ سکے تھے۔ اس بار سفر کار ہی سے ہوا تھا اور فریدی ایک بوڑھے پولیس آفیسر کے میک اپ میں تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ خان ظفریاب سے اسی میک اپ میں ملا ہوگا۔ تب ہی تو صمدانی کو ان لوگوں کی حراست سے نکال پایا۔

اپنی کوٹھی کے قریب گاڑی روک کر فریدی نے حمید سے کہا۔ "میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے اپنا پارٹ خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اب جاؤ آرام کرو۔"

وہ اسے گاڑی سے اتار کر صمدانی سمیت کہیں اور چلا گیا تھا۔ حمید کی دو راتیں برباد ہوئی تھیں۔ لہٰذا لباس تبدیل کیے بغیر جو بستر پر گرا تو شام ہی کی خبر لی۔

پھر جاگا تو ایک ملازم چھوٹا سا وائر ریکارڈر تھما کر رخصت ہو گیا۔ وائر ریکارڈر فریدی کا تھا جس میں بسا اوقات وہ حمید کے لیے ہدایات ریکارڈ کر جایا کرتا تھا۔ حمید نے اس کا سوئچ آن کر دیا۔ فریدی کی آواز آئی۔

"حمید میں دو دن کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ دو دن تمہارے لیے بیحد صبر آزما ہوں گے۔ اس لیے صمدانی والے کیس کی مختصر رپورٹ چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہ سپرنٹنڈنٹ کے دوست اقتدار الدولہ کا ایک نجی معاملہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقتدار الدولہ کا لڑکا افتخار پانچ سال کی عمر سے پیرس میں مقیم ہے اور اس وقت سے آج تک یہاں نہیں آیا۔ اس خاندان کی کہانی جو تم نے صمدانی سے سنی ہے۔ حرف بہ حرف درست تھی۔ خان دوراں اور اقتدار کے باپ اعتماد الدولہ جڑواں بھائی تھے اور ان کے مصاحبین میں سردار قاہر اور صمدانی کے باپ قابلِ اعتماد سمجھے جاتے تھے ... اعتماد الدولہ کے باپ نے مرتے وقت ان دونوں کو بلا کر جواہرات پر مشتمل ایک خزانے کا امین بنایا۔ وہ ان جواہرات کو اعتماد الدولہ کے لیے مخصوص رکھنا چاہتے تھے کیونکہ ان کی جائداد میں سے اعتماد الدولہ کو کچھ بھی نہ ملتا۔ اس جائداد کا بٹوارہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ ہر دور میں سب سے بڑے بیٹے کی تحویل میں رہی تھی اور وہی خاندان کے بقیہ افراد کی کفالت کرتا تھا۔ بہر حال اس خزانے کا نصف نقشہ قاہر کے باپ کے سپرد کیا گیا اور آدھا نقشہ صمدانی کے باپ کو دیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اگر اعتماد الدولہ اسے قبول کرنے پر تیار نہ ہوں تو وہ ان کے بعد ان کی اولاد کے سپرد کر دیا جائے لیکن وہ دونوں مصاحبین بے ایمانی پر اتر آئے۔ اور اعتماد الدولہ کے والد کے انتقال کے بعد وہ آدھے نقشے کے لیے ایک دوسرے سے نبرد آزما ہو گئے لیکن ان میں سے کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ صمدانی کا باپ مرتے وقت آدھا نقشہ اپنے بیٹے کے سپرد کرتے ہوئے وصیت کی کہ وہ صمدانی سے دوسرا نصف حاصل کر کے پورا نقشہ اقتدار الدولہ تک پہنچا دے لیکن قاہر کی نیت بھی بدل گئی اب قاہر اور صمدانی میں ٹھن گئی۔ ادھر قاہر جو خان ظفریاب کا سالا بھی تھا اس کوشش میں لگ گیا کہ درعانہ کی شادی اقتدار الدولہ کے بیٹے کی بجائے اس کے بیٹے ضیغم سے ہو۔

آخر اس نے خان ظفریاب کو قید کر کے یہ بات مشہور کرا دی کہ وہ سخت بیمار ہیں۔ گھر والوں تک کو ان سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ ادھر ضیغم نے باؤلی میں ایک بھیڑیا پالا کیونکہ ان کے پاس والے آدھے نقشے سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ جو کچھ بھی ہے باؤلی ہی میں ہے۔ یہ بھیڑیا اس لیے پالا گیا تھا کہ صمدانی اور اس کے حواری ان کی غیر موجودگی میں داخل نہ ہو سکیں۔ ادھر قاہر کے باپ کا پیغام ملتے ہی اقتدار الدولہ نے صمدانی سے آدھے نقشے کا مطالبہ کیا۔ صمدانی نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر بات اتنی بڑھی کہ وہ اقتدار الدولہ کی ملازمت چھوڑ کر چلا گیا۔ ابھی حال ہی میں جب یہ بات میرے علم میں آئی تو میں نے سپرنٹنڈنٹ کو بھی مشورہ دیا جس پر تم عمل کر چکے ہو۔ اقتدار الدولہ نے صمدانی سے استدعا کی کہ وہ ان کے بیٹے کے لیے وہی روائتی فریضہ ادا کرے جو خود ان کے لیے ان کے باپ نے ادا کیا تھا۔ صمدانی کو منہ مانگی مراد ملی۔ اس طرح وہ خان دوراں کے قلعے میں بہ آسانی داخل ہو سکتا لیکن اگر اسے اس کا علم ہوتا کہ قاہر پوری طرح قلعے پر تسلط جما چکا ہے تو شاید وہ اُدھر کا رخ بھی نہ کرتا۔ میں خود بھی یہی سمجھتا تھا کہ خان ظفریاب بہت زیادہ بیمار ہیں اگر ہم اس طرح وہاں نہ پہنچتے تو ان کی رہائی بھی ناممکن ہوتی اور وہ موقع پا کر انہیں اس طرح ختم کر دیتے کہ طویل علالت کے بعد قدرتی موت کا گمان ہوتا۔ تمہیں ان حالات سے اس لیے لاعلم رکھا گیا تھا کہ مختلف مواقع پر تمہاری حیرت صداقت پر مبنی ہو۔ ایکٹنگ نہ معلوم ہو۔ صمدانی بیحد چالاک ہے۔"

تقریر ختم ہو گئی اور حمید نے ریکارڈر کو آف کر کے سر کھجانا شروع کر دیا۔ طرح طرح کے مذبذب رہے تھے لیکن بے بی خان۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی اور اٹھ کر باتھ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کیس کے دوران وہ بھی ترکر تا رہا تھا۔